11

سوِکس

ACADEMIC YEAR 2018-19

2018-19

پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ لاہور

"تعلیم پاکستان کے لیے زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ دُنیا اتنی تیزی سے ترقی کر رہی ہے کہ تعلیمی میدان میں مطلوبہ پیش رفت کے بغیر ہم نہ صرف اقوام عالم سے پیچھے رہ جائیں گے بلکہ ہو سکتا ہے کہ ہمارا نام ونشان ہی صفحۂ ہستی سے مٹ جائے۔"

قائداعظم محمد علی جناح، بانی پاکستان
(26 ستمبر 1947ء ۔ کراچی)

قومی ترانہ

پاک سرزمین شاد باد　　کشورِ حسین شاد باد
تو نشانِ عزمِ عالی شان　　ارضِ پاکستان
مرکزِ یقین شاد باد
پاک سرزمین کا نظام　　قوّتِ اخوتِ عوام
قوم، ملک، سلطنت　　پایندہ تابندہ باد
شاد باد منزلِ مراد
پرچمِ ستارہ و ہلال　　رہبرِ ترقّی و کمال
ترجمانِ ماضی، شانِ حال　　جانِ استقبال
سایۂ خدائے ذوالجلال

21308

جعلی کتب کی روک تھام کے لیے پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور کی درسی کتب کے سرورق پر مستطیل شکل میں ایک "حفاظتی نشان" چسپاں کیا گیا ہے۔ ترچھا کر کے دیکھنے پر اس نشان میں موجود مونوگرام کا نارنجی رنگ، سبز رنگ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح مونوگرام کے نیچے موجود سفید تیر کو سکے سے کھرچنے پر "PCTB" لکھا ظاہر ہوتا ہے۔ تصدیق کے لیے "حفاظتی نشان" پر دیے گئے کوڈ کو "8070" پر "PCTB(Space)Code No." لکھ کر SMS کریں اور انعامی اسکیم میں شامل ہوں۔ اگر SMS کے جواب میں "حفاظتی نشان" ...

www.topstudyworld.com

سوکس

11

پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور

www.topstudyworld.com

جملہ حقوق بحق پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ لاہور محفوظ ہیں۔

منظور کردہ: وفاقی وزارت تعلیم (شعبہ نصاب سازی) حکومت پاکستان، اسلام آباد۔ بحوالہ چٹھی نمبر F.13-5/2005-SS

تیار کردہ: پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ لاہور

اس کتاب کا کوئی حصہ نقل یا ترجمہ نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی اسے ٹیسٹ پیپر، گائیڈ بکس، خلاصہ جات، نوٹس یا امدادی کتب کی تیاری میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
-1	علم شہریت کا تعارف	1
-2	علم شہریت کے بنیادی تصورات	17
-3	ریاست	33
-4	اقتدار اعلیٰ	56
-5	حکومت	67
-6	قانون	109
-7	شہری اور شہریت	123
-8	دستور	144
-9	سیاسی حرکیات	156

مصنفین: ☆ پروفیسر آفتاب احمد ڈار ☆ پروفیسر حلیمہ آفریدی

ایڈیٹرز: ☆ عالیہ انور شاہ ☆ مہر صفدر ولید

ڈائریکٹر مسودات: ڈاکٹر مبین اختر   ڈپٹی ڈائریکٹر گرافکس / آرٹسٹ: عائشہ وحید

ناشر: منصور بک ڈپو، لاہور۔   مطبع: تایا سنز پرنٹرز، لاہور

تاریخ اشاعت	ایڈیشن	طباعت	تعداد اشاعت	قیمت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب نمبر 1

علم شہریت کیا ہے

Civics - What is it?

علم شہریت کا تاریخی پس منظر (Historical Background of Civics)

علم شہریت کی ابتدا قدیم یونانی دور میں ہوئی۔ اڑھائی ہزار سال پہلے یونان ایک عظیم تہذیب کا گہوارہ تھا۔ یونانی مفکرین نے انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کا مطالعہ کیا۔ انہوں نے انسانوں کی روزمرہ زندگی، معاشرے اور سیاسی اداروں کے بارے میں بھی غور و فکر کیا اور اپنی شہرہ آفاق تحریروں میں ٹھوس اصولوں پر مبنی علم شہریت کی بنیاد ڈالی۔ افلاطون اور ارسطو نے اس علم کی وسعتوں کو بہت حد تک آگے بڑھایا۔ افلاطون نے (The Republic) اور ارسطو نے (Politics) نامی کتابیں لکھیں۔ یونان کے اس دور میں موجودہ ملک یونان کے رقبے کے اندر 158 ریاستیں موجود تھیں۔ یہ شہری ریاستیں (City States) کہلاتی تھیں کیونکہ ہر ریاست ایک شہر پر مشتمل تھی۔ یہ ریاستیں خود مختار اور خود کفیل تھیں اس لیے ہر شہری بیک وقت قانونی اور انتظامی فرائض سرانجام دیتا تھا۔ اس ترقی یافتہ دور میں ہم جب علم شہریت کا ذکر کرتے ہیں تو پہلے یونان کا تصور ہمارے ذہنوں میں آتا ہے کیونکہ ریاست کی ابتدا یونان سے ہوئی۔ مشہور مفکر ارسطو اسی سرزمین سے تھا۔ یونانی دور کے بعد رومن دور بھی علم شہریت کے حوالے سے مشہور ہے۔ آغاز میں چھوٹی چھوٹی شہری ریاستیں تھیں۔ بعد ازاں یہ چھوٹی ریاستیں فتوحات کے نتیجے میں بڑی بڑی ریاستوں کا حصہ بن گئیں۔ ایک ریاست کبھی ایک شہر پر مشتمل تھی پھر کئی شہر ایک ریاست میں شامل ہو گئے۔ اسی طرح علم شہریت کے موضوعات میں وسعت پیدا ہوئی۔ صدیاں بیت گئیں آج دنیا میں وسیع و عریض علاقوں اور کثیر آبادی والی ریاستیں موجود ہیں۔ علم شہریت بھی آج بہت وسیع ہو گیا ہے۔ جدید دور میں مقامی، قومی اور بین الاقوامی سطح کے امور کا مطالعہ کیا جاتا ہے نیز ماضی اور حال کے ساتھ ساتھ مستقبل کے بارے میں بھی علم شہریت میں موضوعات شامل ہیں۔

علم شہریت کا مفہوم (Meaning of Civics)

علم شہریت کو انگریزی میں سوکس، اردو میں شہریت اور عربی میں مدنیت کہتے ہیں۔ سوکس دو لاطینی الفاظ سوس (Civis) اور سویٹاس (Civitas) سے اخذ کیا گیا ہے جن کے معنی بالترتیب شہر اور شہری لیے جاتے ہیں۔ عربی میں مدینہ کے معنی شہر کے ہیں۔ اس لحاظ سے مدنیت ریاست میں رہنے والے شہریوں کے بارے میں مطالعہ کا نام ہے۔ قدیم یونان میں ریاست کے باشندوں میں سے جن کو حقوق حاصل تھے وہ ریاستی امور میں براہ راست حصہ لیتے تھے۔ وقت کے ساتھ ساتھ ریاستوں کی آبادی بڑھی تو جمہوریت، آزادی اور مساوات کے تصورات پروان چڑھے اور براہ راست امور میں حصہ لینے کا طریقہ ناقابل عمل بن گیا۔ شہریوں کی تعداد لاکھوں اور کروڑوں میں ہو گئی تو مجبوراً براہ راست جمہوریت کی جگہ بالواسطہ جمہوریت نے لے لی۔ آج بھی شہری ریاست کے معاملات کو اپنی مرضی سے چلانے کا حق رکھتے ہیں لیکن اب وہ اس حق کا استعمال اپنے نمائندوں کے ذریعے کرتے ہیں۔

علم شہریت کی تعریف (Definition of Civics)

-1 ایف۔ جے۔ گولڈ (F.J. Gould)

''علم شہریت ان اداروں، عادات، سرگرمیوں اور جذبات کا مطالعہ کرتا ہے جن کی بدولت ہر فرد چاہے وہ مرد ہو یا عورت، اپنے فرائض ادا کر سکے اور کسی سیاسی تنظیم کی رکنیت سے فائدہ حاصل کرے''

-2 ای۔ ایم۔ وائٹ (E.M. White)

''علم شہریت انسانی علوم کا وہ مفید شعبہ ہے۔ جس میں شہری زندگی کے ہر پہلو کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ خواہ اس کا تعلق ماضی، حال اور مستقبل سے ہو یا مقامی، قومی اور بین الاقوامی معاملات سے''

ای ایم وائٹ کی تعریف میں شہری کے مقامی، قومی اور بین الاقوامی پہلوؤں کو شامل کیا گیا ہے۔ نیز شہری زندگی کے تمام شعبے اس علم میں زیر بحث آتے ہیں۔ ای ایم وائٹ کی دی گئی تعریف میں انسانی زندگی کے سارے پہلوؤں کا مطالعہ کیا گیا ہے اس لیے یہ جامع تعریف ہے۔

-3 پروفیسر پیٹرک گیڈیز (Prof. Patrick Gaddies)

''علم شہریت شہری زندگی اور اس کے متعلقہ مسائل کا علم ہے''

-4 ڈاکٹر کے۔ کے۔ عزیز (Dr. K.K. Aziz)

''علم شہریت معاشرے میں افراد اور ان کے اداروں کا مطالعہ ہے جن کا ایک فرد پیدائشی رکن ہوتا ہے یا اپنی مرضی سے ان کی رکنیت اختیار کرتا ہے''۔

علم شہریت کی نوعیت

(Nature of Civics)

سائنس یا فن

علم شہریت کی نوعیت کے بارے میں ایک دلچسپ بحث جاری ہے کہ کیا ہم اس مضمون کو سائنس کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟ بعض ماہرین شہریت کو علم یعنی سائنس تسلیم نہیں کرتے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ مضمون فن کہلا سکتا ہے جب کہ ماہرین کی ایک بڑی تعداد شہریت کو سائنس ثابت کرنے پر مصر ہے۔

سائنس کا مفہوم

شہریت کو سائنس جاننے کے لیے ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ سائنس کا مفہوم کیا ہے اور پھر ہم جستجو کریں گے کہ کیا شہریت اس مفہوم پر پورا اترنے والا علم ہے یا نہیں؟

سائنس کے لغوی معنی علم کے ہیں جو واضح، ٹھوس، آفاقی اور قطعی اصولوں پر مبنی مضمون کا نام ہے۔ سائنس کے اصول باضابطہ اور یکساں

طور پر تسلیم شدہ ہوتے ہیں نیز سائنس کے اصولوں کو تجربہ گاہوں میں تفصیلی اور طویل تجربات کے ذریعے اخذ کیا جاتا ہے۔ سائنس حقائق کا مجموعہ ہے جو مشاہدوں اور تجربوں کا نتیجہ ہے۔ یہ مجموعہ دنیا کے تمام حصوں میں اور تاریخ کے تمام ادوار میں ایک ہی انداز میں قبول کیا گیا ہے۔ سائنس کے اصول سبب اور نتیجہ کے مسلسل عمل سے حاصل کیے گئے ہیں۔ سائنس کے اس مفہوم پر پورا اترنے والے مضامین کیمیا، طبیعات، بیالوجی اور حساب وغیرہ ہیں۔ ان تمام مضامین کے اصول تمام ممالک میں اور ہر دور میں آفاقی، قطعی اور ٹھوس مانے گئے ہیں مثلاً ہائیڈروجن اور آکسیجن کو ایک خاص فارمولا کے تحت ملایا جائے تو پانی بنتا ہے۔ اسی طرح دو اور دو ہر جگہ چار ہوتے ہیں۔

سائنس کا اوپر دیا گیا مفہوم پیش نظر رکھا جائے تو علم شہریت مکمل طور پر سائنس کے زمرے میں شامل ہوتا دکھائی نہیں دیتا۔ یہی وجہ ہے کہ آگسٹ کامٹے اور لارڈ برائس جیسے ماہرین شہریت کو علم کا مقام دینے سے گریزاں ہیں لیکن علم شہریت کے اصول بھی اسباب اور نتائج کے فلسفے کی پیداوار ہیں۔ شہریت میں بھی اسباب کو دیکھتے ہوئے ماہرین نتائج کی پیشین گوئی کر سکتے ہیں۔ ارسطو اور کارل مارکس جیسے فلسفیوں نے انقلاب کی آمد کے درست اسباب بیان کیے ہیں۔ لہٰذا علم شہریت کو ہم سیاسیات، عمرانیات اور اخلاقیات جیسی معاشرتی سائنس کہہ سکتے ہیں۔

شہریت بحیثیت آرٹ یا فن

شہریت ایک سائنس تو ہے لیکن معاشرتی سائنس ہے کیونکہ اس کا موضوع انسان ہے۔ اب ہم نے یہ دیکھنا ہے کہ شہریت آرٹ یا فن بھی ہے یا نہیں؟

علم یا سائنس ٹھوس اور واضح اصولوں پر مبنی ڈسپلن ہے جو کافی تجربات کے بعد حاصل کیے جاتے ہیں۔ سائنس باضابطہ حقائق کا مجموعہ ہے۔ فن ان اصولوں پر عمل کرنے کا نام ہے۔ حقائق کو اگر عملی طور پر بروئے کار لایا جائے تو یہ فن ہے۔ علم کے معنی کسی شے کے متعلق جاننا اور فن اس پر عمل کرنا ہے۔ علم شہریت اس حوالے سے ایک فن بھی ہے۔ اس علم کے جاننے والے ووٹ کی اہمیت سے آگاہ ہوتے ہیں یوں یہ سائنس ہے اور جب وہ ووٹ استعمال کرتے ہیں تو یہ فن ہے۔ اس طرح علم شہریت علم بھی ہے اور فن بھی۔

علم شہریت کی اہمیت اور افادیت

(Significance and Utility Of Civics)

علم شہریت کی اہمیت اور افادیت میں بتدریج اضافہ ہوا ہے۔ یہ معاشرتی علم گذشتہ دو صدیوں میں بالخصوص تیزی سے پروان چڑھا ہے۔ انسان کی زندگی میں اس علم کی بدولت بڑی تبدیلیاں آئی ہیں اور بہتر سے بہتر ماحول کی تخلیق میں مسلسل اپنا کردار ادا کر رہا ہے۔ تہذیب و ثقافت نے علم شہریت کو ابھارا ہے اور علم شہریت کی بدولت تہذیب کا خصوصی ارتقاء ہوا ہے۔ انسانوں نے گذشتہ ڈھائی ہزار سالوں میں اپنی معاشرتی، سیاسی اور اخلاقی قدروں کو جو مقام دیا ہے اس میں علم شہریت کا بڑا اہم حصہ ہے۔ ذیل میں ہم اس علم کی افادیت کے مختلف نکات کا جائزہ لیتے ہیں۔

1- سماجی اقدار کا فروغ

علم شہریت نے شہریوں کو خوب سے خوب تر کی تلاش میں مدد دی ہے۔ شہری ایک دوسرے کی ضرورت ہوتے ہیں اور باہمی مدد سے ایک دوسرے کے سہارے آگے بڑھتے ہیں اور اپنے مسائل کے حل بھی تلاش کرتے ہیں۔ علم شہریت نے شہریوں میں ذمہ داری کا احساس، رواداری، باہم خلوص اور اجتماعی زندگی کا شعور پیدا کیا ہے۔ معاشرے میں بلند اقدار کو پروان چڑھایا ہے اور انسانوں میں ایک دوسرے کے لیے مروت اور بھائی چارے کا تصور مضبوط کیا ہے۔ علم شہریت زندہ رہو اور زندہ رہنے دو کے اصول کی پابندی کا سبق دیتا ہے۔

2- کردار کی تعمیر

علم شہریت شہریوں میں اعلیٰ کردار کی تعمیر کرتا ہے۔ انہیں صحیح اور غلط میں امتیاز کرنا سکھاتا ہے۔ یہ غلط کاموں سے روکتا اور اچھے راستوں پر چلنے کا درس دیتا ہے۔ ہم طلباء وطالبات کو محض تعلیم ہی دینا نہیں چاہتے، ان کے کردار کی بھی تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔ ان میں سچ کی لگن اور جھوٹ سے نفرت کا احساس ابھارنا چاہتے ہیں۔ بہتر کردار کی تخلیق کر کے ہم اجتماعی زندگی کو مختلف رنگوں سے بھر سکتے ہیں۔ یہ علم انسان دوستی اور بھائی چارے کی اہمیت سے طلبہ وطالبات کو آگاہ کرتا ہے۔ اس طرح وہ خود بھی اعلیٰ کردار کی خوبیوں سے مرصع ہوتے ہیں۔

3- مقبولیت میں اضافہ

علم شہریت اجتماعی طور پر پورے معاشرے کی اہم ضرورت ہے۔ والدین اپنی اولاد کی بہتر تربیت کے لیے علم شہریت کو پسند کرنے لگے ہیں اور طلباء وطالبات کی کثیر تعداد مضمون کی افادیت اور اہمیت کو جانتے ہوئے اسے شوق سے پڑھنے لگی ہے۔

4- وفاداریوں کا صحیح تناسب

ریاست کے تمام شہری کئی اداروں سے وابستہ ہوتے ہیں۔ وہ ان اداروں کے وفادار ہوتے ہیں اور ان سے بڑی محبت بھی کرتے ہیں مثلاً خاندان، برادری، قبیلہ، گاؤں، قصبہ، شہر اور ریاست۔ علم شہریت ایسے میں شہری کو مختلف اداروں سے وفاداریوں میں صحیح تناسب قائم کرنے میں راہ نمائی کرتا ہے۔ وہ جان لیتا ہے کہ انسانیت کی بھلائی میں باقی سارے اداروں کی بھلائی ہے۔ وہ انسانیت کے رشتے کو سب سے زیادہ اہمیت دیتا ہے اور اپنی ذات کے مفادات کو دیگر اداروں کے مفادات پر قربان کرنے کو تیار ہوتا ہے۔

5- حقوق وفرائض

علم شہریت فرد کے حقوق وفرائض کا علم سمجھا جاتا ہے اکثر ماہرین نے حقوق وفرائض کو علم شہریت کا بنیادی موضوع قرار دیا ہے۔ شہری اپنی ریاست اور معاشرے میں کئی فرائض سرانجام دیتا ہے۔ قانون کی پیروی کرتا ہے، محصولات کی ادائیگی کے لیے ہر دم تیار رہتا ہے۔ ان فرائض کے بدلے میں ریاست اور معاشرہ اسے بہت سے حقوق عطا کرتے ہیں۔ حقوق وہ سہولتیں ہیں جو شہری کی زندگی کو خوبصورت اور خوشگوار بناتی ہیں۔ علم شہریت شہری کو یہ بھی سکھاتا ہے کہ وہ ان حقوق اور سہولتوں سے کیسے مستفید ہو سکتا ہے۔

6- جمہوریت کی کامیابی

جمہوریت سب سے زیادہ پسندیدہ نظام حکومت ہے۔ اس کو کامیابی سے چلانا بہت مشکل ہے۔ بے شعور اور غیر تربیت یافتہ عوام

جمہوریت کی راہوں کو مسدود کر دیتے ہیں۔ ضروری ہے کہ طلبا و طالبات جمہوری نظام کی کامیابی کے لیے علم شہریت کا مطالعہ کریں۔

7- مسائل سے آگاہی

اگر کسی ریاست کے عوام اپنے سیاسی، معاشی، معاشرتی اور دیگر مسائل کے بارے میں کچھ جانتے ہی نہ ہوں تو وہ ان کو حل کرنے کے بارے میں بھی فکر مند نہیں ہوتے۔ علم شہریت شہریوں کو ان کے جملہ مسائل سے بھی روشناس کراتا ہے اور انہیں ان کے حل کے راستے بھی تجویز کرتا ہے۔

8- اقتصادی بہبود

علم شہریت میں غربت، بے روزگاری، ناانصافی اور دولت کی نامنصفانہ تقسیم جیسے مسائل پر بحث کی جاتی ہے۔ طلبا و طالبات کو پتہ چلتا ہے کہ ان معاشی مسائل کے اسباب کیا ہیں اور وہ ان کے حل کے لیے جدو جہد کرتے ہیں۔ قانون ساز اسمبلی میں ایسے نمائندوں کو بھیجتے ہیں جو مسائل کا ادراک رکھتے ہوں اور معاشی منصوبہ بندی کرنے میں دلچسپی لیتے ہوں۔

9- قومی سیاست کا ادراک

علم شہریت میں ریاست کے دستور اور دستور کے تحت قائم ہونے والے اداروں کے متعلق مطالعہ کیا جاتا ہے۔ عملی سیاست بھی زیر بحث آتی ہے۔ قومی تاریخ میں دستوری ارتقاء کا تفصیلی جائزہ لیا جاتا ہے۔ اس طرح شہریت پڑھنے والے اپنے ملک کی سیاست اور سیاسی مسائل کے متعلق ادراک حاصل کر لیتے ہیں۔

10- عالمی سطح پر افادیت

فرد ریاست اور معاشرے کے بغیر زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ اس طرح تمام معاشرے اور ریاستیں ایک دوسرے سے وابستہ ہوتے ہیں۔ کوئی معاشرہ یا ریاست خود کفیل نہیں ہوتی۔ آج کی سپر پاور امریکہ بھی تمام براعظموں میں دوستوں کی تلاش میں ہے اور دنیا کے وسائل پر اس کی نظر ہے۔ علم شہریت میں بین الاقوامی پہلو کا مطالعہ خصوصی طور پر کیا جاتا ہے کیونکہ شہریوں کو مقامی اور قومی امور کے ساتھ بین الاقوامی میدان میں بھی کردار ادا کرنا ہوتا ہے۔

علم شہریت کا دیگر معاشرتی علوم سے تعلق

Relation of Civics with Other Social Sciences

علوم (Sciences) کی دو اقسام ہیں۔

1۔ طبعی علوم　　　2۔ معاشرتی علوم

[illegible]

مجموعہ ہیں جبکہ معاشرتی علوم کا تعلق انسان اور معاشرے کے مختلف پہلوؤں سے ہے۔ معاشرتی علوم میں شہریت کے علاوہ سیاسیات، عمرانیات، نفسیات، تاریخ اور اخلاقیات خصوصی طور پر قابل ذکر ہیں۔ ہم ذیل میں چند اہم معاشرتی علوم سے شہریت کے تعلق کی وضاحت کرتے ہیں۔

شہریت اور سیاسیات
Civics and Political Science

علم سیاسیات بنیادی طور پر ریاست اور حکومت کا علم ہے۔ شہریت اور سیاسیات کی سرحدیں کافی حد تک یکساں دکھائی دیتی ہے۔ دونوں میں بہت ہم آہنگی اور یکسانیت پائی جاتی ہے۔ ان میں امتیاز کرنا کافی مشکل ہے تاہم آج کل یہ دو بالکل مختلف ڈسپلن سمجھے جاتے ہیں۔

مشابہت

1- یکساں ماخذ

علم سیاسیات (Political Science) کو یونانی لفظ پولس (Polis) سے اخذ کیا گیا ہے جب کہ شہریت (Civics) دو لاطینی الفاظ سوس (Civis) اور سویٹاس (Civitas) سے مل کر بنا ہے۔ سوس (Civis) اور پولس (Polis) کے معنی شہر کے ہیں۔ یوں ابتدا میں دونوں مضامین کو محض شہر کے مطالعہ کا نام دیا گیا۔ اڑھائی ہزار سال پہلے یہ ہم معنی ہی تھے۔

2- موضوعات میں یکسانیت

ریاست، حکومت، فرد اور حقوق و فرائض سمیت بہت سے موضوعات دونوں مضامین میں پڑھائے جاتے ہیں۔ قانون، سیاسی جماعتیں، آزادی، مساوات اور کئی دوسرے ابواب بھی مشترکہ ہیں۔

3- سیاسیات کی بنیاد

سیاسیات کی بنیاد شہریت کے اصولوں پر رکھی گئی ہے۔ فرد اور ریاست کے حوالے سے شہریت نے جن حقائق کو تسلیم کیا سیاسیات میں بھی شامل کر لیے گئے۔ شہریت معاشرتی و سیاسی سرگرمیوں سے بحث کرتی ہے اور یہ سرگرمیاں سیاسیات کے لیے بھی بنیاد فراہم کرتی ہیں۔

4- یکساں مقاصد

دونوں مضامین مقاصد کے لحاظ سے ہم آہنگ ہیں۔ دونوں میں شہریوں کے حقوق و فرائض کی اہمیت پر زور دیا جاتا ہے اور دونوں چاہتے ہیں کہ شہری فرائض ادا کریں اور حقوق سے بہرہ ور ہوں۔ بہتر سیاسی نظام کی تخلیق دونوں کے مقاصد میں شامل ہے اور دونوں انسان کے بنائے ہوئے سیاسی اداروں سے بحث کرتے ہیں۔

5- مشترکہ مسائل

سیاسیات اور شہریت دونوں ایک جیسے مسائل سے متعلق ہیں۔ دونوں کا بنیادی موضوع فرد ہے اور دونوں عالمگیر سطح پر انسانوں کے

درمیان تعاون اور ہم آہنگی کے لیے کوشاں ہیں۔ شہری کے مسائل کو حل کرنا ریاست اور معاشرہ دونوں کا فرض ہے اور اس پہلو پر دونوں مضامین میں یکساں نظر رکھی جاتی ہے۔ دونوں مضامین انسانوں کی فلاح و بہبود کے لیے پڑھائے جاتے ہیں۔

فرق

-1 وسعت

علم سیاسیات کو شہریت سے کہیں زیادہ وسیع مضمون سمجھا گیا ہے۔ سیاسیات کا دائرہ بہت زیادہ وسیع اور اس کے موضوعات کہیں زیادہ ہیں۔ علم شہریت زیادہ تر مقامی پہلو سے تعلق رکھتا ہے جب کہ سیاسیات کا تعلق قومی اور بین الاقوامی پہلوؤں سے زیادہ ہے۔

-2 سیاسی پہلو

اگرچہ شہریت میں بھی سیاسی پہلو کا جائزہ لیا جاتا ہے لیکن یہ پہلو درحقیقت سیاسیات کا موضوع ہے۔ سیاسی پہلو پر شہریت میں سرسری نظر ڈالی جاتی ہے۔ اس کا مطالعہ سیاسیات میں زیادہ گہرائی میں کیا جاتا ہے۔

-3 موضوعات

جرم وسزا، ثقافت وتہذیب، معاشرہ، فرد اور تعلیم وفراغت جیسے موضوعات صرف شہریت میں پڑھائے جاتے ہیں۔ ان موضوعات کو علم سیاسیات کے نصاب میں شامل نہیں کیا جاتا۔

-4 ریاست اور شہر

علم شہریت میں شہر کو مرکزی حیثیت حاصل ہے اور اس کے برعکس ریاست کو علم سیاسیات کا مرکزی نقطہ تسلیم کیا گیا ہے۔ سیاسیات ریاست سے بحث کرتی ہے اور ایک ریاست میں کئی شہر شامل ہوتے ہیں۔ شہر کے مسائل پر علم شہریت میں خصوصی بحث کی جاتی ہے۔

-5 قدیم علم

علم شہریت علم سیاسیات سے زیادہ قدیم علم ہے۔ یہ معاشرے کا علم ہے اور اس دور کا مطالعہ بھی اس میں کیا جاتا ہے جب ریاست وجود میں نہیں آئی تھی۔ علم سیاسیات کا مطالعہ ریاست سے شروع ہوتا ہے اور ریاست پر ختم ہو جاتا ہے۔

-6 معیار کا فرق

علم شہریت معیار قائم کرنے والا علم ہے اور چاہتا ہے کہ برائیوں کا خاتمہ ہو۔ یہ انسان کو اچھا شہری بنانے کے لیے کوشاں رہتا ہے جبکہ علم سیاسیات زیادہ اہمیت نہیں دیتا۔

شہریت اور تاریخ

Civics and History

علم شہریت شہریوں کے بنائے ہوئے اداروں، عادات، سرگرمیوں اور جذبات کا مطالعہ ہے جب کہ تاریخ میں گزرے ہوئے ادوار کے بارے میں پڑھا جاتا ہے نیز تاریخ میں انسانوں اور اقوام کے بتدریج ارتقاء کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

مشابہت

1- بحث کا موضوع

فرد دونوں مضامین کا موضوع ہے۔ فرد کے مسائل اور اس پر گزرے ہوئے حالات و واقعات دونوں مضامین میں پڑھے جاتے ہیں۔ دونوں معاشرتی علوم ہیں اور ان میں افراد کے مختلف پہلوؤں کو زیر بحث لایا جاتا ہے۔

2- مشترکہ ابواب

تاریخ اور علم شہریت میں کئی ابواب مشترکہ ہیں مختلف ریاستوں میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات، ان کے درمیان لڑی جانے والی جنگیں اور تحریر ہونے والے معاہدے دونوں مضامین کے نصاب میں شامل ہیں۔

3- نظریات

معاشرتی و سیاسی مسائل کے حل کے لیے متعدد سیاسی نظریات پیش کیے گئے ہیں۔ کمیونزم، سوشلزم اور ایسے ہی دیگر نظریات علم شہریت میں اہم مقام رکھتے ہیں اور تاریخ میں بھی ان کے ارتقاء، اثرات اور انجام کے متعلق بحث کی جاتی ہے۔

4- تجربہ گاہ

تاریخ کو علم شہریت کی تجربہ گاہ کہا گیا ہے۔ گزرے ہوئے دور کے واقعات، تجربات اور حالات موجودہ دور میں پالیسیوں کی تشکیل میں مدد دیتے ہیں۔ موجودہ نسل پرانی نسلوں کے تجربات سے فائدہ اٹھاتی ہے اور شہریت کے بہتر سے بہتر اصولوں کی تشکیل کر رہی ہے۔ یوں اس کام میں تاریخ اس کی مدد کر رہی ہے۔

5- تمدن

تاریخ میں انسانوں کی تہذیب و تمدن، رسم و رواج، رجحانات اور گذشتہ ادوار میں ان کے معاشی، معاشرتی اور اخلاقی حالات کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ یہ مطالعہ علم شہریت کے لیے بہت مفید ثابت ہوتا ہے۔ دونوں مضامین باہم ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے ہیں اور بہتر نتائج کے حصول میں سہولت حاصل ہوتی ہے۔

فرق

1- ماضی کا مطالعہ

شہریت میں شہریوں کے ماضی، حال اور مستقبل تینوں ادوار کے بارے میں پڑھا جاتا ہے جب کہ تاریخ محض ماضی کے مطالعہ کا نام ہے۔ حال اور مستقبل سے تاریخ کا کوئی سابقہ نہیں پڑتا۔

2- ترتیب وار مطالعہ

تاریخ میں ترتیب وار اور سن وار مطالعہ کیا جاتا ہے۔ واقعات اسی ترتیب سے زیر بحث لائے جاتے ہیں جس ترتیب سے وہ وقوع پذیر ہوئے ہوتے ہیں۔ علم شہریت میں یہ اصول کارفرما نہیں ہوتا۔

3- معیار کا فرق

علم شہریت معیار قائم کرتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ افراد اچھے شہری بنیں۔ وہ نہ صرف حقوق کے بارے میں جانتے ہوں بلکہ انہیں حاصل کرنے کے لیے کوشاں رہیں۔ تاریخ محض حقائق کو بیان کرنے کا نام ہے۔

4- موضوعات

علم شہریت میں شہری، معاشرہ اور ریاست تک مطالعہ محدود ہوتا ہے لیکن تاریخ کے لیے بے شمار موضوعات ہیں۔ تاریخ کی حدود بڑی وسیع اور موضوعات بے شمار ہیں۔ شہریت اس کے مقابلے پر ایک محدود علم ہے۔

شہریت اور معاشیات

Civics and Economics

معاشیات ایک معاشرتی علم ہے۔ جس میں دولت، معاشی امور اور آمدن و اخراجات کے متعلق پڑھا جاتا ہے۔ ماہر معاشیات مارشل اس مضمون کو دولت اور حصول دولت کا علم کہتا ہے۔ معاشیات کا انسانی زندگی پر گہرا اثر پڑتا ہے اور انسان علم شہریت کا بنیادی موضوع ہے۔ شہریت اور معاشیات کا ایک دوسرے سے بڑا وسیع تعلق ہے۔

مشابہت

1- سیاسی معاشیات

علم شہریت اور علم سیاسیات دونوں سے معاشیات کا اتنا گہرا تعلق ہے کہ ابتدائی زمانوں میں تینوں کو ایک علم سمجھا جاتا تھا اور نام ''سیاسی معاشیات'' (Political Economy) کا دیا جاتا تھا۔ یہ تو جدید دور کی بات ہے کہ تینوں مضامین کی جداگانہ سرحدیں مقرر کی گئیں اور تینوں علیحدہ علیحدہ مضامین قرار پائے۔

2- انسانی بہبود

معاشیات میں ایسے اصول پڑھے جاتے ہیں اور ایسا تحقیقی عمل ہوتا ہے جس کا مقصد عوام کے لیے بھلائی اور ان کے معاشی مسائل کا حل موجود ہو۔ فرد کی بھلائی کے لیے ماہرین معاشیات نت نئے طریقے دریافت کرتے رہتے ہیں۔ ماہرین نے دولت کی منصفانہ تقسیم اور معاشی مساوات کے قیام کے لیے متعدد نظریات پیش کیے ہیں۔ ان نظریات کا فائدہ شہریوں کو پہنچتا ہے اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ معاشیات اور شہریت ایک دوسرے کے لیے مفید ثابت ہوتے ہیں۔

3- مشترکہ ابواب

فرد اور ریاست کے باہم تعلقات اور ریاست کی طرف سے افراد کے لیے مہیا کیے گئے معاشی مواقع کے متعلق علم شہریت میں پڑھا جاتا ہے۔ معاشیات میں ریاست کے بجٹ، آمدن و اخراجات، وسائل اور ان کو منصوبہ بندی کے تحت خرچ کرنے کے بارے میں غور کیا جاتا ہے۔ معاشیات کے کئی ابواب شہریت میں شامل ہیں۔ کمیونزم اور سوشلزم سمیت کئی ابواب دونوں مضامین میں مشترکہ ہیں۔ دونوں کے کئی مسائل بھی مشترک ہیں۔

4- فلاحی مملکت

ریاست کے بارے میں اب حتمی نظریہ ہے کہ یہ ادارہ عوام کی بہبود اور فلاح کے لیے قائم ہوا ہے۔ اس کی ذمہ داری ہے کہ عوام کو زیادہ سے زیادہ خوشیاں بہم پہنچائے، ان کا معیار زندگی بلند کرے اور ان کی بنیادی ضروریات کو پورا کرے۔ یہ تمام اقدام معاشیات کی مدد سے اٹھائے جاتے ہیں اور ان کے مثبت اثرات شہریوں پر پڑتے ہیں یوں دونوں ڈسپلن کی منزل ایک ہی دکھائی دیتی ہے۔

5- انقلابات

سیاسی تحریکیں، انقلابات اور بین الاقوامی جنگیں دونوں مضامین کے اہم موضوعات ہیں۔ ہم اگر پس منظر دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ اکثر ایسے واقعات کے پیچھے معاشی عوامل کارفرما ہیں۔ کارل مارکس کا بھی یہی دعویٰ ہے کہ تمام انقلابات، تحریکوں اور جنگوں کے پیچھے معاشیات ہی اہم سبب ہے۔ آج کی دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے اس میں معاشی عوامل نمایاں طور پر سامنے آتے ہیں۔

6- عالمی تعلقات

دنیا کے چھوٹے بڑے تمام ممالک کے باہمی تعلقات اور خارجہ پالیسی میں معاشی پہلو کا اثر محسوس ہوتا ہے۔ آج کی جنگ ہتھیاروں سے زیادہ معاشیات کی جنگ ہے۔ امریکہ کو لیجیے، اس کی بین الاقوامی پالیسیوں کا تعین اس کی معاشی ضروریات اور مقاصد کو سامنے رکھ کر کیا جاتا ہے۔ مشرق وسطیٰ کا تیل، مشرق بعید کی صنعت اور مغربی یورپ کی معیشت کو مدنظر رکھ کر امریکی ماہرین اپنی سیاسی پالیسیاں بنا رہے ہیں۔

فرق

1- الگ الگ معیار

علم شہریت معیار قائم کرنے والا علم ہے یہ چاہتا ہے کہ انسانوں کو خوشگوار ماحول میسر آئے۔ بھلائی اور ترقی سے ہم کنار ہوں علم شہریت صحیح اور غلط کی پہچان بھی کرواتا ہے اور صحیح راستے اختیار کرنے کی ترغیب بھی دیتا ہے۔ اس کے برعکس معاشیات صرف حقائق کے مجموعہ کا نام ہے۔ اچھے معیار کو حاصل کرنا اس کا ضروری مقصد نہیں۔

2- مادیت

معاشیات کی بنیاد مادیت ہے۔ دولت، وسائل اور مادی ترقی اس کے مختصر دائرے میں شامل موضوعات ہیں۔ علم شہریت میں ذہنی اور روحانی سکون اور ترقی کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔

3- وسیع مضمون

علم شہریت، معاشیات سے کہیں زیادہ وسیع ہے۔ معاشیات میں صرف معاشی پہلو پر غور ہوتا ہے جب کہ علم شہریت میں سیاسی، معاشرتی، اخلاقی اور انفرادی پہلوؤں کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ شہریت کا تعلق تمام شعبوں سے ہوتا ہے اور ان میں ایک شعبہ معاشی ہے۔ معاشیات کا دائرہ محدود ہے۔

4- مختلف موضوعات

علم شہریت کا بنیادی موضوع شہری ہے۔ معاشیات کا موضوع صرف اور صرف دولت ہے اور صرف معاشی سرگرمیوں سے وابستہ علم ہے۔

شہریت اور عمرانیات

Civics and Sociology

عمرانیات ایک وسیع اور سب سے بڑا معاشرتی علم ہے۔ بنیادی طور پر اس کا موضوع معاشرہ ہے۔ معاشرتی زندگی، معاشرتی قدریں، معاشرتی رسم و رواج اور معاشرتی ادارے اس مضمون کے دائرے میں آتے ہیں۔ شہریت اور عمرانیات کا تعلق بہت ہی گہرا ہے۔ ان میں مشابہت اور فرق کو ذیل میں بیان کیا جاتا ہے۔

مشابہت

1- معاشرتی علوم کی ماں

عمرانیات کو تمام معاشرتی علوم کی ماں کہا جاتا ہے۔ شہریت سیاسیات، تاریخ، اخلاقیات، معاشیات اور دیگر معاشرتی علوم عمرانیات کا حصہ ہیں۔ کہا جاسکتا ہے کہ عمرانیات ایک کل ہے اور تمام معاشرتی علوم اس میں شامل ہیں۔

2- یکساں موضوعات

علم شہریت فرد، معاشرہ اور شہریوں کے بنائے ہوئے اداروں کا علم ہے۔ اس علم میں گاؤں، قصبوں اور شہروں کے رہنے والوں کے مسائل کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ خاندان، برادری، اور قبیلہ کی اہمیت اور انسانی تہذیب کے ارتقاء کے متعلق شہریت میں خصوصی مطالعہ کیا جاتا ہے۔ یہ تمام موضوعات علم عمرانیات کے بھی بنیادی موضوعات ہیں۔

3- انسانوں کی فلاح

دونوں مضامین کا مقصد انسانوں کے بہتر ماحول کے لیے تجاویز مرتب کرنا اور انھیں رائج کرواتا ہے۔ انسانوں کی فلاح و بہبود کے لیے دونوں ڈسپلن کوشاں رہتے ہیں اور ایسے اصولوں کو ترتیب دیتے ہیں جو انسانوں کے لیے سہولتوں کی فراہمی میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔

فرق

1- دائرہ کار

عمرانیات کے مقابلے پر شہریت ایک مختصر اور محدود علم ہے۔ وسعت کے اعتبار سے شہریت کا عمرانیات سے کوئی مقابلہ نہیں ہے۔ عمرانیات کے کئی پہلو ہیں جبکہ شہریت عمرانیات کے ایک پہلو یعنی شہری زندگی کا تفصیلی مطالعہ کرتا ہے۔

2- سرسری مطالعہ

شہریت میں شہری کے مسائل کو بڑی تفصیل سے دیکھا جاتا ہے۔ اس کے برعکس عمرانیات میں سرسری طور پر شہری کے مختلف پہلوؤں کو زیر بحث لایا جاتا ہے۔

3- فرد اور معاشرہ

عمرانیات کا تعلق پورے معاشرے اور رسم و رواج سے ہوتا ہے۔ یہ اجتماعی طرز فکر کی حامل ہے جبکہ شہریت میں فرد کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ معاشرے کا ذکر فرد کے حوالے سے شہریت میں ہوتا ہے اور فرد کا ذکر معاشرے کے حوالے سے عمرانیات میں ہوتا ہے۔

4- مذہبی امور

شہریت انسان کے شہری امور کو دیکھتا ہے اور اس کے مذہبی رجحانات اور اعتقادات کو زیادہ اہمیت نہیں دیتا۔ اس کے برعکس چونکہ مذہب کے اثرات معاشرے پر پڑتے ہیں اس لیے معاشرتی زندگی میں مذہب کے کردار کا بغور جائزہ لیا جاتا ہے۔ عمرانیات کے مطالعہ میں مذہبی امور شامل ہیں۔

5- مستقبل کا مطالعہ

علم شہریت صرف ماضی اور حال ہی نہیں مستقبل کے مطالعہ کا بھی نام ہے۔ مستقبل کے بارے میں منصوبہ بندی اور فرد کے آنے والے دور میں مسائل اور ان کے حل کا جائزہ شہریت میں لیا جاتا ہے۔ عمرانیات صرف ماضی اور حال سے واسطہ رکھتی ہے۔ عمرانیات میں شہریوں کے مستقبل کو بہتر بنانے کے لیے غور و خوض کم ہی ہوتا ہے۔

6- معیار کا فرق

شہریت ایک معیار قائم کرنے والا علم ہے۔ یہ انسانوں کی بھلائی تلاش کرتا ہے اور مسائل کے حل ڈھونڈتا ہے۔ یہ برائی اور اچھائی میں تمیز کرتے ہوئے برائی سے دور رہنے کا درس دیتا ہے۔ عمرانیات محض معلومات کا مجموعہ ہے اور اس میں معیار قائم کرنا مقصود نہیں ہوتا۔

شہریت اور اخلاقیات

Civics and Ethics

اخلاقیات فرد کے ساتھ تعلق رکھنے والا معاشرتی علم ہے۔ یہ انسانوں کی سوچ، رویے، اصولوں اور کردار کے مطالعہ کا نام ہے۔ علم شہریت اپنے موضوعات، مقاصد اور معیار کے حوالے سے اخلاقیات سے بڑا قریبی رشتہ رکھنے والا علم سمجھا جاتا ہے۔

مشابہت

1- یکساں مقاصد

شہریت اور اخلاقیات دونوں کا بنیادی مقصد فرد کو اچھا انسان بنانا ہے دونوں کے نزدیک فرد کی بہتری درکار ہے۔ یوں مقاصد کے اعتبار سے ایک جیسا رویہ دونوں مضامین سے جھلکتا دکھائی دیتا ہے۔

2- یونانی مفکرین کی آراء

قدیم یونانی دور کے مفکرین کے نزدیک شہریت اور اخلاقیات کی حدود میں کوئی فرق ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ افلاطون اور ارسطو نے اپنی تحریروں میں اخلاقیات پر مبنی شہریت کو پروان چڑھایا۔ افلاطون کی کتاب ''دی ریپبلک'' (The Republic) میں جس مثالی ریاست کا نقشہ کھینچا گیا، تمام تر اخلاقیات پر مبنی ہے۔

3- باہم مددگار

اخلاقیات اور شہریت ایک دوسرے کی مدد کرنے والے مضامین ہیں۔ ان میں بڑا تعاون پایا جاتا ہے۔ دونوں کے مقاصد قریب قریب ایک جیسے ہیں اس لیے ایک ڈسپلن جو منزل متعین کرتا ہے دوسرا اس کے حصول میں معاونت کرتا دکھائی دیتا ہے۔ دونوں مضامین باہم ایک دوسرے کو سہارا دیتے ہیں۔

4- معیار قائم کرنے والے

اخلاقیات اور شہریت میں یہ صفت مشترک ہے کہ دونوں معیار قائم کرنے والے علوم ہیں۔ شہریت میں اچھے شہری کی خوبیاں بیان کی جاتی ہیں تو ساتھ ہی ساتھ فرد کو اچھا شہری بننے کی تلقین بھی کی جاتی ہے۔ اسی انداز میں اخلاقیات میں بھی فرد کو اچھا انسان بنانے کے لوازمات گنوائے جاتے ہیں۔

5- قابل عمل قوانین

شہریت کا تعلق ریاست اور قانون سے ہوتا ہے۔ قانون سازی کرنے والے اپنے کام کے دوران اس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ اخلاقی اصولوں سے ہم آہنگ قوانین وجود میں آئیں۔ وہ جانتے ہیں کہ اخلاقی قوانین سے متصادم ریاستی قوانین پر عمل درآمد کرانا ریاست کے لیے ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہو جاتا ہے۔

فرق

1- ظاہر اور باطن

اخلاقیات کا تعلق فرد کے کردار، سوچ اور باطنی رویوں سے ہوتا ہے جب کہ شہریت فرد کے ظاہری رویوں پر انحصار کرتی ہے۔

2- وسعت

علم شہریت نسبتاً زیادہ وسیع ہے اور اس کے موضوعات اخلاقیات کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہیں۔ اخلاقیات میں انسان کے صرف اخلاقی پہلو کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ علم شہریت میں فرد کے اخلاقی، شہری، معاشی، سیاسی اور معاشرتی پہلوؤں پر نظر ڈالی جاتی ہے۔ یوں شہریت کا دائرہ موضوعات کے اعتبار سے خاصا وسیع ہے۔

3- مختلف اصول وضوابط

علم شہریت اور اخلاقیات کے کچھ اصول وضوابط ایک دوسرے سے مختلف ہیں مثلاً ٹریفک کے اصولوں پر عمل نہ کرنے والے قانون شکن تو ہیں بد اخلاق نہیں۔ بغیر لائسنس گاڑی چلانا جرم ہے بدی نہیں۔

سوالات

حصہ اول

1- مختصر جوابات دیں۔

☆ ای۔ ایم۔ وائٹ نے علم شہریت کی کیا تعریف کی ہے؟

☆ شہریت علم ہے یا فن۔

☆ مادیت کسے کہتے ہیں؟

☆ سائنس کا مفہوم بیان کریں۔

☆ طبعی علوم اور معاشرتی علوم میں کیا فرق ہے؟

☆علم شہریت ایک شہری کی سیاسی تربیت کیسے کرتا ہے؟

☆سیاسی معاشیات سے کیا مراد ہے؟

☆تاریخ کو علم شہریت کی تجربہ گاہ کیوں کہا جاتا ہے؟

☆دو ایسے مفکرین کے نام لکھیے جو شہریت کو علم کا مقام دینے سے گریزاں ہیں۔

☆کن مفکرین نے انقلاب کی آمد کے درست اسباب بیان کیے ہیں؟

☆علم شہریت ایک شہری کے کردار کی تعمیر کیسے کرتا ہے؟

حصہ دوم

-2 علم شہریت کا مفہوم اور نوعیت بیان کیجئے۔

-3 علم شہریت کی تعریف کیجئے نیز اس کی اہمیت اور افادیت پر روشنی ڈالیے۔

-4 علم شہریت اور اخلاقیات کا ایک دوسرے سے گہرا تعلق ہے وضاحت کیجئے۔

-5 علم شہریت کا درج ذیل علوم کے ساتھ تعلق واضح کیجئے۔

(الف) تاریخ (ب) عمرانیات (ج) معاشیات (د) سیاسیات

حصہ سوم

■ ہر سوال کے چار جوابات دیئے گئے ہیں درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

-1 قدیم یونان کے اندر ریاستیں تھیں۔

(الف) 158 (ب) 156 (ج) 154 (د) 152

-2 ''علم شہریت شہری زندگی اور اس کے مسائل کے مطالعہ کا علم ہے''۔ یہ الفاظ کس مفکر کے ہیں؟

(الف) ڈاکٹر کے۔ کے عزیز (ب) ای۔ ایم۔ وائٹ (ج) پروفیسر پیٹرک گیڈیز (د) ایف۔ جے گولڈ

-3 معاشرتی علوم کی ماں ہے۔

(الف) علم شہریت (ب) علم تاریخ (ج) علم معاشیات (د) علم عمرانیات

-4 ''تمام انقلابات تحریکوں اور جنگوں کے پیچھے معاشیات ہی اہم سبب ہے۔'' یہ کس مفکر کا دعویٰ ہے؟

(الف) کارل مارکس (ب) ارسطو (ج) افلاطون (د) روسو

5- علم شہریت کے لیے متبادل لفظ استعمال ہوتا ہے۔

(الف) سیاسیات (ب) اخلاقیات (ج) حیاتیات (د) مدنیت

6- کس مشہور ماہر معاشیات نے معاشیات کو "دولت اور حصول دولت کا علم" کہا ہے؟

(الف) آدم سمتھ (ب) مارشل (ج) ڈیوڈ ریکارڈو (د) رابنز

7- افلاطون کی وہ کون سی کتاب ہے جس میں مثالی ریاست کا نقشہ کھینچا گیا ہے؟

(الف) دی ری پبلک (ب) پولیٹکس (ج) لیویاتھان (د) کمیونسٹ مینی فسٹو

8- عربی میں "مدینہ" کے معنی ہیں۔

(الف) تنظیم (ب) ریاست (ج) ضابطہ (د) شہر

9- اڑھائی ہزار سال پہلے ایک عظیم تہذیب کا گہوارہ تھا۔

(الف) چین (ب) سپین (ج) یونان (د) فرانس

10- علم شہریت کو انگریزی میں کہتے ہیں۔

(الف) پولیٹکس (ب) سوکس (ج) سوس (د) سویٹاس

11- کون سا نظام حکومت سب سے پسندیدہ ہے؟

(الف) جمہوریت (ب) آمریت (ج) صدارتی (د) بادشاہت

12- مشہور مفکر ارسطو کا تعلق کس ملک سے تھا؟

(الف) ایران (ب) اٹلی (ج) روم (د) یونان

باب نمبر 2

علم شہریت کے بنیادی تصورات

(The Basic Concerns Of Civics)

خاندان

مفہوم

ارسطو نے کہا ہے کہ انسان معاشرتی حیوان ہے۔ معاشرے کے اندر رہ کر اس کو بے شمار لوگوں اور اداروں سے واسطہ پڑتا ہے۔ ماں، باپ، بھائی، بہن، بیوی اور شوہر سب تعلقات اس کی زندگی کا لازمی حصہ بنتے ہیں۔ خاندان سب سے اولین اور قدیم انسانی ادارہ ہے جو ہر دور میں کسی نہ کسی صورت میں موجود رہا ہے۔ اسلامی نظریے کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہ السلام نے دنیا کے پہلے خاندان کی تشکیل کی۔ اسلام نے نکاح کو خاندان کی بنیاد بنایا ہے جس کی رو سے مرد اور عورت ایک پاکیزہ اور مقدس بندھن میں بندھ کر اکٹھے زندگی بسر کرتے ہیں۔

تعریف

ارسطو (Aristotle)

"جو شخص معاشرے سے الگ تھلگ ہو کر رہتا ہے وہ دیوتا ہے یا حیوان "انسان معاشرتی حیوان ہے۔ اس نے خاندان کو ایک قدرتی ادارہ قرار دیا ہے جس کی بنیاد انسانی ضروریات پر ہے چونکہ کوئی بھی فرد اپنی تمام ضروریات تنہا پوری نہیں کر سکتا لہٰذا وہ خاندان کی تشکیل کرتا ہے۔

پروفیسر میک آئیور (PROF. MAC IVER)

"خاندان کو ایسا گروہ قرار دیتا ہے جو جنسی رشتہ کی بنیاد پر وجود میں آتا ہے۔ وہ اس رشتے کو بچوں کی پیدائش اور تربیت کے لیے ضروری اور پائیدار سمجھتا ہے"۔

ہم کہہ سکتے ہیں کہ خاندان دو افراد (میاں اور بیوی) کے باہمی تعلق سے وجود میں آتا ہے اور اس کو بنانے کی وجہ افزائش نسل، معاشی تسکین اور معاشرتی ہمدردی حاصل کرنا ہے۔

خاندان کی اقسام

1- پدرسری خاندان (Patriarchal Family)

اس طرح کے خاندان میں مرد کو مرکزی حیثیت و اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ حسب و نسب مرد کی طرف سے منسوب ہوتا ہے۔ باپ کنبے کا سربراہ ہوتا ہے۔ کنبے کی معاشی کفالت اسی کے سپرد ہوتی ہے۔ اسلامی معاشرے میں بھی پدرسری خاندان ہی رائج و مقبول ہے۔ پوری دنیا میں پدرسری خاندان مقبولیت کے لحاظ سے پہلے درجے پر ہے۔

2- مادرسری خاندان (Matriarchal Family)

مادرسری خاندان میں عورت یا بیوی سربراہ کنبہ ہوتی ہے۔ بیٹیاں خاندان کی وراثت کی حق دار ہوتی ہیں۔ دورِ حاضر میں اس قسم کے خاندان دنیا بھر میں بہت کم ہیں۔ بھارت اور تبت کے بعض بے حد غیر ترقی یافتہ قبائل میں مادرسری نظام آج بھی رائج ہے۔

3- مشترکہ خاندان (Joint Family)

جن خاندانوں میں اکٹھے رہنے کا رواج ہوتا ہے وہ مشترکہ یا مخلوط خاندان کہلاتے ہیں۔ دادا دادی، پوتا پوتی، چچا، چچی اور پھوپھا پھوپھی وغیرہ سب اس میں شامل ہوتے ہیں۔ یہ خاندانی نظام زیادہ تر مشرقی ممالک میں رائج ہے۔

4- علیحدہ خاندان (Conjugal Family)

جہاں بیوی، شوہر اور بچے الگ سے رہ رہے ہوں وہ علیحدہ خاندان کہلاتا ہے۔ ترقی یافتہ ممالک میں اس خاندان کی طرف لوگوں کا رجحان بہت زیادہ ہے۔

5- یک زوجگی خاندان (Monogamous Family)

اس قسم کے خاندان میں مرد صرف ایک عورت سے شادی کر سکتا ہے۔ دورِ حاضر میں یہ نظام سب سے زیادہ مقبول ہے۔ اس نظام کے تحت والدین بچوں کی تعلیم و تربیت بہترین طریقے سے کرتے ہیں۔ بعض ممالک میں مرد قانونی طور پر صرف ایک شادی کرنے کا پابند ہے اور پہلی بیوی کی موجودگی میں وہ دوسری شادی نہیں کر سکتا۔ پاکستان کے عائلی قوانین کے تحت مرد کو بیوی کی اجازت کے بغیر دوسری شادی کا حق حاصل نہیں۔

6- کثیر زوجگی خاندان (Polygamous Family)

اگر کسی شخص کی بیک وقت کئی بیویاں ہوں تو اسے کثیر زوجگی نظام سمجھا جاتا ہے۔ اسلام نے بھی بعض حدود و قیود کے ساتھ چار شادیاں کرنے کی اجازت دے رکھی ہے۔ تاہم یہ شرائط اتنی کڑی ہیں کہ ان کو پورا کرنا بے حد مشکل ہے۔

خاندان کی اہمیت

1- افزائش نسل

نسل انسانی کی بقاء خاندان کا سب سے بنیادی فریضہ ہے جب مرد اور عورت خاندان کی تشکیل کرتے ہیں تو ان کی سب سے پہلی خواہش یہ ہوتی ہے کہ ان کی نسل بڑھے۔ خاندان افزائش نسل کا پروقار عمل جاری رکھتا ہے اور نسل انسانی کی بقاء قائم رہتی ہے۔

2- بچے کی پرورش

بچہ جب اس دنیا میں آتا ہے تو وہ بے بس و لاچار ہوتا ہے۔ اگر اس کو خاندان کی محبت اور توجہ نہ ملے تو وہ چند گھنٹوں میں مر جائے ویسے بھی انسانی بچے کی پرورش ایک طویل اور صبر آزما کام ہے۔ اس کو خوراک، لباس اور تعلیم کی ضرورت ہوتی ہے۔ خاندان اس کو یہ سب چیزیں مہیا کرتا ہے۔ بچپن سے لے کر جوانی تک جب تک کہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑا نہ ہو جائے اس کی پرورش کی ذمہ داری خاندان پوری کرتا ہے۔

3- تعلیم وتربیت

بچے کی اولین درس گاہ ماں کی گود ہوتی ہے۔ بچے کی شخصیت پر ماں باپ کا گہرا اثر ہوتا ہے۔ بچے کی اخلاقی تعلیم وتربیت کا سارا دارومدار اس خاندان پر ہوتا ہے جہاں وہ پرورش پاتا ہے۔ دوسروں کے ساتھ وہ جو رویہ اختیار کرتا ہے دراصل وہ اس نے اپنے خاندان سے ہی سیکھا ہوتا ہے۔ الغرض بچے کی ابتدائی تعلیم وتربیت خاندان ہی کرتا ہے۔

4- معاشی کفالت

خاندان بچے کی معاشی کفالت کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ بچہ اس قابل نہیں ہوتا کہ وہ خود کما کر اپنی ضروریات پوری کرے۔ ماں باپ ہر طرح کی تکالیف برداشت کر کے اپنے بچوں کی معاشی کفالت کرتے ہیں تاکہ وہ معاشی فکر سے آزاد ہو کر اپنی تعلیم حاصل کریں۔ صحت مند اور کارآمد شہری بنیں۔

5- ثقافتی ورثے کی منتقلی

دنیا کے ہر معاشرے کے اعتقادات، نظریات اور رسومات ہوتی ہیں۔ جو نسل در نسل منتقل ہوتے ہیں۔ خاندان منتقلی کے اس عمل کو بڑے احسن طریقے سے پورا کرتا ہے۔ خاندان کے اندر رائج اقدار وتصورات سے بچہ پوری طرح متاثر ہوتا ہے۔ یہ ثقافتی ورثہ اس کے ذہن میں منتقل ہو جاتا ہے اور جب وہ بڑا ہو کر عملی زندگی میں قدم رکھتا ہے تو اس ورثے کو اگلی نسلوں تک منتقل کرنے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

6-اطاعت کا درس

اطاعت کا درس بچہ خاندان سے ہی حاصل کرتا ہے وہ دیکھتا ہے کہ پورے خاندان کے افراد سربراہ کنبہ کی اطاعت کرتے ہیں تو وہ بھی اس کا اثر قبول کرتا ہے جب بڑا ہو کر وہ مختلف قوانین اور افراد کی اطاعت کرتا ہے تو یہی سبق اس کے کام آتا ہے۔ وہ اعلیٰ شہریت کے اوصاف سے مزین ہو جاتا ہے۔ اخوت' اطاعت' ایثار وقربانی کا درس خاندان سے سیکھتا ہے۔

فرد اور معاشرہ

معاشرہ انگریزی زبان کے لفظ سوسائٹی (Society) کا ترجمہ ہے جو لاطینی زبان کے لفظ سوشس (Socius) سے اخذ کیا گیا ہے جس کے لغوی معنی ساتھی کے ہیں۔ گویا معاشرہ سے مراد ساتھیوں کا گروہ یا مجموعہ ہے۔ لیکن جب ہم معاشرے کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو ہمارے خیال میں معاشرے میں انسان کی تمام علمی و ادبی تہذیبی و ثقافتی، اخلاقی و روحانی، سیاسی و معاشرتی منظم وغیر منظم سرگرمیاں اور محبت و نفرت سب طرح کے تعلقات شامل ہوتے ہیں۔

تعریف

مفکرین نے حسب ذیل معاشرے کی تعریف کی ہے۔

1-ابن خلدون (Ibn-e-Khaldoon)

مشہور مسلمان مفکر مورخ اور ماہر عمرانیات معاشرے کو ایک نامیاتی جسم سے تشبیہ دیتے ہیں۔ ان کے مطابق معاشرے کی اپنی شخصیت ہوتی ہے۔ معاشرہ بچپن، جوانی اور بڑھاپے کی باقاعدہ منازل طے کرتا ہے اور اسی دوران مختلف حالات و واقعات سے متاثر ہوتا ہے اور عروج سے زوال کی طرف جا کر اپنی طبعی موت مر جاتا ہے۔

2-پروفیسر ٹی۔ایچ گرین (Professor T.H. Green)

معاشرے میں کھلاڑیوں کے علاوہ کھیل کا میدان بھی شامل ہے یعنی وہ صرف افراد کو معاشرے میں شامل نہیں سمجھتا بلکہ اس جگہ کو بھی معاشرے میں شامل کر دیتا ہے۔ جہاں افراد رہتے ہیں۔

3-لارڈ برائس (Lord Bryce)

''افراد کا وہ مجموعہ جو مشترکہ مقاصد کی خاطر مل جل کر زندگی بسر کر رہا ہو معاشرہ کہلاتا ہے۔''

4-میک آئیور (Mac Iver)

معاشرہ ایک مخصوص انسانی گروہ ہے جو کافی مدت سے مشترکہ طور پر زندگی کی منازل منظم ہو کر طے کر رہا ہو اور اس کی بدولت گروہ کے افراد خود کو ایک وحدت سمجھیں۔ مختصراً ہم کہہ سکتے ہیں کہ "معاشرہ افراد کا ایسا وسیع گروہ ہے جو اپنے اراکین کی ضروریات پوری کرتا ہے اور افراد اس کے بدلے میں بعض قواعد وضوابط، رسم و رواج کی پابندی کر کے معاشرے کی اطاعت کرتے ہیں"۔

معاشرے کی خصوصیات
(Characteristics Of Society)

1- فکر و عمل کی ہم آہنگی

فکر و عمل کی یگانگت معاشرے کی سب سے نمایاں خصوصیت ہے کیونکہ معاشرہ دراصل ہم خیال افراد کا مجموعہ ہوتا ہے اور یہ یکساں سوچ ہی انہیں مشترکہ مفادات کے لیے ایک دوسرے کے ساتھ تعاون پر مجبور کرتی ہے کیونکہ جس معاشرے میں نظریاتی اختلافات ہوں وہاں خود غرضی اور نفرتوں کا رنگ نظر آتا ہے۔ لہٰذا فکر و عمل کی ہم آہنگی سے ان کے درمیان یک رنگی پیدا ہوتی ہے اور ایک لڑی میں پروئے جاتے ہیں۔

2- مشترکہ مقاصد

معاشرہ مشترکہ مقاصد کے لیے قائم ہوتا ہے۔ یہ وقتی یا عارضی نہیں ہوتے بلکہ دائمی اور مستقل ہوتے ہیں۔ ان مشترکہ مقاصد کا حصول لوگوں کے درمیان اتحاد و تعاون کا باعث بنتا ہے۔

3- پائیدار اور مستقل

معاشرہ مستقل اور پائیدار ہوتا ہے۔ مشترکہ مقاصد کی بناء پر معاشرے کے افراد کے مابین ایک مستقل اور پائیدار رشتہ قائم ہوتا ہے اور وہ ان مقاصد کے لیے مستقل جدوجہد کرتے ہیں۔ مستقل ہونے کی یہی کیفیت معاشرے کو دوسری انجمنوں سے ممیز کرتی ہے جو عارضی مقاصد کے حصول کے لیے قائم ہوتی ہیں۔

4- قدرتی ادارہ

معاشرہ ایک قدرتی اور فطری انسانی ادارہ ہے۔ یہ مصنوعی طور پر وجود میں نہیں آتا ہر فرد پیدائش کے فوراً بعد معاشرے کا رکن بن جاتا ہے۔

5- ہمہ گیریت

معاشرہ ہمہ گیریت کا حامل ہے۔ انسانی زندگی کے تمام معاملات اس میں شامل ہیں۔ فرد کی زندگی کا کوئی پہلو بھی اس سے باہر نہیں۔ فرد کے تمام رشتے خواہ شعوری ہوں یا غیر شعوری منظم ہوں یا غیر منظم معاشرے کے مرہونِ منت ہیں۔

6- تغیر پذیری

معاشرہ تغیر پذیر ہے۔ افراد اور معاشرہ کے اپنے اصول اور قوانین ہوتے ہیں لیکن وہ جامد نہیں ہوتے بلکہ فرد کی ذہنی تبدیلیوں کے ساتھ ان میں بھی تبدیلی ہوتی رہتی ہے اس طرح معاشرے میں بھی تبدیلی کا عمل جاری رہتا ہے۔

7- آفاقی نوعیت

معاشرہ آفاقی نوعیت رکھتا ہے۔ یہ علاقائی حدود و قیود سے آزاد ہوتا ہے۔ یہ چند خاندانوں پر بھی مشتمل ہوسکتا ہے اور بہت سی ریاستوں پر بھی یا ایک ریاست میں بہت سے معاشرے ہو سکتے ہیں جیسا کہ بھارت میں بہت سے معاشرے موجود ہیں۔ اسلامی معاشرہ عالمگیر نوعیت کا حامل ہے مسلمان دنیا کے کسی بھی خطے میں رہتے ہوں اسلامی معاشرے کے رکن ہیں۔

8- منظم معاشرہ

معاشرہ چونکہ منظم ادارہ ہے لہٰذا اس کے اپنے قواعد وضوابط ہوتے ہیں۔ یہ قواعد وضوابط اس معاشرے کو اپنے جیسے دوسرے اداروں سے ممتاز کرتے ہیں۔ اگر کوئی فرد ان قواعد وضوابط کی خلاف ورزی کرتا ہے تو اس کو معاشرتی خلاف ورزی کا مرتکب سمجھا جاتا ہے۔

فرد اور معاشرے کا باہمی تعلق (مقاصد)

1- انسان معاشرتی حیوان ہے

فرد اور معاشرہ لازم و ملزوم ہیں۔ دونوں کا باہمی تعلق بہت گہرا ہے۔ پیدائش سے لے کر موت تک ایک فرد معاشرے کے تعاون کا محتاج ہے۔ معاشرہ اس کی تمام ضروریات پوری کرتا ہے۔ علاوہ ازیں فرد کی شخصیت و کردار کی تعمیر معاشرے کے اندر رہ کر ہوتی ہے۔ آج سے ہزاروں سال پہلے یونانی مفکر ارسطو نے جو بات کہی تھی وہ آج بھی سچ ہے کہ "انسان معاشرتی حیوان ہے" (Man is a Social Animal)۔ اگر کوئی فرد معاشرے سے قطع تعلق کر بھی لے تو پھر بھی کسی نہ کسی مرحلے پر اس کو معاشرے کی ضرورت پیش آتی ہے۔

2- بقائے نسل اور انسانی پرورش

انسان جب پیدا ہوتا ہے تو بالکل بے بس و لاچار ہوتا ہے وہ ایک گھونٹ پانی بھی خود نہیں پی سکتا۔ جانوروں کے بچوں کے برعکس انسانی بچے کی پرورش بہت مشکل کام ہے اگر معاشرہ نہ ہوتو بچہ پیدائش کے کچھ دیر بعد مر جائے اور آہستہ آہستہ انسانی نسل ختم ہو جائے۔ بقائے نسل انسانی اور بچے کی پرورش معاشرے میں ہی رہ کر ممکن ہے۔

3- قوت گویائی

انسان حیوان ناطق ہے۔ اللہ تعالی نے انسان کو بے شمار صلاحیتیں عطا کی ہیں۔ یہ صلاحیتیں معاشرے کی بدولت نشوونما پاتی ہیں۔ اگر فرد معاشرے میں نہ رہے تو ان صلاحیتوں کا نشوونما پانا ممکن نہیں ہے مثلاً قوت گویائی اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جب انسان معاشرے کے اندر رہے اگر انسانوں سے دور اس کو جنگل میں چھوڑ دیا جائے تو وہ بولنا نہ سیکھ سکے گا۔

4- تعلیم وتربیت

بچے کی تعلیم و تربیت معاشرے کی بدولت ہوتی ہے جن لوگوں میں وہ رہتا ہے جس قسم کے خاندان سے اس کا تعلق ہوتا ہے وہ اسی قسم کی تعلیم و تربیت حاصل کرتا ہے۔ اور اس کے مطابق اپنی ذہنی صلاحیتوں کی نشوونما کرتا ہے۔

5- تہذیبی و ثقافتی ترقی

تہذیب و ثقافت کی ترقی بھی معاشرے کی بدولت ہے۔ انسان کی زبان، تہذیب، تمدن، علم، فلسفہ اور سائنس سب کی ترقی معاشرے کی بدولت ممکن ہوتی ہے۔ انسان نے کافی حد تک قدرتی آفات پر قابو پالیا ہے۔ مظاہر قدرت کو مسخر کر لیا ہے۔ نئی نئی آرام دہ ایجادات کی ہیں۔ یہ سب معاشرے کی بدولت ہیں۔

6- ورثے کی منتقلی

معاشرہ ہر نسل کی ترقی کے تجربات کو اگلی نسل تک منتقل کر دیتا ہے۔ صدیوں سے انسانی ورثہ معاشرے کی بدولت اگلی نسلوں تک منتقل ہوتا ہے۔ اگر معاشرہ نہ ہوتا تو علوم وفنون کی ترقی اگلی نسلوں تک منتقل نہ ہوتی اور سب کچھ خاک میں مل جاتا۔

7- ضروریات کی تکمیل

فرد کی بے شمار ضروریات کی تکمیل معاشرے کی بدولت ممکن ہیں۔ فرد کو روٹی، کپڑے اور مکان کی بنیادی ضروریات کے علاوہ دیگر بے شمار اشیاء کی ضرورت پڑتی ہے۔ تقسیم کار کے اصول کی بدولت معاشرے کے افراد ایک دوسرے کی ضروریات پوری کرتے رہتے ہیں۔ اگر معاشرہ نہ ہوتو ہر فرد کو روٹی، کپڑا اور مکان خود مہیا کرنا پڑے۔

8-اجتماعی ترقی

تمام افراد کی اجتماعی ترقی کسی خاص گروہ یا طبقے تک محدود نہیں ہے بلکہ افراد کی اجتماعی ترقی معاشرے کا منشاء و مدعا ہے۔ جو صرف اس کی بدولت ممکن ہے۔

مندرجہ بالا نکات کی بنیاد پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ فرد اور معاشرہ لازم و ملزوم ہیں۔

کمیونٹی (Community)

کمیونٹی افراد کے ایسے گروہ کو کہتے ہیں جو مشترک احساسات و اقدار کی بناء پر منظم و مربوط ہو اور ایک مخصوص علاقے میں رہائش پذیر ہو۔

تعریف

1-اوسبورن (Osborne)

''افراد کا ایسا گروہ جو مخصوص علاقے میں رہتے ہوں۔ مشترکہ دلچسپیوں اور سرگرمیوں کے حامل ہوں اور زندگی کے تمام معاملات کے بارے میں متحدہ اقدام کریں''۔

2-میک آئیور (Mac Iver)

''تمام شعبوں میں مشترکہ زندگی گزارنے والوں کو کمیونٹی کہتے ہیں''۔

3-پروفیسر گنز برگ (Prof. Ginsburg)

''مشترکہ رہائش اور باہمی انحصار و تعاون کو کمیونٹی کی بنیاد قرار دیا جاتا ہے''۔

کمیونٹی کی اقسام (Kinds Of Community)

کمیونٹی کی اقسام مندرجہ ذیل ہیں۔

1-شہری کمیونٹی (Urban Community)

شہری کمیونٹی بہت بڑی ہوتی ہے۔ شہری کمیونٹی میں لوگ ایک دوسرے سے زیادہ واقف نہیں ہوتے۔ سہولتوں کی فراوانی ہوتی ہے۔ لوگ زیادہ تر تعلیم یافتہ ہوتے ہیں۔ مگر لوگوں میں اخلاص و محبت کی کمی ہوتی ہے۔ نمود و نمائش کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔

2-دیہاتی کمیونٹی (Rural Community)

دیہاتی کمیونٹی بستیوں اور گاؤں میں رہائش پذیر ہوتی ہے۔ آبادی کم ہونے کی وجہ سے لوگ ایک دوسرے کو جانتے پہچانتے ہیں۔ دیہاتی کمیونٹی میں تعلیم کی کمی ہوتی ہے۔ ضروریات زندگی کی قلت ہوتی ہے تاہم لوگوں میں خلوص ومحبت پایا جاتا ہے سب ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شریک ہوتے ہیں۔

قوم اور قومیت

(Nation And Nationality)

قوم اور قومیت علم شہریت کا اہم موضوع ہے۔ قدیم دور میں دونوں کو ہم معنی سمجھا جاتا تھا لیکن اب دونوں کے درمیان فرق واضح کر دیا گیا ہے۔

قوم کی تعریف(Definition of Nation)

قوم کو انگریزی میں (Nation) کہتے ہیں جو لاطینی زبان کے لفظ Natio سے ماخوذ ہے جس کے معنی ''پیدائش'' کے ہیں گویا قوم کا تعلق فرد کی پیدائش یا نسل سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض مفکرین قوم کی اصطلاح کا استعمال نسلی خصوصیات کے حوالے سے کرتے ہیں لیکن دور حاضر میں قوم بنانے میں مشترکہ نسل کا کردار ثانوی ہو گیا ہے اور دیگر عوامل نے اس کی جگہ لے لی ہے۔

1-لارڈ برائس (Lord Bryce)

''قوم ایک قومیت ہے جس نے خود کو سیاسی وحدت کے طور پر منظم کر لیا ہو جو آزاد ہو چکی ہو یا آزادی حاصل کرنا چاہتی ہو۔''

2-گلکرائسٹ (Gilchrist)

''افراد کا گروہ جب ریاست کی صورت میں منظم ہو جائے تو وہ قوم بن جاتا ہے'' گویا وہ ریاست اور قومیت کے مجموعے کو قوم قرار دیتا ہے۔

3-ہیز (Hayes)

''قومیت اتحاد اور سیاسی آزادی حاصل کرنے کے بعد قوم بن جاتی ہے''۔ ہم آسان لفظوں میں کہہ سکتے ہیں کہ جب قومیت کا جذبہ رکھنے والے لوگ سیاسی طور پر منظم ہو کر آزادی حاصل کر لیتے ہیں تو وہ ایک قوم بن جاتے ہیں۔

قومیت کی تعریف (Definition of Nationality)

قومیت دراصل اپنائیت کے ایک ایسے احساس اور جذبے کا نام ہے جو افراد کے مابین مشترکہ نسل، رنگ، مشترکہ مذہب، مشترکہ علاقے، مشترکہ زبان اور مشترکہ روایات و مقاصد کی بناء پر پیدا ہوتا ہے۔ اس جذبے کی بناء پر لوگ اپنے آپ کو دوسروں سے الگ اور خود کو ایک رشتے میں منسلک سمجھتے ہیں۔

1- گلکرائسٹ (Gilchrist)

"قومیت ایک روحانی جذبہ ہے جو ان افراد میں جنم لیتا ہے جو عام طور پر ایک ہی نسل سے تعلق رکھتے ہوں۔ ایک ہی علاقے میں رہتے ہوں مشترکہ زبان، مذہب، تاریخ، روایات اور سیاسی مقاصد و اتحاد کے متعلق یکساں نظریات کے حامل ہوں"۔

2- گارنر (Garner)

"افراد میں قومیت کی خصوصیات اس وقت جنم لیتی ہیں جب ان میں بعض رشتوں میں منسلک ہونے کا شعور پیدا ہو جاتا ہے اور اسی شعور کی بنیاد پر وہ خود کو ایک الگ معاشرتی وحدت تصور کرتے ہیں"۔

قوم اور قومیت میں فرق

قوم اور قومیت کی تعریف سے دونوں کے مابین فرق واضح ہو جاتا ہے۔ قوم کی اصطلاح ہم سیاسی معنوں میں استعمال کرتے ہیں جبکہ قومیت بعض مشترکہ خصوصیات کی بناء پر پیدا ہونے والا جذبہ یا احساس ہے۔ یہی جذبہ جب سیاسی طور پر افراد کو منظم کر دیتا ہے تو ایک قومیت رکھنے والے افراد ایک قوم بن جاتے ہیں مثلاً امریکی قوم میں کئی مشترکہ عوامل موجود تھے مگر وہ ایک قوم نہ تھے۔ 1776ء سے قبل جب انہوں نے خود کو سیاسی طور پر منظم کر کے برطانیہ کے خلاف جدوجہد آزادی کا آغاز کیا تو وہ ایک قوم بن گئے۔

قومیت کے عوامل (Elements Of Nationality)

قومیت کا جذبہ پیدا کرنے والے عوامل حسب ذیل ہیں۔

1- اشتراک نسل (Common Race)

نسلی اتحاد قومیت کے عوامل میں ایک اہم ترین عامل ہے۔ نسلی وحدت کا احساس لوگوں میں یگانگت اور اتحاد کا جذبہ پیدا کر دیتا ہے۔ ہٹلر نے ایک نسل کا نعرہ بلند کر کے جرمن قوم کو دوسری قوموں سے برتر قرار دیا۔ یہودیوں نے نسلی وحدت کی بناء پر خود کو ایک الگ قوم کے طور پر منوایا ہے تاہم اشتراک نسل کوئی لازمی عنصر نہیں ہے۔ کیونکہ دنیا کے فاصلے سمٹ جانے سے مخلوط نسلیں بن

چکی ہیں۔ بہت سے ممالک مثلاً امریکہ، پاکستان، بھارت وغیرہ میں مختلف نسلوں کے لوگ قومی وحدت میں بندھے ہوئے ہیں اور بعض ایسے ممالک بھی ہیں جن کے باشندے ایک نسل سے تعلق رکھتے ہیں لیکن وہ الگ الگ قومیں ہیں جیسے برطانیہ اور آسٹریلیا کے لوگ ایک ہی نسل سے تعلق رکھنے کے باوجود الگ قومیں ہیں۔

2- مشترکہ علاقہ (Common Territory)

ایک جگہ پر رہنے والے افراد میں تہذیبی و ثقافتی یگانگت پائی جاتی ہے۔ مثلاً ہم جس محلے یا علاقے میں رہتے ہیں اس کے لوگوں سے ہماری محبت دوسرے علاقوں کے لوگوں کے مقابلے میں زیادہ ہوتی ہے۔ جذبہ قومیت بھی مشترکہ علاقے کی بناء پر پروان چڑھتا ہے۔ بلکہ پوری دنیا کے اندر لوگوں کو ان کے علاقوں کی بناء پر پکارا جاتا ہے جیسے افغانستان کے رہنے والوں کو افغانی، ترکی کے رہنے والوں کو ترک، روس کے رہنے والے روسی اور چین کے رہنے والے کو چینی کہا جاتا ہے۔ لیکن مشترکہ علاقہ بھی قومیت کا لازمی عامل نہیں ہے۔ مسلمان اور ہندو صدیوں تک اکٹھے رہنے کے باوجود ایک قوم نہ بن سکے۔

3- مشترکہ مذہب (Common Religion)

مشترکہ مذہب قومی وحدت کی تشکیل میں بڑا اہم کردار ادا کرتا رہا ہے۔ قدیم پاپائی ریاستیں مذہب کی اساس پر قائم تھیں۔ مسلمانوں کے درمیان جذبہ قومیت کی تشکیل کرنے والا واحد عنصر مذہب ہی ہے۔ اسلام پر ایمان لانے والے لوگ ایک قوم یعنی مسلم ملۃ کے رکن ہیں خواہ وہ کسی بھی نسل سے تعلق رکھتے ہوں کسی بھی علاقے میں رہتے ہوں یا کوئی بھی زبان بولتے ہوں۔ دین اسلام 14 اگست 1947ء میں پاکستان کے قیام کا باعث بنا۔

4- مشترک سیاسی مقاصد (Common Political Aims)

سیاسی مقاصد کا اشتراک بھی قومیت کی تخلیق میں ممد و معاون ثابت ہوتا ہے۔ بلکہ دورِ حاضر کی کئی قومیں مشترکہ سیاسی مقاصد کی یکسانیت کی وجہ سے وجود میں آئی ہیں۔ مشترکہ سیاسی مفادات نے امریکی قوم کی تخلیق کی۔ اسی طرح جنوبی افریقہ کے عوام نے مشترکہ سیاسی مقاصد کے تحت قوم کا وجود حاصل کیا۔ کشمیری اور فلسطینی مشترکہ سیاسی مقاصد اور آزادی کے حصول کی جدوجہد کر رہے ہیں تاہم یہ اصول بھی حتمی نہیں ہے۔ ہندو اور مسلمان جب آزادی کی جنگ لڑ رہے تھے تو دونوں کا سیاسی مقصد ایک تھا یعنی انگریز راج سے نجات حاصل کرنا تاہم دونوں کی منزل مقصود علیحدہ علیحدہ مملکتوں کا حصول تھا۔ اسی طرح بہت سے یا چند عوامل مل کر قومیت کی تخلیق کرتے ہیں۔

اسلامی تصور ملت

(Islamic Concept of Millat)

اسلام نے امت کا ایک اعلیٰ و ارفع تصور پیش کیا جب کہ مغربی نظریہ اس کے برعکس ہے۔ اسلام مذہب کو مسلم امت کی اساس قرار دیتا ہے مسلمان چاہے کہیں بھی رہتے ہوں کسی بھی نسل سے تعلق رکھتے ہوں وہ ایک قوم ہیں۔ اسلام میں امت کا لفظ بہت وسیع معنوں میں استعمال ہوا ہے کیونکہ اسلام کی دعوت کسی ایک ملک یا علاقے تک محدود نہیں ہے بلکہ یہ نظریہ پوری دنیا کے لوگوں کو ایک لڑی میں پرو دیتا ہے۔ اسلام ہمیشہ وسیع تر انسانیت کے حقوق کا علمبردار رہا ہے نہ کہ مخصوص گروہوں کا' اسلام نے تمام انسانوں کو اولادِ آدم کی حیثیت سے برابر کا درجہ عطا کیا ہے۔ مسلم امت کی بنیاد صرف اور صرف اسلام پر ہے۔

دورِ حاضر میں علاقائی حد بندیوں کی وجہ سے مسلمانوں کے علیحدہ علیحدہ وطن ہو سکتے ہیں لیکن ملی لحاظ سے وہ سب مسلم امت کے ارکان ہیں۔

اسلام میں انسان کا تصور روحانی اقدار پر ہے اور یہ روحانی اقدار کسی مخصوص خطہ زمین پر مقید نہیں رہ سکتا گویا مسلمان کسی بھی جگہ کسی بھی قسم کے لوگوں کے درمیان رہیں۔ ان کی انفرادیت برقرار رہتی ہے اور وطن، رنگ و نسل کی حد بندیاں ان کے وسیع تر قومیت کے تصور کے لیے رکاوٹیں نہیں بن سکیں۔ تاہم اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مسلمان دوسری اقوام کے ساتھ مل کر نہیں رہ سکتے۔ مسلمانوں سے زیادہ روادار قوم کوئی نہیں جب تک ان کی انفرادیت اور مذہبی زندگی میں مداخلت نہ کی جائے۔ گویا اسلامی نظریہ امت کے نزدیک جغرافیائی پابندیاں، رنگ و نسل، گورے کالے اور اونچ نیچ کی کوئی قید نہیں۔ اسلامی ملت کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور ختم المرسلین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر کامل ایمان ہے۔

علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ نے اپنے کلام میں اسلامی ملت کی بنیاد صرف مذہب پر رکھی ہے۔ آپ نے اسلامی تصور ملت کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر — خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار — قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

بتانِ رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا — نہ تورانی رہے باقی، نہ ایرانی نہ افغانی

خصوصیات یا مقاصد

1- توحید:

ملت اسلامیہ کی سب سے اولین خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو ہرگز معبود تسلیم نہ کیا جائے اور ہر قسم کے شرک سے اجتناب کیا جائے۔

2- رسالت:

صرف وہ شخص ہی مسلمان اور ملتِ اسلامیہ کا رکن ہو سکتا ہے جو حضرت محمد ﷺ کو نہ صرف اللہ تعالیٰ کا نبی تسلیم کرے بلکہ آخری نبی بھی مانے۔ آپ پر نبوت ختم ہو گئی۔ اب قیامت تک کوئی نبی نہیں آئے گا۔

3- مساوات:

ملتِ اسلامیہ میں مساوات کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ کوئی فرد رنگ، نسل اور وطن وغیرہ کی وجہ سے دوسرے انسان پر فضیلت کا حق دار نہیں۔ اگر فضیلت ہے تو صرف تقویٰ کی بنیاد پر ہے۔

4- عدل وانصاف:

ملتِ اسلامیہ میں عدل و انصاف کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اور جب تمھیں (مسلمانوں کو) کسی عہدہ یا ذمہ داری کا کام تفویض کیا جائے تو تمہارا فرض ہے کہ لوگوں کے ساتھ عدل و انصاف کا معاملہ کرو''۔

5- اخلاق و پرہیزگاری:

ملتِ اسلامیہ میں اخلاق و پرہیزگاری پر بہت زور دیا جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ''بے شک تم میں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک اعلیٰ وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی اور پرہیزگار ہو''۔

6- تعصب کا خاتمہ:

اسلام ہر قسم کے تعصب کو ختم کرنے پر زور دیتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے کہ ''لوگو ہم نے تمھیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تم کو گروہ اور قبائل بنا دیا تاکہ تم آپس میں پہچانے جاؤ۔ مگر درحقیقت معزز تو تم میں وہی ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے''۔

7- اتحاد وتعاون:

ملت اسلامیہ کی رو سے ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ سارے مسلمان ایک مربوط اور متحد جماعت ہیں جو اس

جماعت سے کنارہ کشی اختیار کرے گا وہ سزا کا مستحق ہوگا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "اور اللہ کی رسی مضبوطی سے تھام لو"۔

8- عالم گیر برادری:

ملتِ اسلامیہ میں تمام دنیا کے مسلمان شامل ہیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ" تمہاری جماعت ایک ہی جماعت ہے اور میں تمہارا رب ہوں"۔

سوالات

حصہ اول

1- مختصر جوابات دیجئے۔

☆ خاندان کا مفہوم بیان کیجئے۔

☆ میک آئیور کی بیان کردہ "معاشرے" کی تعریف لکھیے۔

☆ گارنر نے قومیت کی کیا تعریف کی ہے؟

☆ علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ نے اسلامی تصور ملت کی وضاحت کیسے کی ہے؟

☆ قومیت کی تخلیق میں مشترک سیاسی مقاصد کیسے ممد و معاون ثابت ہوتے ہیں؟

☆ لارڈ برائس نے قوم کی کیا تعریف کی ہے؟

☆ ارسطو نے انسان کو معاشرتی حیوان کیوں کہا ہے؟

☆ خاندان بچے کو اطاعت کا درس کیسے دیتا ہے؟

☆ مشترکہ خاندان سے کیا مراد ہے؟

☆ معاشرے کا مفہوم واضح کیجئے؟

حصہ دوم

2- خاندان کی تعریف کیجئے اور اس کی اقسام بیان کیجئے۔

3- معاشرے کی تعریف کیجئے نیز اس کی خصوصیات کا ذکر کیجئے۔

4- فرد اور معاشرے کا باہمی تعلق واضح کیجئے۔

5- خاندان کی اہمیت اجاگر کیجئے۔

6- قوم اور قومیت کی تعریف کیجئے نیز ان میں فرق بیان کیجئے۔

7- کمیونٹی سے کیا مراد ہے؟ کمیونٹی کی اقسام بیان کیجئے۔

8- اسلامی تصور ملت پر تفصیل سے روشنی ڈالیے۔

حصہ سوم

■ ہر سوال کے چار جوابات دیئے گئے ہیں درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

1- کس مفکر کا قول ہے کہ انسان معاشرتی حیوان ہے؟

(الف) روسو (ب) سقراط (ج) آسٹن (د) ارسطو

2- بچے کی اولین درسگاہ ہوتی ہے۔

(الف) مدرسہ (ب) مسجد (ج) لائبریری (د) ماں کی گود

3- ابن خلدون کی وجہ شہرت کس مضمون سے متعلق ہے؟

(الف) سیاسیات (ب) نفسیات (ج) عمرانیات (د) اقتصادیات

4- مشترکہ مقاصد کے لیے قائم ہوتا ہے۔

(الف) خاندان (ب) معاشرہ (ج) اقتدار اعلیٰ (د) قانون

5- قوم کی یہ تعریف کس مفکر نے کی ہے؟ ''قوم ایک قومیت ہے جس نے خود کو سیاسی وحدت کے طور پر منظم کر لیا ہو جو آزاد ہو چکی ہو یا آزادی حاصل کرنا چاہتی ہو۔''

(الف) گلکرائسٹ (ب) لاسکی (ج) لارڈ برائس (د) الیف۔ جے۔ گولڈ

6- قومیت کے عوامل کے حوالے سے غیر ضروری عامل کی نشاندہی کیجئے۔

(الف) اشتراک نسل (ب) مشترکہ موسیقی (ج) مشترکہ مذہب (د) مشترکہ علاقہ

7- اسلامی تصور ملت مغربی نظریہ کے ہے۔

(الف) مساوی (ب) مترادف (ج) برعکس (د) مطابق

8- علامہ اقبالؒ کے نزدیک اسلامی ملت کی بنیاد کیا تھی؟

(الف) مذہب (ب) زبان (ج) نسل (د) سیاست

9 یہ شعر کس شاعر کا ہے؟

بتانِ رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی، نہ ایرانی نہ افغانی

(الف) ناصر کاظمی (ب) فیض احمد فیض (ج) میر تقی میر (د) علامہ اقبالؒ

10- اللہ تعالیٰ کے پہلے پیغمبر ہیں۔

(الف) حضرت آدمؑ (ب) حضرت نوحؑ (ج) حضرت ابراہیمؑ (د) حضرت موسیٰؑ

11- جہاں بیوی شوہر اور بچے الگ سے رہ رہے ہوں وہ خاندان کہلاتا ہے۔

(الف) مادر سری خاندان (ب) مشترکہ خاندان (ج) علیحدہ خاندان (د) پدر سری خاندان

12- لاطینی زبان کے لفظ سوشس (Socius) کے لغوی معنی ہیں۔

(الف) قوانین (ب) مقاصد (ج) ثقافتی ورثہ (د) ساتھی

13- تمام شعبوں میں مشترکہ زندگی گزارنے والوں کو کمیونٹی کہتے ہیں۔ یہ الفاظ کس مفکر کے ہیں؟

(الف) پروفیسر گنز برگ (ب) میک آئیور (ج) اوسبورن (د) گلکرائسٹ

14- مشہور ڈکٹیٹر ہٹلر کا تعلق کس ملک سے تھا؟

(الف) جرمنی (ب) جاپان (ج) برطانیہ (د) فرانس

15- لاطینی الفاظ کے لفظ نیشو (Natio) کے معنی ہیں۔

(الف) آزادی (ب) جذبہ (ج) تعاون (د) پیدائش

باب نمبر3

ریاست

The State

ریاست کا تعارف

ریاست کا تصور چند ہزار سال پہلے منظر عام پر آیا۔ قدیم یونانی ریاستیں حضرت عیسٰی علیہ السلام کی ولادت سے تین چار سو سال پہلے وجود میں آئیں۔ اُس سے پہلے لوگ قبائلی انداز میں رہ رہے تھے۔ قدیم یونانی ریاستیں الگ الگ آبادیاں تھیں۔ 158 ایسی ریاستیں یونان کے اندر قائم تھیں جنہیں شہری ریاستیں پکارا گیا۔ یونانیوں کے بعد رومیوں نے ریاستوں کو وسیع تر شکل دی۔ جنگوں اور فتوحات کی بدولت چھوٹی چھوٹی ریاستیں بڑی ریاستوں کا حصہ بن گئیں۔ پانچویں صدی عیسوی میں خود مختار، مقتدر اور آزاد ریاستیں بنیں۔ ان کو ریاستوں (States) کا نام دیا گیا۔

ریاست کی تعریف (Definition of State)

1- ارسطو (Aristotle)

''خاندانوں اور دیہاتوں کا ایسا اجتماع جس میں افراد خود کفیل اور خوشیوں بھری زندگی گزاریں، ریاست کہلاتا ہے''۔

2- برجیس (Burgess)

''ریاست افراد کا ایک گروہ ہے جسے منظم یونٹ کہا جا سکتا ہے''۔

3- بلنٹشلی (Bluntschli)

''ایک مخصوص علاقے میں عوام کا سیاسی طور پر منظم ہونا ریاست کہلاتا ہے''۔

4- لاسکی (Laski)

''دوسرے اداروں پر حاوی ادارہ ریاست کہلاتا ہے جس میں عوام حکومت اور رعایا میں منقسم ہوں اور اُن کے پاس مخصوص علاقہ ہو''۔

5- وڈرو ولسن (Woodrowilson)

''افراد کا کسی مخصوص علاقے میں قانون کی خاطر منظم ہونا ریاست کہلاتا ہے''۔

6- گارنر (Garner)

''ریاست افراد کی ایک ایسی تنظیم کا نام ہے جو ایک مخصوص علاقے پر قابض ہو، بیرونی کنٹرول سے آزاد ہو اور وہاں ایک منظم حکومت قائم ہو ایسی حکومت جس کی اطاعت عوام کی اکثریت عادتاً کرتی ہو''۔

ارسطو کی مندرجہ بالا تعریف قدیم یونانی ریاستوں کے حوالے سے پیش کی گئی۔ آج کی ریاستوں کے لیے یہ تعریف جامع نہیں مانی جاتی۔ سب سے مکمل اور جامع تعریف پروفیسر گارنر نے پیش کی ہے کیونکہ یہ ریاست کے تمام عناصر کا پوری طرح احاطہ کرتی ہے۔

ریاست کے ضروری عناصر

1- آبادی

ریاست کا سب سے اہم عنصر آبادی ہے۔ ریاست انسانوں کے لیے بنائی جاتی ہے۔ آبادی کے بغیر ریاست کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ہر ریاست میں شہری ہوتے ہیں جنہیں ریاست کی جانب سے حقوق دیے جاتے ہیں۔ آبادی کے حوالے سے یہ بحث ضروری ہے کہ ایک ریاست کی آبادی کتنی ہو؟ کئی ایسی ریاستیں ہیں جہاں کروڑوں افراد بستے ہیں اور ایسی بھی ہیں جن کی آبادی چند ہزار افراد سے زیادہ نہیں ہے۔ چین اور بھارت کی آبادی ایک ارب سے کہیں بڑھ گئی ہے۔ ویٹیکن سٹی کی آبادی ڈیڑھ ہزار سے کم ہے۔ ماہرین نے آبادی کے بارے میں ایک فارمولا تسلیم کیا کہ ریاست کی آبادی اُس کے وسائل سے ہم آہنگ ہونی چاہیے۔ قدیم یونانی ریاستوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے افلاطون نے ایک مثالی ریاست کی آبادی 5040 مقرر کی۔ روسو نے مثالی آبادی 10,000 ٹھہرائی ہے۔ آج کی جدید ریاستیں افلاطون اور ارسطو کی شہری ریاست کے تصور سے بہت بڑی ہو گئی ہیں۔ اب تو یہی کہا جا سکتا ہے کہ آبادی نہ زیادہ ہو نہ کم بلکہ ملکی وسائل سے مطابقت رکھتی ہو۔

2- علاقہ

علاقہ کے بغیر ریاست مکمل نہیں ہوتی۔ ریاست ایک ادارہ ہے جس کے لیے سرزمین لازم ہے۔ آج فلسطین پر اسرائیل کا قبضہ ہے تو اسرائیل ایک ریاست ہے۔ 1948ء سے پہلے یہودی ایک منظم اور امیر قوم تھی۔ اُن کی مضبوط تنظیم تھی اور وہ کئی ممالک کی معیشت پر چھائے ہوئے تھے۔ لیکن وہ ایک ریاست کی شکل میں تب ڈھلے جب انہیں اتحادیوں نے فلسطینیوں کی سرزمین پر قابض ہونے کا موقع فراہم کیا۔

علاقہ کے حوالے سے بھی آبادی کی طرح یہ سوال ابھرتا ہے کہ ایک ریاست کا علاقہ کتنا ہو؟ آج دنیا کی چند ریاستوں کا رقبہ 320 مربع کلومیٹر سے کم ہے۔ منا کو ایک مکمل ریاست ہے اور رقبہ صرف 13 مربع کلومیٹر ہے۔ ایک فلسفی ٹریشکے لکھتا ہے کہ ''ریاست کا علاقائی اعتبار سے چھوٹا ہونا گناہ ہے کیونکہ ریاست طاقت کا نام ہے''۔ دنیا میں بڑے بڑے علاقوں کی روس، برازیل، امریکہ اور چین جیسی ریاستیں بھی ہیں۔

3- حکومت

حکومت وہ ادارہ ہے جس کے ذریعے ریاست میں پورا نظم و نسق چلایا جاتا ہے۔ عوام کو منظم اور محفوظ زندگی گزارنے میں مدد دینے کے لیے اصول و ضوابط ضروری ہوتے ہیں۔ ان کو تشکیل دینے، ان پر عمل درآمد کرانے اور ان کے مطابق عوام کو انصاف فراہم کرنے کی ذمہ داری حکومت پر ہوتی ہے۔ حکومت کے تین شعبے ہیں جو اپنا اپنا کام کرتے ہیں۔

- ☆ مقننہ: ریاست کے لیے قانون بناتی ہے۔
- ☆ انتظامیہ: ریاست میں قانون پر عمل درآمد کراتی ہے۔
- ☆ عدلیہ: قانون کے مطابق انصاف مہیا کرتی ہے۔

4-اقتدار اعلیٰ

اقتدار اعلیٰ ریاست کا وہ اعلیٰ و ارفع اختیار ہے جس کی وجہ سے وہ بیرونی دباؤ سے آزاد ہوتی ہے اور اندرونی طور پر تمام افراد اور اداروں پر حاوی ہوتی ہے۔ اقتدار اعلیٰ لازمی عنصر ہے جس کے بغیر مکمل ریاست کا تصور پورا نہیں ہوتا۔

اقتدار اعلیٰ کے دو پہلو ہیں۔

☆ داخلی اقتدار اعلیٰ:

ریاست کے اندر وہ اعلیٰ و ارفع اختیار جو علاقے میں رہنے والے تمام شہریوں اور اُن کے اداروں پر حاوی ہو۔

☆ خارجی اقتدار اعلیٰ:

ریاست کا بیرونی دباؤ سے آزاد ہونا خارجی اقتدار اعلیٰ کہلاتا ہے۔ جب کسی علاقے کے باشندے کسی دوسرے علاقے کے باشندوں کے حکم کے تابع ہوں تو وہ علاقہ ریاست نہیں کہلاتا۔ جموں و کشمیر کے باشندے آبادی، علاقہ اور حکومت کے حامل ہیں لیکن اُسے بیرونی کنٹرول سے آزادی یعنی خارجی اقتدار اعلیٰ حاصل نہیں ہے۔ خارجی اور داخلی اقتدار اعلیٰ کا موجود ہونا آزاد اور خودمختار ریاست کے لیے لازمی شرط ہے۔

ریاست کی ابتداء کا تاریخی / ارتقائی یا درست نظریہ

ریاست کی ابتدا کیسے ہوئی؟ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے مفکرین نے یکے بعد دیگر کئی نظریات ترتیب دیے۔ بعض نے کہا ریاست قوت کے استعمال کا نتیجہ ہے۔ کچھ اسے تخلیق ربانی کہتے رہے۔ بعض اس کو خاندان کی بڑھتی ہوئی شکل ثابت کرنا چاہتے تھے اور متعدد مفکرین نے ریاست کو ایک معاہدے کا نتیجہ ٹھہرایا ان نظریات میں جزوی طور پر سچائی ہوگی لیکن کسی ایک کو وجہ تخلیق ریاست قرار دینا مناسب نہیں۔

یہ نظریہ بیسویں صدی میں بہت مقبول ہوا۔ اسے تاریخی یا ارتقائی نظریہ کہتے ہیں۔ اس نظریے نے پہلے سے جنم لینے والے مختلف نظریات کا زور توڑ دیا۔ آج کل اسی نظریہ کو درست سمجھا جا رہا ہے۔ ڈاکٹر گارنر کے الفاظ ہیں "ریاست کو اللہ نے تخلیق نہیں کیا اور نہ یہ قوت کا نتیجہ ہے۔ یہ معاہدے کی وجہ سے بھی نہیں بنی اور نہ ہی محض خاندان پھیلنے کا نتیجہ ہے۔

ڈاکٹر لیکاک کا کہنا ہے کہ "ریاست ایک مخصوص زمانہ کی پیداوار نہیں اور نہ ہی کسی منصوبہ بندی کا پھل ہے بلکہ مسلسل عمل اور مسلسل ارتقاء نے اسے موجودہ شکل دی ہے۔ یہ تاریخ کے لمبے عمل کے جاری رہنے کے بعد بنی"۔ ریاست کو تخلیق کرنے میں مدتوں کا عمل کارفرما رہا ہے۔ کئی عوامل کے اثرات نے اسے پروان چڑھایا۔ خونی رشتوں نے اس کی ابتدا میں مدد دی۔ طاقت نے اپنا رنگ دکھایا۔ مذہب کی بدولت بھی یہ منزل قریب تر آئی۔ لوگ بتدریج سوچتے سوچتے شعور پاتے گئے۔ بہتر سے بہتر کا حصول انسان کا مطمع نظر رہا ہے۔ انسانوں کی سوچ نے انہیں متحد ہونے کا راستہ دکھایا۔ ان متعدد عوامل کا نتیجہ ریاست بنا۔

ریاست ایک درخت کی مانند ہے جس کی پرورش میں زمین بیج، پانی، ہوا، روشنی، کھاد، انسانی محنت اور کئی اور عوامل شامل ہوتے ہیں۔ درخت ایک دن یا ایک چھوٹے سے عرصے میں نہیں اُگتا۔ درخت بننے تک پودے کو بہت سی منازل طے کرنا پڑتی ہیں۔ یہی حال ریاست کا رہا۔ کافی عوامل اپنے اپنے طور پر کارفرما رہے اور ریاست نمودار ہوئی۔

نظریہ تخلیق ربانی

(Divine Origin Of The State)

تعارف

یہ سب سے پہلے پیش ہونے والا نظریہ ہے۔ اس کے حامیوں کا خیال ہے کہ ریاست کا خالق خود اللہ تعالیٰ ہے۔ خود ریاست کو اُس نے تخلیق کیا اور حکومت بھی اُس کی طرف سے حکمرانوں کو عطا ہوئی ہے۔ اس نظریہ کے حامی حکمران کو دنیاوی اور دینی دونوں شعبوں میں عوام کا راہبر اور مقتدرِ اعلیٰ تسلیم کرتے ہیں۔ نظریہ تخلیق ربانی کے بنیادی اصول درج ذیل ہیں۔

- ☆ ریاست ربّ تعالیٰ کی تخلیق ہے۔
- ☆ حاکم اعلیٰ کو بھی ربّ تعالیٰ ہی مقرر کرتا ہے۔
- ☆ حاکم اعلیٰ صرف ربّ تعالیٰ کو جواب دہ ہوتا ہے۔
- ☆ حاکم اعلیٰ ریاست میں ربّ تعالیٰ کا نائب ہے۔
- ☆ حاکم اعلیٰ کی حکم عدولی اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی ہے۔
- ☆ حاکم اعلیٰ مطلق العنان ہوتا ہے اور اُس کے اختیارات کی کوئی حد نہیں ہوتی۔

نظریہ قوت

(Force Theory)

تعارف

اس نظریہ کے حامیوں کا خیال ہے کہ ریاست قوت اور جبر کے نتیجہ میں وجود میں آئی عوام کے گروہ ایک دوسرے سے لڑتے رہے اور جس گروہ کو باقی گروہوں پر فتح حاصل ہوئی اس کا سردار حکمران بن گیا اور مخصوص علاقے پر قابض ہو کر اپنے اقتدارِ اعلیٰ کو تسلیم کروایا۔ سرداروں کے درمیان جنگیں ایک بادشاہ کی حکومت کے قیام کا باعث بنیں۔ اسی لیے کہا گیا کہ: ''بادشاہ کو جنگوں نے پیدا کیا'' انگلستان، روس، سپین، ناروے اور ڈنمارک میں مختلف قبائل کے درمیان رزم آرائی کے نتیجے میں مضبوط حکمران وجود میں آئے اور انہوں نے ریاستوں کی بنیادیں رکھیں۔ یورپ ہی کی طرح ایشیا کے مختلف علاقوں میں گروہوں کے مابین جنگ و جدل نے ریاستوں کو جنم دیا۔ افغانستان اور وسط ایشیا کے علاقوں میں ریاستیں قبائلی جنگوں کے نتیجہ میں ابھریں۔

☆ ابن خلدون، مشہور عرب مفکر اس نظریہ کا قائل تھا۔ ہیوم، گریگوری ہفتم اور اوپن ہائیم نے بھی اس نظریہ کو پسند کیا۔ جبر و قوت نے یقیناً عوام کو مجتمع کرنے اور ایک ریاست کی شکل میں ڈھالنے میں اہم کردار ادا کیا لیکن یہ ایک سبب تھا، دوسرے کئی اسباب نے بھی ریاست کی تخلیق میں اپنا اپنا کردار ادا کیا۔

☆ یہ نظریہ مختلف طبقوں نے اپنے اپنے مفادات کے تحت ابھارا۔

☆ چرچ نے اس کے ذریعے ثابت کیا کہ ریاست ظلم و جبر کی پیداوار ہے۔

ریاست کے اختیارات کو کم کرنے کے حامی انفرادیت پسند مفکرین نے اسی نظریہ کو پیش کر کے ثابت کرنے کی کوشش کی کہ ریاست ایک برائی ہے۔

قومی تشخص کو ابھارنے اور ریاست میں حاکم کو مضبوط بنانے کے حامی مفکرین مثلاً جرمن مفکر نطشے جیسے لوگ ریاست کی عظمت کی خاطر اس نظریہ کو صحیح ثابت کرتے رہے۔

نظریہ پدرسری
(Patriarchal Theory)

تعارف

نظریہ پدرسری سرہنری مین (Sir Henry Maine) نے پیش کرتے ہوئے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ریاست خاندان کی وسیع تر شکل ہے۔ خاندان سب سے پہلا اور فطری ادارہ ہے جو انسانوں کو بنا بنایا ملتا ہے۔ خاندان پھیلا تو برادری بنی، برادری پھیلی تو قبیلہ بنا۔ قبیلہ کا سب سے بڑا بزرگ قبیلہ کا سربراہ بنا۔ جب ایک قبیلہ مستقل طور پر ایک علاقے پر بلاشرکت غیرے قابض ہو گیا تو وہ علاقہ خود مختار اور مقتدر ریاست کی شکل اختیار کر گیا۔ ریاست میں بادشاہ کی حیثیت قبیلہ کے سردار کو ملی۔ قبائل کی آپس میں جنگوں کے نتیجے میں مضبوط ترین قبیلہ وسیع سے وسیع تر علاقے پر قابض ہو گیا اور وسیع تر ریاست بن گئی۔ نظریہ پدرسری کی کافی حد تک یونانی مفکر ارسطو نے بھی حمایت کی ارسطو کے الفاظ میں "ریاست خاندانوں اور دیہاتوں کا مجموعہ ہے" پدرسری نظریہ میں درج ذیل خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔

☆ ریاست کی ابتدا خاندان سے ہوئی۔

☆ قبیلہ ایک مضبوط منظم تنظیم بنا اور اُس کا سردار بعد ازاں بادشاہ کا روپ اختیار کر گیا۔

☆ خاندان، برادری اور قبیلہ کا سربراہ مرد تھا اور ریاست بنی تو مرد ہی ریاست کا حکمران قرار پایا۔

نظریہ مادرسری
(Matriarchal Theory)

پدرسری اور مادرسری نظریات بنیادی طور پر یکساں اصول پر پروان چڑھے۔ دونوں میں تسلیم کیا گیا کہ رشتہ داری ریاست کی بنیاد تھی اور قبیلہ کا سربراہ ریاست کا حکمران بنا۔ البتہ مادرسری نظریہ کے پیش کاروں نے موقف اختیار کیا کہ خاندان، برادری اور قبیلہ میں سربراہی عورت کو حاصل تھی۔ مرد کا اس حوالے سے کوئی کردار نہیں تھا۔ نظریہ مادرسری کے حامیوں نے درج ذیل نکات پر زور دیا۔

☆ نکاح اور خاندان کا تصور بہت بعد میں پیدا ہوا۔ ہزاروں سال پہلے انسان مل کر رہتے تھے۔ معاشرہ تھا اور اُس میں نکاح کا

رواج نہ تھا۔عورت بیک وقت کئی مردوں سے جنسی میل ملاپ رکھتی تھی۔اس لیے والد کا تعین ناممکن تھا اولاد ماں کے نام سے پہچانی جاتی تھی۔یوں معاشرہ موجود تھا جس میں اولاد ماں کے اردگرد رہتی تھی۔معاشرہ میں اہم ترمقام ماں کو حاصل تھا۔

☆ گروہ پہلے سے تھے جو مشترکہ طور پر رہ رہے تھے۔رفتہ رفتہ ایک عورت اور ایک مرد اکٹھے رہنے لگے جس سے خاندان وجود میں آیا۔اس کی سربراہ عورت ہوا کرتی تھی۔

نظریہ معاہدہ عمرانی
(Social Contract Theory)

☆ نظریہ معاہدہ عمرانی پیش کرنے والے مفکرین میں تین نام بہت نمایاں ہیں۔تھامس ہابز، جان لاک اور روسو۔ان مفکرین کا دعویٰ ہے کہ ریاست عوام نے خود ایک اجتماعی معاہدے کے نتیجے میں تخلیق کی۔اُن کا کہنا ہے کہ ریاست نہ اللہ تعالیٰ نے تخلیق کی ،نہ یہ خاندان یا قبیلہ کی وسیع شکل ہے اور نہ ہی یہ طاقت کے استعمال کا نتیجہ ہے۔عوام قدرتی انداز میں رہ رہے تھے۔انہیں اپنی مشکلات کا احساس ہوا تحفظ کی ضرورت محسوس ہوئی اور انھوں نے مل جل کر ایک ریاست میں رہنے کا فیصلہ ایک معاہدہ کے ذریعے کیا۔ریاست میں حکومت اور قوانین بنائے گئے۔فطری زندگی کا خاتمہ ہو گیا۔اب سب لوگ ریاستی حکمران کے مطیع ہو گئے۔

یہ نظریہ معاہدہ عمرانی یعنی معاشرہ میں رہتے ہوئے عوام کا ایک معاہدہ طے کرنا اور ریاست بنالینا ایک ایسا نظریہ ہے جس کی مدد سے کئی تاریخی ثبوت بھی پیش کیے جاتے ہیں۔

☆ قدیم یونانی مفکرین افلاطون اور ارسطو کے دور میں معاہدہ عمرانی کا تصور موجود تھا جو اُن کے پیش رو مفکرین سوفسطائیوں نے تخلیق کیا تھا۔

☆ ایک ہندو وزیراعظم چانکیہ نے چندر گپت موریہ کے زمانے میں ارتھ شاستر نامی کتاب میں ریاست کی معاہدہ عمرانی کی بنیاد پر تخلیق کے تصور کی حمایت کی ہے۔وہ لکھتا ہے کہ فطری زمانے کو ترک کر کے لوگوں نے معاہدہ کیا اور منو نامی فرد کو اپنا حکمران بنالیا۔

☆ عیسائیوں کی کتاب انجیل مقدس میں بھی درج ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام اور عوام کے مابین معاہدہ ہوا اور ریاست بنائی گئی۔

نظریہ معاہدہ عمرانی پوری تفصیل کے ساتھ پہلی بار سولھویں صدی میں منظرِ عام پر آیا متعدد مفکرین نے نظریہ کے حق میں دلائل دیے۔تین مفکرین نے معاہدے کے بارے میں اپنی اپنی آراء کے مطابق تفاصیل بیان کی ہیں۔

تھامس ہابز
(Thomas Hobbes)

پیدائش 1588ء ملک: انگلستان کتاب: Leviathan

پس منظر

انگلستان میں خانہ جنگی جاری تھی بادشاہ اور پارلیمنٹ کی افواج لڑ رہی تھیں ہابز اُس جنگ میں بادشاہ کا مددگار تھا۔اُس نے قلم کے ذریعے بادشاہ کو مضبوط بنایا اور اپنی تحریروں میں ایسا فلسفہ پیش کیا۔کہ بادشاہ کو حق بجانب قرار دیا۔

جان لاک
(John Locke)

پیدائش 1632ء   ملک: انگلستان   کتاب: On Civil Government

پس منظر

جان لاک انگلستان میں پارلیمنٹ کی برتری چاہتا تھا۔ وہ دستوری بادشاہت اور جمہوری قدروں کے فروغ کا قائل تھا۔ وہ عوام کو اقتدار کا حقیقی مالک ثابت کرنا چاہتا تھا اور اس مقصد کے لیے اُس کے قلم نے نمایاں اثر دکھایا۔

روسو
(Rousseau)

پیدائش 1712ء   ملک: فرانس   کتاب: Social Contract

پس منظر

فرانس میں مطلق العنان بادشاہ ظلم و جبر کے ساتھ عوام کو اپنے شکنجے میں جکڑے ہوئے تھے اور وہ آزادی، مساوات اور جمہوریت کے لیے انقلاب لانے کے لیے کوشاں تھے۔ ایسے میں روسو نے اپنی تحریروں کے ذریعے انقلاب کی راہ ہموار کی۔ انقلاب فرانس 1789ء کی کامیابی میں روسو کی تحریروں کو بڑا عمل دخل حاصل تھا۔ روسو نے انسانی حقوق، آزادی اور مساوات کے لیے جدوجہد کی۔

تنقیدی جائزہ

اگرچہ تینوں مفکرین نے ریاست کی ابتدا کے بارے میں معاہدہ عمرانی کے نظریہ کو صحیح گردانا لیکن تینوں کے زاویے، تفاصیل اور مقاصد مختلف تھے۔ اُن کے فلسفیانہ نکات میں بڑا تضاد تھا۔ تینوں مفکرین نے اس فلسفے کو اپنے اپنے مقاصد کے حصول کے لیے اپنے اپنے انداز میں پیش کیا۔ ہابز کے نزدیک قدرتی حالت کا زمانہ بدامنی، افراتفری اور انتشار کا دور تھا۔ لاک کے نزدیک یہ دور بڑا خوشگوار تھا اور روسو کے لیے یہ دور جنت سے کم نہ تھا۔ اس کے علاوہ معاہدے کی نوعیت اور فریقین کے متعلق بھی تینوں مفکرین متضاد آرا رکھتے ہیں۔

سر ہنری مین کا خیال ہے کہ قدیم معاشرے میں افراد پر خاندان کا بہت سخت کنٹرول تھا۔ لہٰذا اگر ایسا کوئی معاہدہ ہوا تھا تو افراد کے درمیان نہیں بلکہ خاندانوں کے درمیان ہو سکتا تھا۔

لاک اور روسو کا خیال ہے کہ حکومت اگر معاہدے کی پابندی نہ کرے تو عوام کو بغاوت کرنے کے وسیع اختیارات حاصل ہیں۔ لہٰذا گرین، ڈیوڈ ہیوم اور بینتھم جیسے مفکرین اس نظریے کو خطرناک قرار دیتے ہیں کیونکہ یہ سرکشی اور باغیانہ سرگرمیوں کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔

ریاست اور حکومت میں فرق

ریاست اور حکومت دو مختلف اصطلاحات ہیں۔ بعض فلسفیوں اور حکمرانوں نے دونوں کو ایک سے معنی دیے۔ انگریز فلسفی تھامس ہابز اور فرانسیسی حکمران لوئی XIV اسی خیال کے حامی تھے مؤخر الذکر کہتا تھا "کہ ریاست اور حکومت میں کوئی فرق نہیں ہے" جبکہ ریاست اور

حکومت میں نمایاں فرق ہے۔

1۔ حکومت، ایک عنصر

ریاست کے چار عناصر آبادی، علاقہ، حکومت اور اقتدار اعلیٰ ہیں۔ حکومت ان میں سے ایک عنصر ہے۔ یوں حکومت ریاست کا ایک جزو ہے۔

2۔ تنقید کا پہلو

ریاست ایک مقدس ادارہ ہے جس کا احترام لازم ہے۔ کسی فرد کو ریاست پر تنقید کا حق نہیں ہوتا۔ کوئی شہری اگر ریاست کی مخالفت کرتا ہے تو غدار کہلاتا ہے۔ حکومت کی خرابیوں کو آشکار کرنا اور تنقیدی رویہ اختیار کرنا ہر شہری کا بنیادی حق ہے۔ حکومت پر تنقید کرنے والوں کو غدار نہیں کہا جا سکتا۔

3۔ حکومت کی اطراز

ریاست ہر جگہ ایک ہی طرز میں پائی جاتی ہے۔ لیکن حکومت کی شکلیں مختلف ممالک میں مختلف ہیں۔ بادشاہت، آمریت، اشرافیہ، جمہوریت، پارلیمانی نظام، صدارتی نظام اور متعدد کئی اقسام دنیا کے مختلف ممالک میں رائج ہیں۔ حکومت کی مختلف اطراز کے خدوخال جداگانہ ہیں جب کہ ریاستیں دنیا بھر میں یکساں صورت میں قائم ہیں۔

4۔ رُکنیت

حکومت کی رکنیت اس کے تین شعبوں، مقننہ، انتظامیہ اور عدلیہ سے وابستہ افراد تک محدود ہے۔ ریاست ایک وسیع ادارہ ہے اور اس کے تمام شہری ریاست کے ارکان شمار ہوتے ہیں۔ حکومت محدود اور ریاست وسیع صورت کی حامل ہے۔

5۔ ایک ریاست میں کئی حکومتیں

پاکستان میں ایک وفاقی اور چار صوبائی حکومتیں ہیں۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں ایک وفاقی اور 50 یونٹوں کی حکومتیں ہیں۔ یوں ایک ریاست میں کئی حکومتیں بیک وقت وجود رکھتی ہیں۔

6۔ حکومتی تبدیلیاں

حکومت ہمیشہ ایک نہیں رہتی۔ جمہوریت میں بالخصوص حکومتی تبدیلیاں آتی رہتی ہیں۔ انتخابات میں جیتنے والی سیاسی جماعت حکومت بناتی ہے اور اگر مقننہ کے ارکان کی اکثریت کی حمایت اُسے حاصل نہ رہے تو مستعفی ہو کر نئی حکومت کے لیے جگہ خالی کر جاتی ہے۔ ریاست اس کے برعکس عموماً ایک ہی شکل میں مسلسل قائم رہتی ہے۔ ریاست میں تبدیلی آ سکتی ہے لیکن یہ بہت ہی کم ہوتا ہے جیسے 1971ء میں پاکستان دو ریاستوں میں تقسیم ہو گیا۔

7۔ اقتدار اعلیٰ

ریاست کا وجود اقتدار اعلیٰ کے بغیر ممکن نہیں ہوتا۔ اقتدار اعلیٰ وہ اعلیٰ اختیار ہے جو ریاست کو بیرونی دباؤ سے آزاد رکھتا ہے اور اندرونی طور پر تمام اداروں اور افراد پر حاوی ہوتا ہے۔ حکومت سے اقتدار اعلیٰ کا تعلق نہیں ہوتا۔ حکومت اقتدار اعلیٰ کے بغیر بھی بنائی جا سکتی ہے۔

جیسے صوبائی حکومت مرکز کے اقتدار اعلیٰ کے تابع ہوتی ہے اور اس کا اپنا اقتدار اعلیٰ نہیں ہوتا۔

8- شہریوں کے حقوق

حقوق عطا کرنا ریاست کا کام ہے۔ حکومت کا ان سے تعلق نہیں ہوتا۔ ریاست حقوق دیتی بھی ہے، سلب اور معطل بھی کر سکتی ہے۔ دستور کی رو سے حقوق ریاست کی جانب سے شہریوں کو ملتے ہیں۔

9- علاقہ

حکومت کا قیام علاقے کے بغیر بھی ممکن ہوتا ہے۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران مغربی یورپ کے کئی ممالک کی حکومتیں لندن میں کام کرتی رہیں حالانکہ ان کی اپنی ریاستوں کے علاقوں پر جرمنی کا قبضہ ہو چکا تھا۔ جلاوطن حکومت کا تصور موجود ہے جو علاقے کے بغیر بھی نظر آتی ہے۔ ریاست کو علاقے کے بغیر تسلیم نہیں کیا جاتا۔

ریاست اور معاشرہ میں فرق

ریاست اور معاشرہ ایک دوسرے سے بالکل مختلف تصورات ہیں۔ دونوں کی ابتدا ارتقاء اور خصوصیات جدا ہیں۔ قدیم یونانی مفکرین کے نزدیک ریاست اور معاشرہ میں کوئی فرق نہ تھا۔ وہی افراد جو معاشرے کی رکنیت رکھتے ہیں ریاست کے بھی باشندے تھے۔ قدیم دور میں شہری ریاستیں تھیں۔ ہر ریاست ایک آبادی پر مشتمل تھی اور آبادی ایک مکمل معاشرہ بھی سمجھی جاتی تھی۔ بعد ازاں ریاست کی حدود میں وسعت پیدا ہوتی گئی تو ریاست معاشرے سے مختلف ادارہ بن گئی۔ آج دونوں واضح طور پر الگ الگ پہچان رکھتے ہیں۔

1- حکومت

ریاست کا وجود حکومت کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ حکومت ریاست کے چار عناصر میں سے ایک ہے۔ معاشرہ میں حکومت کی کوئی گنجائش نہیں۔ یہ اپنا وجود قائم رکھنے کے لیے حکومت کا محتاج نہیں ہے۔ حکومت ختم ہو جائے تو ریاست قائم نہیں رہتی۔ حکومت ریاست کی حدود کے اندر انتظام و انصرام کی ذمہ دار ہوتی ہے نیز ریاست کی حدود کو غیر ملکی حملوں سے محفوظ رکھتی ہے۔

2- علاقہ

حکومت کی طرح علاقہ بھی ریاست کے وجود کے لیے لازم ہے۔ اگر علاقہ نہ ہو تو ریاست وجود ہی نہیں پا سکتی۔ معاشرہ کے لیے مخصوص علاقہ کا ہونا ضروری نہیں۔ معاشرہ کی سرحدیں کوئی نہیں ہوتیں۔ یہ اپنا اثر پھیلاتا چلا جاتا ہے۔ نقشے پر ہم لکیر نہیں کھینچ سکتے کہ کوئی معاشرہ اس جگہ سے شروع ہو کر اس جگہ تک پھیلا ہوا ہے۔

3- اقتدار اعلیٰ

معاشرہ کو اقتدار اعلیٰ حاصل نہیں ہوتا۔ یہ اقتدار اعلیٰ کے بغیر اپنا وجود قائم رکھتا ہے۔ اس کے برعکس ریاست کا قیام اقتدار اعلیٰ کا متقاضی ہے۔

4- رضا کارانہ بنیاد

ریاست کی رکنیت لازمی ہے۔ایک وقت میں ایک ریاست کی رکنیت رکھنا فرد کے لیے بنیادی شرط ہے۔معاشرہ کے حوالے سے ایسی شرط ضروری نہیں۔کوئی فرد کسی بھی معاشرے سے وابستہ نہ ہونا چاہے تو وہ ایسا کر سکتا ہے وہ جب چاہے کسی معاشرے کا رکن بن سکتا ہے اور جب چاہے رکنیت ترک کر سکتا ہے۔یہ خالص رضا کارانہ تنظیم ہے۔

5- رسوم ورواج اور قانون

معاشرہ کا نظام رسوم ورواج کے بل بوتے پر چلتا ہے۔معاشرے میں پائی جانے والی مشترکہ عادات کو رسوم ورواج کہا جاتا ہے۔ان پر عمل نہ کرنے والے فرد کے خلاف پولیس کاروائی نہیں کرتی ۔دوسری جانب ریاست کی قوت کا دارومدار قانون پر ہے جو بڑے غوروخوض کے بعد عموماً تحریری شکل میں تیار کیا جاتا ہے۔قانون کی خلاف ورزی کرنے والے افراد کو پولیس گھیرتی اور سزا دلواتی ہے۔ریاست کی جیلیں اور عدالتیں اسی مقصد کے لیے موجود ہیں۔

6- سزا کا انداز

ریاست ایسے فرد کو سزا دیتی ہے جو قانون شکنی کرتا ہے۔اُسے جیل میں ڈالتی ہے جب کہ معاشرہ کا سزا دینے کا تصور جدا ہے۔معاشرے کے رسوم ورواج کو نظر انداز کرنے والے انسانوں کا بائیکاٹ کیا جاتا ہے۔ان سے روابط منقطع کر لیے جاتے ہیں اور مجبور کیا جاتا ہے کہ رسوم ورواج کی پابندی کریں۔

7- برتر حیثیت

معاشرہ بہت مضبوط تنظیم ہے لیکن ریاست کو اس سے برتر حیثیت حاصل ہے۔معاشرے کے تمام ادارے ریاست کے تابع ہوتے ہیں۔ایسے رسوم ورواج پر عمل کرنا معاشرے کے لیے دشوار ہو جاتا ہے جو ریاستی قانون سے متصادم ہوں۔معاشرہ مختلف اداروں پر مشتمل ہوتا ہے۔ریاست اگرچہ برتر ہوتی ہے مگر وہ ایسے قوانین تشکیل دینے سے گریز کرتی ہے جو معاشرتی قدروں کے منافی ہوں۔ریاست کے لیے ایسے قوانین پر عمل کرانا مشکل ہو جاتا ہے۔

8- ایک معاشرہ کئی ریاستیں

بعض ایسے معاشرے ہیں جو بیک وقت کئی ریاستوں میں پھیلے ہوئے ہیں جیسے مسلم معاشرہ۔دنیا کی پچاس کی لگ بھگ ریاستوں میں اسلامی معاشرہ قائم ہے۔اسی طرح ایک ریاست میں کئی معاشرے وجود رکھ سکتے ہیں جیسے دیہی اور شہری معاشرہ۔

9- مقاصد میں تنوع

ریاست سیاسی مقاصد کے لیے بنائی گئی ہے لیکن معاشرہ کثیر المقاصد ہے۔یہ ثقافتی، مذہبی، تفریحی اور اخلاقی مقاصد کی تکمیل کے لیے کام کرتا ہے۔فرائض اور ذمہ داریوں کے حوالے سے معاشرہ کو کہیں زیادہ وسعت حاصل ہے۔

10- معاشرے کی قدامت

معاشرہ اس وقت سے قائم ہے جب سے حضرت انسان نے اپنی زندگی کا آغاز کیا۔انسان اور معاشرہ کی عمر برابر ہے۔اس لیے ہم

دیکھیں تو معاشرہ بہت ہی قدیم ہے۔ اس کے مقابلے پر ریاست کا قیام چند ہزار سال پہلے ممکن ہوا، ریاست تو درحقیقت معاشرے کی پیداوار ہے اور معاشرے کی ضروریات کے لیے بنائی گئی ہے۔

11- ٹھوس نظم ونسق

ریاست کی تنظیم ٹھوس ہے۔ اس کے شعبے مستقل اور مربوط ہیں۔ معاشرہ تو رضا کارانہ انداز کا مالک ہے۔ اس کے ادارے زیادہ ٹھوس نہیں ہیں۔ یہ کئی اداروں کا مجموعہ ہے۔ اور ان میں بعض زیادہ منظم شکل کے حامل نہیں ہیں۔

ریاست اور قوم میں فرق

1- ایک ریاست میں ایک سے زیادہ قومیں

ایک ریاست میں عموماً ایک ہی قوم بستی ہے جیسے پاکستان میں پاکستانی قوم، انگلستان میں انگریز اور فرانس میں فرانسیسی قوم کبھی کبھی کسی ریاست میں قومیتیں قوم بن جاتی ہیں جیسے بھارت میں کشمیری قوم ایک الگ قوم ہے جو آزادی کے لیے جدوجہد کر رہی ہے۔ آسام، تری پورہ، میزورام اور دیگر علاقوں میں مختلف قومیں تشکیل پا چکی ہیں۔

2- اقتدار اعلیٰ

ریاست کی تشکیل اقتدار اعلیٰ کے بغیر ممکن نہیں۔ یہ ریاست کا لازمی عنصر ہے۔ قوم کو اقتدار اعلیٰ حاصل نہ ہو پھر بھی قوم کہلاتی ہے۔ دنیا میں کئی اقوام نے آزادی کی جدوجہد کی اور بالآخر اپنی ریاست پالی۔ بعض قومیں اب بھی کوشش میں مصروف ہیں۔ فلسطینی اور کشمیری ایسی ہی اقوام ہیں۔ جنہیں اقتدار اعلیٰ ابھی حاصل نہیں ہے۔

3- حکومت

اقتدار اعلیٰ کی طرح حکومت بھی ریاست کا لازمی حصہ ہے۔ ریاست میں حکومت نہ ہو تو یہ نامکمل سمجھی جاتی ہے۔ قوم کے لیے حکومت قائم کرنا لازمی نہیں۔ غیر ملکی قابض افواج کی موجودگی میں اپنے ہی علاقے میں کوئی قوم اقتدار اعلیٰ اور حکومت دونوں سے محروم کر دی جاتی ہے لیکن اس کے باوجود وہ قوم رہتی ہے۔

4- ریاست اور قانون

ریاست ایک مخصوص علاقے میں عوام کے منظم طور پر رہنے کا نام ہے۔ قانون ریاست کے اندر نظم ونسق قائم کرنے کے لیے بنایا جاتا ہے۔ ریاست کا تصور قانون کی موجودگی میں مکمل ہوتا ہے۔ قوم کے لیے ایک قانونی ڈھانچہ ترتیب دینا لازمی نہیں۔

5- چار عناصر

ریاست چار عناصر کا مجموعہ ہے یعنی آبادی، حکومت، علاقہ اور اقتدار اعلیٰ۔ قوم کے لیے آبادی تو ضروری ہے لیکن یہ علاقے، حکومت اور اقتدار اعلیٰ کے بغیر بھی مکمل سمجھی جاتی ہے البتہ یہ ان تینوں عناصر کے لیے کوشاں رہتی ہے۔ جب ایسا ہو جائے تو قوم ایک ریاست کی مالک بن جاتی ہے۔

ریاست کا اسلامی تصور

اسلام ایک مکمل نظام ہے جو انسانوں کی سیاسی، معاشی، معاشرتی، خاندانی، ذاتی اور مذہبی ضرورتوں کی تکمیل کرتا ہے۔ یہ محض مذہب نہیں ایک بھرپور دین ہے۔ ایک نظام جو انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے۔ اسلامی معاشرہ کی قدروں کا تعین بھی کرتا ہے اور سیاسی نظام کے خدوخال بھی پوری طرح واضح کرتا ہے۔ ریاست کا اسلام میں بڑا ہی واضح تصور پایا جاتا ہے۔ انگریزی لفظ سٹیٹ (State) کے لیے ریاست کا ترجمہ بہت ہی موزوں ہے۔

اسلامی ریاست کی تعریف

حضرت شاہ ولی اللہ: ''اہل مدینہ ایسے افراد کا گروہ ہے جو ایک مخصوص علاقے میں رہتے ہوں۔ اُن کی اپنی حکومت ہو اور وہ اپنے علاقے میں بیرونی دباؤ سے پوری طرح آزاد ہوں''۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کی دی گئی ریاست کی تعریف مکمل ہے اور اس تعریف کے مطابق ریاست کے چار عناصر ہیں۔ ☆ آبادی ☆ علاقہ ☆ حکومت ☆ اقتدار اعلیٰ۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ اور ڈاکٹر گارنر کی تعریفیں بڑی حد تک ملتی جلتی ہیں۔ تاہم ان چار عناصر کی تشریح اسلامی نقطۂ نظر سے کافی مختلف کی جاتی ہے۔ اسلامی نقطہ نظر سے ریاست کے درج ذیل عناصر ہیں۔

1- افراد

آبادی پہلا عنصر ہے اور ظاہر ہے کہ افراد کے بغیر ریاست کا وجود ممکن ہی نہیں ریاست قائم ہی افراد کے لیے ہوتی ہے۔ اسلامی ریاست کے باشندوں کی دو اقسام ہیں۔ مسلم باشندے اور غیر مسلم باشندے۔ غیر مسلموں کو ذمی کہا جاتا ہے اور اُن کا مقام اسلامی ریاست اور معاشرے میں مختلف ہوتا ہے۔ وہ جزیہ دیتے ہیں اور اُن کی جان اور مال کی حفاظت کرنا اسلامی ریاست کے حاکم کا فرض ہوتا ہے۔ مسلمان باشندے زکوۃ دیتے ہیں۔ غیر مسلم سربراہ مملکت نہیں بن سکتا اور نہ ہی اہم پالیسی ساز اداروں کی رکنیت اُسے حاصل ہوتی ہے۔ افراد کی آبادی کے حوالے سے کوئی واضح اصول نہیں اپنایا گیا۔ لوگوں کی بہبود کو ریاست مدنظر رکھتی ہے۔ اُن کی بنیادی ضرورتوں کی تکمیل ریاست کا فرض ہے۔ باشندہ مسلم ہو یا غیر مسلم ہر ایک کی زندگی ریاست کے پاس مقدس امانت ہے۔ قانون کی نظر میں کوئی امتیاز نہیں برتا جاتا۔

2- علاقہ

اسلامی ریاست کے لیے علاقہ ہونا لازمی قرار پایا ہے۔ علاقے کے بغیر ریاست کا تصور پورا نہیں ہوتا۔ اسلامی ریاست میں وسیع سے وسیع تر علاقے کی شمولیت کو پسند کیا جاتا ہے۔ اسلام ایک منصفانہ اور مکمل ترین نظام ہے۔ ضروری ہے کہ اسے دنیا کے زیادہ سے زیادہ حصوں میں متعارف کرایا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی نظریہ کے فروغ پر خصوصی طور پر زور دیا جاتا ہے۔ دنیا بھر میں غیر اسلامی نظاموں کی جگہ اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا نظام لایا جائے تو انصاف اور مساوات کے دروازے کھل سکتے ہیں اسلامی ریاست کے علاقے میں جتنی وسعت ہوگی، نظام اسلام اتنا ہی مضبوط اور موثر بنتا جائے گا۔

3- حکومت

حکومت وہ ادارہ ہے جو ریاست کے اندر نظم و نسق چلاتا اور ضبط قائم رکھتا ہے۔ حکومت کے تین فرائض شمار کیے جاتے ہیں۔

1- قانون سازی 2- انتظامی 3- عدالتی

اسلامی نظام جمہوریت کے تمام تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل درآمد کیا جاتا ہے اور عوام براہ راست یا اپنے نمائندوں کے ذریعے قانون بناتے اور اُس پر عمل درآمد کرتے ہیں۔ اسلامی ریاست میں حکومت کا ایک شعبہ مقننہ ہے جو بدلتے ہوئے حالات اور ضرورتوں کے پیش نظر قانون بناتا ہے۔ قانون بنانے میں یہ مطلق العنان نہیں ہوتا۔ یہ قرآن پاک، سنت اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں قوانین کو ترتیب دیتا ہے۔ ان سے متصادم کوئی قانون نہیں بنایا جاسکتا انتظامیہ کے فرائض امیر المومنین ادا کرتا ہے۔ ہم اُسے صدر یا وزیر اعظم بھی کہہ سکتے ہیں۔ وہ اپنی مجلس شوریٰ کی رائے کے ساتھ انتظامی فیصلے لیتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پیروی کا پابند ہے۔ وہ مختار کل نہیں۔ اپنے افعال کے لیے وہ اللہ تعالیٰ اور عوام کو جواب دہ ہے۔ اسلام میں عدالتی فرائض انجام دینے کے لیے قاضی مقرر کیے جاتے ہیں۔ جو قرآن و سنت کے اصولوں سے پوری طرح بہرہ ور ہوتے ہیں۔ عدلیہ آزاد اور بااختیار ہوتی ہے۔ وہ امیر المومنین یا مجلس شوریٰ کے دباؤ سے بے نیاز ہو کر انصاف کرتی ہے۔ یہاں تک کہ عدلیہ کو امیر المومنین کو اپنے ہاں طلب کرنے کا اختیار ہوتا ہے

4- اقتدار اعلیٰ

اسلامی ریاست میں اقتدار اعلیٰ کا مالک خدائے بزرگ و برتر ہے جو ہر شے پر قادر ہے اور جس کی منشاء کے بغیر کوئی کام نہیں ہوسکتا۔ امیر المومنین یا مجلس شوریٰ کو اقتدار اعلیٰ حاصل نہیں ہوتا۔ وہ پابند ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق اپنے فرائض ادا کریں۔ پاکستان ایک اسلامی مملکت ہے جس کے دستور میں واضح کیا گیا ہے کہ اقتدار اعلیٰ رب ذوالجلال کو حاصل ہے اور اس کا استعمال پاکستان کے عوام اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ایک امانت سمجھتے ہوئے کرتے ہیں۔ مقتدر اعلیٰ خود اللہ تعالیٰ ہے۔ امیر المومنین اُس کے حکم کا پوری طرح پابند ہے۔ مغربی دنیا میں عوام یا پارلیمنٹ کو مقتدر اعلیٰ قرار دیا گیا ہے۔ اسلام میں فرد کے اقتدار اعلیٰ کا بالکل کوئی تصور نہیں ہے۔

5- تھیوکریسی (پاپائیت) کی نفی

اسلامی ریاست میں تھیوکریسی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ایک دور تھا جب یورپ کے کئی ممالک میں پادریوں کو اقتدار اعلیٰ میں اجارہ داری حاصل تھی۔ اسلام میں اس کا کوئی تصور نہیں۔

6- قومی ریاست کی نفی

اسلامی ریاست قومی ریاست سے بہت مختلف تصور ہے۔ اسلامی ریاست میں کسی مخصوص نسل، گروہ، زبان یا کلچر سے وابستہ لوگوں کی حکومت کو کوئی مقام نہیں ملتا۔ مغرب میں نسلی اور علاقائی بنیادوں پر قومی ریاستوں کے قیام کا خیال بہت پسند کیا جاتا ہے۔ اسلام اس کا بالکل قائل نہیں۔ اسلامی ریاست کی بنیاد عقیدہ ہے۔ مسلمانوں کے لیے وطن کا تصور پسند نہیں کیا گیا۔ بقول اقبالؒ "مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا"۔

7- فلاحی مملکت

اسلامی ریاست ایک فلاحی ریاست ہے جس میں عوام کی بنیادی ضرورتوں کی تکمیل ریاست کی ذمہ داری ہے۔ مساوات، انصاف، رواداری، جمہوریت اور معاشرتی بہبود کے تقاضے پورے کرنا اسلامی ریاست کا فرض ہے۔ عوام کے معاشی حالات کو بہتر بنانا، معیار زندگی کو بلند کرنا، بھوک و افلاس سے چھٹکارا دلانا، ذرائع روزگار مہیا کرنا اور دولت کی منصفانہ تقسیم کرنا اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے۔ اس لیے کہا جاتا ہے کہ اسلامی ریاست فلاحی بنیادوں کو مضبوط کرتی ہے اور عوام کے دکھوں کا مداوا کرنا اس کا بنیادی فرض ہے۔

فلاحی ریاست

(Welfare State)

ریاست کے مقاصد کیا ہیں؟ کیوں وجود میں آئی؟ ان سوالوں کے حوالے سے مفکرین نے اپنے اپنے تصورات پیش کیے ہیں۔

☆ کچھ کہتے ہیں کہ ریاست کا قائم ہونا بجائے خود ایک مقصد ہے، (مثالیت پسند)

☆ بعض کا خیال ہے کہ فرد کو زیادہ سے زیادہ ریاست کے کنٹرول سے آزاد رکھا جائے اور ریاست کم سے کم مداخلت کرے، (انفرادیت پسند)

☆ کچھ کہتے ہیں کہ ریاست افراد پر پوری طرح حاوی ہو، (اشتراکیت پسند)

مندرجہ بالا خیالات مفکرین کے مختلف گروہوں کے ہیں۔ مثالیت پسند ریاست کو زمین پر اللہ تعالیٰ کا مظہر مانتے ہیں تو انفرادیت پسند اسے ایسی برائی قرار دیتے ہیں جو بڑی بُرائیوں کے خاتمے کے لیے ضروری ہے۔ یہ بحث صدیوں سے جاری رہی۔ مدتوں حکمران ریاست پر چھائے رہے اور عوام پر ظلم و ستم ہوتا رہا۔ انیسویں اور بیسویں صدی میں ریاست کے کنٹرول کو کم سے کم کرنے کے لیے تحریکیں چلائی جاتی رہیں۔ ریاست کا مقصد متعین کرنے کے لیے کئی نئے نظریات بھی سامنے آئے، ایک طویل بحث کے بعد اب مفکرین کی بڑی تعداد اس نقطہ پر متفق ہوتی نظر آتی ہے کہ ریاست عوام کی بھلائی کے لیے بنی ہے۔ یہ بات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے بھی پہلے ارسطو نے کہا تھا۔

" ریاست بنائی گئی تا کہ انسان کی بنیادی ضرورتیں پوری ہو سکیں اور جاری رکھی گئی ہے تا کہ انسان بہتر زندگی گزار سکے"۔ ارسطو کے نظریہ کو بالآخر پذیرائی حاصل ہوئی اور آج ریاست ایک مثبت، مفید اور بہت ضروری ادارہ مانی جاتی ہے جو بنی نوع انسان کے دکھوں کا مداوا کر رہی ہے۔ آج کہا جاتا ہے کہ ریاست فلاحی مقاصد کے لیے وجود رکھتی ہے۔

لاسکی: "فلاحی ریاست ایک ایسی تنظیم ہے جو بہت بڑے پیمانے پر معاشی فلاح و بہبود کو حاصل کرنے کا ذریعہ بنتی ہے"

کانٹ "فلاحی ریاست شہریوں کو معاشرتی کاموں کا ایک وسیع حلقہ فراہم کرتی ہے"

جدید دور میں ریاست سے محض جنگ و جدل کا کام نہیں لیا جاتا اور نہ ہی شاہی خاندان کی فتوحات کے شوق کو پورا کرنے کے لیے قائم ہے بلکہ یہ زیادہ سے زیادہ انسانوں کی زیادہ سے زیادہ خوشی کے حصول کا ذریعہ ہے۔ اسے عوامی فلاح و بہبود کے بارے میں ہر دم کوشاں رہنا چاہیے۔

فلاحی ریاست کے خدوخال

1- دولت کی منصفانہ تقسیم

فلاحی ریاست میں وسائل پر کسی مخصوص گروہ کی اجارہ داری کو ختم کیا اور دولت کو زیادہ سے زیادہ افراد میں منصفانہ طور پر تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ امراء اور غرباء کے درمیان پائے جانے والے فرق کو بتدریج کم کیا جاتا ہے اور قدرت کی نعمتوں سے زیادہ سے زیادہ افراد کو بہرہ ور ہونے کے مواقع فراہم کیے جاتے ہیں۔

2- جمہوری نظام

ریاست عوام کی بھلائی پر اُسی صورت توجہ دے سکتی ہے اگر اقتدار کا سرچشمہ عوام ہوں۔ عوام براہ راست یا اپنے نمائندوں کے ذریعے حکومت کا سارا نظام چلائیں۔ عوام کے ووٹوں سے منتخب ہونے والے نمائندے اپنے آپ کو عوام کا خادم سمجھیں۔ وہ اپنی کارکردگی کے حوالے سے عوام کے سامنے جواب دہ ہوں جمہوریت میں انتخابات ہوتے رہتے ہیں۔ اگلے انتخابات میں عوام سے ووٹوں کا تقاضا کرنے صرف ایسے لوگ ہی جا سکتے ہیں جنھوں نے اپنے دورِ اقتدار میں اُن کا پوری طرح خیال رکھا ہو۔

3- عوامی فلاح و بہبود

فلاحی ریاست میں سب سے اہم مقصد عوام کی بھلائی کے لیے کام کرنا ہے۔ ریاست ظلم اور جبر کی بجائے خدمت اور ترقی کے لیے کام کرے۔ ریاست کا فرض اولین ہے کہ عوام کو زیادہ سے زیادہ مسرتیں مہیا کرے۔ انھیں ترقی کے مواقع دے اور اُن کی سہولتوں کے لیے ہر ممکن اقدام اٹھائے۔

4- ذرائع روزگار

ریاست عوام کی اجتماعی بہبود چاہتی ہے اور اپنے وسائل کے بل بوتے پر زیادہ سے زیادہ لوگوں کے لیے ذرائع روزگار پیدا کرتی ہے۔ عوام کی روزی کا بندوبست کرنا ایک اچھی ریاست کی اہم ذمہ داریوں میں سے ایک ہے۔ اس مقصد کے لیے وہ صنعتوں کے قیام، زرعی ترقی اور دیگر شعبوں میں ترقی کے لیے کوشاں رہتی ہے تاکہ محنت کش عوام کو کرنے کے لیے کام مل سکے۔

5- بنیادی ضروریات زندگی

عوام کی تین اہم اور بنیادی ضرورتیں ہوتی ہیں۔ وہ خوراک، لباس اور رہنے کے لیے چھت چاہتے ہیں۔ ان تینوں ضرورتوں کی طرف سب سے پہلے فلاحی ریاست توجہ دیتی ہے۔ حکومت ایسے اقدام اٹھاتی ہے کہ ریاست میں نہ کوئی بھوکا رہے نہ ننگا اور نہ ہی کھلے آسمان تلے سونے پر مجبور ہو۔

6- منصوبہ بندی

ریاست اجتماعی ترقی کے لیے مرکزی کردار ادا کرتی ہے۔ وہ شہریوں سے محصولات لے کر کثیر رقوم بناتی ہے اور پھر ان رقوم کو اجتماعی ترقی کے کاموں پر خرچ کرتی ہے۔ اس کے لیے سالانہ میزانیہ بنایا جاتا ہے اور لمبی مدت کے منصوبے بھی ترتیب دیے جاتے ہیں۔ زراعت، صنعت، جنگلات، معدنیات، سڑکیں اور دیگر ذرائع آمد و رفت ترقی پاتے ہیں۔ منصوبہ بندی کے تحت ان تمام شعبوں پر سرمایہ خرچ کیا جاتا

ہے اور عوام کو سہولتیں بہم پہنچائی جاتی ہیں۔

7- آمدن میں اضافہ

فلاحی ریاست میں حکومت کی کوشش ہوتی ہے کہ فی کس سالانہ آمدن اور قومی آمدن میں اضافہ ہوتا کہ عوام بہتر سہولتوں کو حاصل کرنے میں دشواری محسوس نہ کریں۔ ریاست خیال رکھتی ہے کہ غیر ممالک سے تجارت میں خسارہ نہ ہو۔ ادائیگیوں کا توازن ٹھیک رہے نیز ریاست میں زرمبادلہ کے ذخائر کی مقدار مسلسل بڑھتی رہے۔

8- بنیادی حقوق

شہریوں کے بنیادی حقوق کے تحفظ کا عدالتوں کے ذریعے اہتمام کیا جاتا ہے۔ شہریوں کو معاشرتی، معاشی، شہری، مذہبی، سیاسی اور ثقافتی حقوق کی فراہمی کو یقینی بنایا جاتا ہے۔ بنیادی حقوق اور آزادیاں افراد کو خوش گوار ماحول مہیا کرتی ہیں اور ان کا دھیان رکھنا فلاحی ریاست کا فرض ہے۔

9- عزت وآبرو کا تحفظ

ہر شہری چاہتا ہے کہ وہ اور اُس کے اہل خانہ محفوظ زندگی گزاریں اُن کی جان، عزت اور مال پر کوئی حرف نہ آئے۔ اس مقصد کے لیے ریاست ایک وسیع انتظامی مشینری ترتیب دیتی ہے۔ پولیس اور دیگر فورسز کو چوکنا رکھتی ہے۔ سماج دشمن عناصر کی سرکوبی کرتی ہے اور معاشرے کے تمام طبقات اور افراد کو پر سکون ماحول میں جینے کا سامان مہیا کرتی ہے۔

10- معیارِ زندگی

ہر فرد کو نہ صرف اُس کی ضرورتیں ملنی چاہئیں بلکہ ان کے لیے کم سے کم معیار کا تعین ہو۔ اچھی اور متوازن خوراک، موسم کے مطابق اچھے لباس اور رہائش کے لیے تمام ضرورتوں سے بھرپور گھر میسر آئے۔ زندگی اچھی طرح بسر کرنے کے لیے مواقع فراہم ہوں۔ محض جینا نہیں بلکہ اچھے انداز میں جینے کا اہتمام ہو۔

11- صحت وتعلیم کے مواقع

فلاحی ریاست میں ہسپتال، ڈسپنسریاں، میڈیکل کالج، نرسوں کی تربیت کے ادارے، سستی اور معیاری دوائیں۔ اور لیبارٹریاں موجود ہوتی ہیں۔ علاج کی سہولتیں زیادہ بھی ہوں اور سستی بھی ہوں۔ اسی طرح سکول، کالج، یونیورسٹیاں، لائبریریاں اور انسٹی ٹیوٹ وغیرہ قائم ہوں جہاں لوگ تعلیم کے حصول کے لیے جاسکیں۔ پرائمری تعلیم مفت اور لازمی ہو اور اعلیٰ تعلیم کے لیے مناسب اور سستے مواقع موجود ہوں۔ تعلیم دولت کے ذریعے خریدنے کا رواج نہ ہو بلکہ میرٹ پر آنے والے طلبہ وطالبات کو حکومت وسائل عطا کرے کہ وہ تعلیم حاصل کرسکیں۔

12- صحت بخش ماحول

فلاحی ریاست پارک، باغ، کھیل کے میدان اور دیگر تفریحی مقامات کا بندوبست عوام کے لیے کرتی ہے۔ ماحول آلائشوں اور گندگی سے پاک ہو۔ ماحولیات کی طرف ریاست خصوصی توجہ دے اور خوش گوار فضا عوام کو فراہم کرے۔ مستقبل میں بہتر قوم پیدا کرنے کے لیے یہ اقدام ہر فلاحی ریاست میں اٹھائے جاتے ہیں۔

13- عدلیہ کی آزادی

فلاحی ریاست میں عوام کے حقوق کا دھیان رکھا جاتا ہے۔ انہیں دستوری تحفظ حاصل ہوتا ہے اور اگر کسی شہری کا کوئی حق ضائع جاتا ہے تو وہ عدلیہ کی طرف رجوع کر سکتا ہے۔ عدلیہ آزاد، خود مختار اور باوقار بنائی جاتی ہے تا کہ لوگوں کو انصاف مل سکے۔ جرم کی بیخ کنی کی کوشش پولیس کرتی ہے۔ اور عدلیہ سے مجرموں کو سزا دلواتی ہے۔

فلاحی ریاست کا اسلامی تصور

اسلامی ریاست پورے اسلامی نظام حیات کا جزو ہے۔ یہ ایک مکمل اسلامی معاشرے کے قیام میں معاونت کرنے والا ادارہ ہے۔ ریاست اور حکومت کی مدد کے ساتھ اسلامی ریاست میں تہذیب و ثقافت کو بھرپور طور پر متعارف کرایا جا سکتا ہے۔ عوام کی فلاح و بہبود کو اسلامی ریاست میں خصوصی ترجیح دی جاتی ہے۔ اُن کے لیے خوشگوار ماحول کی فراہمی ریاست کا اہم فریضہ ہے۔ اسلام ایک مکمل ضابطہ ہے اور اسلامی ریاست دنیاوی، دینی اور اُخروی زندگی کے لیے مسلمانوں کو صحیح راہیں اختیار کرنے کی ترغیب دیتی ہے۔ ایسا ماحول تشکیل دیتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو صحیح سانچے میں ڈھال سکیں اور دونوں جہانوں میں سرخرو ہوں۔ اسلامی ریاست میں فلاح و بہبود کے حوالے سے درج ذیل خدوخال نمایاں رہتے ہیں۔

1- طبقاتی اونچ نیچ کا خاتمہ

اسلامی ریاست میں انسانوں کو یکساں سطح پر رکھا جاتا ہے۔ طبقاتی امتیاز کو ختم کر کے مساوات اور انصاف کے تصورات کو مضبوط شکل دی جاتی ہے۔ اسلامی ریاست میں رنگ، نسل، ذات پات اور زبان وغیرہ کے امتیازات روا نہیں رکھے جاتے۔ تمام افراد قانون کی نظر میں برابر ہوتے ہیں۔ امیر و غریب یا مسلم و غیر مسلم کا فرق ملحوظ رکھے بغیر قانونی تقاضے پورے کیے جاتے ہیں۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں آپ کا فرمان کہ اگر فاطمہؓ بھی چوری کرتیں تو اُن کو بھی ضرور سزا ملتی، اس امر کی دلیل ہے کہ معاشرے کے تمام لوگوں اور طبقات کے لیے ایک سا قانون رائج ہوتا ہے۔ ایسا قانون جس میں خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروقؓ کے بیٹے کا جرم و گناہ بھی قابل سزا قرار پاتا ہے اور کوڑے لگائے جاتے ہیں۔

2- خواتین کی حیثیت

خواتین کو وقار، احترام اور آبرو کے ساتھ زندہ رہنے اور مردوں کے ساتھ ساتھ اپنے حقوق طلب کرنے کا بنیادی حق اسلامی ریاست میں دیا جاتا ہے۔ انہیں وراثت میں حصہ ملتا ہے۔ وہ عائلی زندگی میں مرد کے مقابل اپنے حقوق پاتی ہے۔ انہیں کم تر اور مظلوم بنا کر نہیں رکھا جاتا۔ مردوں پر ذمہ داریاں عائد کی گئی ہیں کہ خواتین کی ضروریات پوری کریں اور انہیں عزت سے رہنے کا موقع دیا جائے۔ قرآن پاک خواتین کے حقوق کے حوالے سے بڑی واضح ہدایات دیتا ہے اور اسلامی ریاست میں حکومت کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ قرآن پاک کی روشنی میں خواتین کو ملنے والے درجے کا احترام کروائے۔

3- قانون کی حکمرانی

اسلامی ریاست میں قانون کو تمام افراد سے بالاتر رکھا جاتا ہے حتیٰ کہ خلیفۂ وقت کو بھی بطور ملزم یا گواہ قاضی کی عدالت میں طلب کیا

جا سکتا ہے۔ کوئی فرد اسلامی ریاست میں قانون سے بالاتر نہیں ہوتا۔ قانون سب کو ایک نظر سے دیکھتا ہے۔ مغربی دنیا میں سربراہ حکومت یا مملکت کو اس کے دورِ حکومت میں عدالت میں طلب نہیں کیا جاتا۔ اسلامی ریاست میں حاکمِ اعلیٰ کو یہ رعایت حاصل نہیں ہے۔ وہ قانون پر پوری طرح عمل کرنے کا پابند ہے۔

4- دولت کی منصفانہ تقسیم

اسلامی معاشرے میں مساوات اور انصاف کے فروغ کے لیے ضروری ہے کہ دولت کا ارتکاز نہ ہو۔ ریاست ایسے اقدامات اٹھاتی ہے کہ دولت پر چند خاندانوں کا کنٹرول نہ ہو جائے۔ عشر، زکوٰۃ، صدقات، جزیہ، وراثت اور دیگر اقدامات کی بدولت دولت چند ہاتھوں میں مرتکز نہیں ہوتی۔ اگر نظام پر پوری طرح عمل کیا جائے تو دولت کی تقسیم منصفانہ طور پر تمام لوگوں میں ہو جاتی ہے۔ غریب اور امیر کا فرق رفتہ رفتہ ختم ہوتا چلا جاتا ہے۔

5- غیر مسلموں کی حیثیت

غیر مسلموں اور مسلمانوں کے لیے انصاف کے دروازے برابر کھلے ہوتے ہیں۔ قانون غیر مسلم عوام کو بھی پورا پورا تحفظ فراہم کرتا ہے۔ وہ مملکت کی معاشی، تجارتی، معاشرتی اور سیاسی سرگرمیوں میں پورے طور پر شریک ہوتے ہیں۔ اگر کوئی پابندی ہے تو صرف یہ کہ غیر مسلموں کو اسلامی ریاست کا نہ سربراہ بنایا جاتا ہے اور نہ انھیں پالیسی ساز اداروں کی رکنیت سونپی جاتی ہے۔ معاشرتی طور پر غیر مسلم مساوی درجہ پاتے ہیں۔ وہ اپنے مذہبی اعتقادات پر پوری طرح عمل کر سکتے ہیں۔ عبادت گاہیں بنا سکتے ہیں اور اپنی نجی خاندانی زندگی اپنے مذہبی اصولوں کے مطابق گزار سکتے ہیں۔

6- عوامی ضروریات کی فراہمی

اپنے باشندوں کی بنیادی ضرورتیں مثلاً خوراک، لباس، رہائش، ذرائع آمدورفت، صحت اور تعلیم کی سہولتیں مہیا کرنا اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے۔ اس حوالے سے خواتین اور مردوں، مسلمانوں اور غیر مسلموں میں کوئی فرق روا نہیں رکھا جاتا۔ ہر فرد کی ضرورتوں کی تکمیل حکومت کرتی ہے۔ تمام ضرورت مند خاندانوں کی کفالت ریاست کرتی ہے۔ ایسے افراد اور خاندان جو کوئی ذریعہ روزگار نہ رکھتے ہوں، ریاست کی جانب سے گزارہ الاؤنس حاصل کرتے ہیں۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں ایک غیر مسلم بھیک مانگ رہا تھا۔ حکم دیا کہ اُس کا نام ایسے افراد کی فہرست میں شامل کر لیا جائے جو بیت المال سے وظیفہ پا رہے تھے۔ عدل و انصاف کے حوالے سے تمام شہریوں کو یکساں طور پر مستحق سمجھا جاتا ہے۔

7- حکومت کی ذمہ داریاں

حکومت کو اسلامی ریاست میں پابند کیا گیا ہے کہ وہ تمام باشندوں کے تحفظ، ضرورتوں اور سہولتوں کی فراہمی کا دھیان رکھے۔ حکومت میں شامل لوگ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ سمجھتے ہیں وہ عوام کے سامنے جواب دہ ہوتے ہیں اور عوام کے حقوق اُن کی امانتیں سمجھ کر ادا کرتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جس کا کوئی سرپرست نہیں، اُس کی سرپرست اسلامی حکومت ہے'' حضرت عمر فاروقؓ نے اعلیٰ روایات قائم کیں۔ وہ راتوں کو گلیوں میں عوام کا حال جاننے نکل جاتے اور جہاں کہیں ناانصافی دیکھتے تو فوری طور پر مناسب اقدام اُٹھاتے۔ اُن کا ایک فقرہ جس نے سارے موضوع کو پوری طرح واضح کر دیا کہ ''دریائے دجلہ کے کنارے کوئی

کتا بھی بھوک سے مر گیا تو اُس کی ذمہ داری مجھ پر ہوگی"

حکومت نے حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں رجسٹر مرتب کیے اور ضرورت مندوں کے نام درج کیے گئے۔ آج اگر اُس نمونہ کو اپنایا جائے تو اسلامی ریاست دنیا کی سب سے زیادہ مثالی فلاحی ریاست کی شکل اختیار کر سکتی ہے۔

8- انفرادی آزادیاں

ہر فرد کو اسلامی ریاست میں آزادی اور حقوق بہم پہنچائے جاتے ہیں۔ اُس کی نجی زندگی میں ریاست مداخلت نہیں کرتی اگر وہ اسلامی اصولوں پر پوری طرح عمل پیرا ہو۔ فرد کی ملکیت کا حق ریاست تسلیم کرتی ہے لیکن لازم ہے کہ جائیداد قانونی طریقوں سے کمائی گئی دولت سے خریدی گئی ہو۔ شہریوں میں ترقی کے مواقع بالکل برابر فراہم کرنے کی پالیسی اپنائی جاتی ہے اُس کے بعد کوئی فرد دوسروں سے برتر حیثیت اختیار کرلے اور اپنی محنت و قابلیت کی وجہ سے زیادہ آگے بڑھ جائے تو اُس کے درجے کا تحفظ اسلامی ریاست خود کرتی ہے۔

9- ناگہانی آفات

سیلاب، زلزلہ، قحط، بیماری اور دیگر ناگہانی آفات کا مقابلہ کرنے کے لیے عوام کو ریاست کی بھرپور مدد اور تعاون حاصل ہوتا ہے۔ حکومت اس کے لیے مناسب بندوبست کرتی ہے اور زیادہ سے زیادہ افراد کو تباہی و بربادی سے بچانے کی مکمل کوشش کرتی ہے۔

10- خوشحال معاشرہ

اسلامی ریاست خوشحال معاشرے کو ترتیب دینے کے لیے منصوبہ بندی کرتی ہے۔ امن و امان قائم کرتی ہے۔ عدل و انصاف فراہم کرتی ہے۔ تعلیم و صحت کا مناسب انتظام کرتی ہے۔ اخلاقی و معاشرتی بہبود کے تقاضے پورے کرتی ہے۔ علاقے میں آمدورفت کے ذرائع کو ترقی دیتی ہے۔ ذرائع روزگار کو بہتر بناتی ہے۔ زراعت، صنعت، تجارت، معدنیات اور ایسے ہی دیگر شعبوں کی ترقی کے لیے کوشاں رہتی ہے۔ یوں خوش حال معاشرے کی طرف عوام بڑھتے ہیں۔ اسلامی ریاست عوام کے معیارِ زندگی کو بلند کرتی ہے، دوسرے ممالک سے تجارتی تعلقات اور لین دین میں توازن پیدا کرتی ہے اور بین الاقوامی سطح پر بھی انصاف اور امن کے لیے کوشاں رہتی ہے۔

سوالات

حصہ اول

1- مختصر جوابات دیجیے۔

☆ ریاست کا تعارف بیان کیجئے۔

☆ انقلاب فرانس 1789ء کا پس منظر کیا ہے؟

☆ کیا حکومت کا قیام علاقے کے بغیر ممکن ہے؟

☆ ریاست اور معاشرہ قانون شکن افراد کو کیسے سزا دیتے ہیں؟

☆ اسلامی ریاست میں قوانین کیسے تشکیل پاتے ہیں؟

☆ لاسکی نے فلاحی ریاست کی کیا تعریف کی ہے؟

☆ ریاست کی اجتماعی ترقی کے لیے "منصوبہ بندی" کا کیا کردار ہے؟

☆ فلاحی ریاست کے اسلامی تصور میں غیر مسلموں کی حیثیت واضح کریں۔

☆ ناگہانی آفات سے کیا مراد ہے؟

☆ بنیادی انسانی ضروریات کون کون سی ہیں؟

☆ اسلامی ریاست قومی ریاست سے کیسے مختلف ہے؟

☆ اسلامی ریاست میں حکومت کے کون سے تین فرائض ہیں؟

☆ نظریہ معاہدہ عمرانی پہلی بار کب منظر عام پر آیا؟

☆ نظریہ قوت سے کیا مراد ہے؟

☆ ریاست کی ابتدا کے متعلق ڈاکٹر لیکاک کیا کہتے ہیں؟

حصہ دوم

2- ریاست کی تعریف کیجئے اور اس کے ضروری عناصر بیان کیجئے۔

3- درج ذیل کی وضاحت کیجئے۔

(ا) نظریہ تخلیق ربانی (ب) نظریہ قوت (ج) نظریہ پدرسری (د) نظریہ مادرسری

4- نظریہ معاہدہ عمرانی پر بحث کیجئے۔

5- ریاست کی تخلیق میں کن عوامل نے اپنا اپنا کردار ادا کیا ہے؟ وضاحت کیجئے۔

6- ریاست اور حکومت میں کیسے فرق کیا جا سکتا ہے؟

7- اسلامی ریاست کی تعریف کیجئے اور اس کے عناصر کا جائزہ لیجئے۔

8- فلاحی ریاست کے خدوخال بیان کیجئے۔

9- فلاحی ریاست کا اسلامی تصور تفصیل سے بیان کیجئے۔

10- ریاست اور معاشرہ ایک دوسرے سے بالکل مختلف تصورات ہیں۔ اس بیان کی روشنی میں ریاست اور معاشرہ میں فرق بیان کریں۔

حصہ سوم

■ ہر سوال کے چار جوابات دیئے گئے ہیں درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

1- خاندانوں اور دیہاتوں کا ایسا اجتماع جس میں افراد خود کفیل اور خوشیوں بھری زندگی گزاریں، کیا کہلاتا ہے؟

(الف) قوم (ب) طبقہ (ج) ملت (د) ریاست

2- حکومت (Government) کتنے شعبوں پر مشتمل ہوتی ہے؟

(الف) دو (ب) تین (ج) چار (د) پانچ

3- ریاست کی ابتداء کا یہ نظریہ درست قرار دیا جاتا ہے۔

(الف) نظریہ تخلیق ربانی (ب) معاہدہ عمرانی (ج) نظریہ تاریخی (د) نظریہ جبر

4- نظریہ معاہدہ عمرانی پیش کرنے والے مفکرین میں غیر متعلقہ مفکر کون سا ہے؟

(الف) تھامس ہابز (ب) لاسکی (ج) جان لاک (د) روسو

5- پاکستان میں کتنی صوبائی حکومتیں ہیں؟

(الف) دو (ب) تین (ج) چار (د) پانچ

6- ریاست کی یہ تعریف " اہل مدینہ ایسے افراد کا گروہ ہے جو ایک مخصوص علاقے میں رہتے ہوں، ان کی اپنی حکومت ہو اور وہ اپنے علاقے میں بیرونی دباؤ سے پوری طرح آزاد ہوں" کس مفکر نے کی ہے؟

(الف) ابن خلدون (ب) شاہ ولی اللہؒ (ج) علامہ اقبالؒ (د) امام غزالیؒ

7- مشہور مفکر جان لاک کی پیدائش کب ہوئی؟

(الف) 1632ء میں (ب) 1634ء میں (ج) 1636ء میں (د) 1638ء میں

8- کتاب سوشل کنٹریکٹ (Social Contract) کے مصنف ہیں۔

(الف) اوپن ہائم (ب) ابن خلدون (ج) نطشے (د) روسو

9- نظریہ پدرسری کو پیش کرنے والے مفکر کا نام ہے۔

(الف) ارسطو (ب) سر ہنری مین (ج) لوئی XIV (د) ہیگل

10- امریکہ کی کتنی ریاستیں ہیں؟

(الف) 60 (ب) 55 (ج) 50 (د) 45

11- انگلستان میں بادشاہ کی برتری کا قائل تھا۔

(الف) تھامس ہابز (ب) وڈرو ولسن (ج) گارنر (د) برجیس

12- افلاطون نے ایک مثالی ریاست کی آبادی کتنی مقرر کی ہے؟

(الف) 4040 (ب) 5040 (ج) 6040 (د) 7040

باب نمبر 4

اقتدارِ اعلیٰ

(Sovereignty)

اقتدارِ اعلیٰ یا حاکمیت کا مفہوم

اقتدارِ اعلیٰ یا حاکمیت انگریزی زبان کے لفظ (Sovereignty) کا ترجمہ ہے۔ (Sovereignty) لاطینی زبان کے لفظ (Superanus) سے نکلا ہے جس کے معانی برتر اور حاوی کے ہیں۔ اقتدارِ اعلیٰ ریاست کی روح ہے۔ اگر اقتدارِ اعلیٰ ختم ہو جائے تو ریاست بھی ختم ہو جاتی ہے۔ اقتدارِ اعلیٰ ریاست کا برتر، عظیم اور مطلق العنان اختیار ہے جس کی بدولت ریاست اپنے تمام باشندوں کو اپنے تابع رکھتی ہے اور اپنے علاقے کو دیگر علاقوں کے حکمرانوں کے دباؤ سے آزاد اور خودمختار بناتی ہے۔ اقتدارِ اعلیٰ کا تصور صدیوں سے چلا آ رہا ہے۔ قدیم یونانی فلسفیوں افلاطون اور ارسطو نے اپنی تحریروں میں اس اعلیٰ ترین اختیار کا ذکر کیا ہے۔ ارسطو اقتدارِ اعلیٰ کو ریاست کی عظیم اور برتر طاقت لکھتا ہے۔ مشہور عرب فلسفی ابن خلدون نے مقدمہ ابن خلدون میں ریاست کے برتر اختیار کی تفصیلاً بحث کی ہے۔ اقتدارِ اعلیٰ کا واضح اور مکمل خیال پہلی بار سولھویں صدی میں ایک فرانسیسی مفکر ژاں بودان نے اپنی تصنیف (Republica) میں کیا۔

اقتدارِ اعلیٰ کی تعریف (Definition of Sovereignty)

1۔ ارسطو: ''اقتدارِ اعلیٰ ریاست کی عظیم اور برتر طاقت ہے۔''

2۔ روسو: ''اقتدارِ اعلیٰ مطلق، قطعی، ناقابلِ تقسیم اور ناقابلِ انتقال اختیار کا نام ہے''

3۔ برجیس: ''مطلق العنان، لامحدود اور بنیادی قوت جو ریاست کے تمام باشندوں اور اداروں پر حاوی ہو''

4۔ ژاں بوداں: ''اقتدارِ اعلیٰ ریاست کا وہ اعلیٰ اختیار ہے جس پر کوئی پابندی نہ ہو''۔

5۔ ولوبائی: ''اقتدارِ اعلیٰ ریاست کی برتر مرضی کو کہتے ہیں۔''

6۔ جان آسٹن: ''اگر کوئی معین برتر فرد جو اپنے جیسے کسی دوسرے برتر فرد کی اطاعت کا عادی نہ ہو اور عوام کی بڑی اکثریت اس کے احکامات کی عادتاً پیروی کرتی ہو وہ مقتدرِ اعلیٰ ہے اور وہ معاشرہ اس برتر فرد سمیت آزاد اور خودمختار معاشرہ ہے۔''

مندرجہ بالا تعریفوں سے اقتدارِ اعلیٰ کے دو پہلو نکلتے ہیں۔

1- اندرونی اقتدارِ اعلیٰ

ایک ریاست کے اندر رہنے والے تمام باشندے اور اُن کے بنائے ہوئے تمام ادارے جس اختیار کے تابع ہوں وہ اندرونی اقتدارِ اعلیٰ ہے۔ ریاست کی حدود میں نہ کوئی جماعت اور نہ کوئی ادارہ اس کے کنٹرول سے آزاد ہوتا ہے۔

2- بیرونی اقتدارِ اعلیٰ

بیرونی اقتدارِ اعلیٰ ریاست کو غیر ملکی دباؤ سے آزاد رکھتا ہے۔ یہ خودمختار اور مطلق العنان ہوتا ہے جب ریاست پر دوسری ریاستوں کا دباؤ نہ ہو اور وہ تمام فیصلے اپنی مرضی سے کرنے کی مجاز ہو تو اُسے اقتدارِ اعلیٰ ملا ہوا ہوتا ہے۔ ریاست اقتدارِ اعلیٰ کے طفیل اپنی پالیسیاں خود ترتیب دیتی ہے اور بیرونی تعلقات قائم کرتی ہے۔

اقتدارِ اعلیٰ کے نمایاں خدوخال (Salient Features)

1- پائیداری (Permanance)

ریاست کا اقتدارِ اعلیٰ پائیدار ہوتا ہے اور ریاست کی آزادی اور خودمختاری کی دلیل ہوتا ہے۔ اسے ہم ریاست کی روح کہہ سکتے ہیں۔ اقتدارِ اعلیٰ کی عمر ریاست کی عمر کے مساوی ہوتی ہے۔ ریاست کا خاتمہ اقتدارِ اعلیٰ کے خاتمے کا باعث بنتی ہے۔ حکومت اور اقتدارِ اعلیٰ کو بعض لوگ ہم معنی سمجھتے ہیں۔ ریاست میں حکومت میں تبدیلیاں آتی رہتی ہیں لیکن اقتدارِ اعلیٰ اپنی اصلی حالت میں قائم رہتا ہے۔ حکومت اقتدارِ اعلیٰ کے زیرِ نگرانی کام کرتی ہے۔

2- مطلق العنانیت (Absoluteness)

اقتدارِ اعلیٰ لامحدود اور مطلق العنان ہوتا ہے اور کسی کو جواب دہ نہیں ہوتا۔ ریاست کے اندر کوئی ادارہ یا فرد اس سے برتر نہیں ہوتا بلکہ تمام افراد اور ادارے اس کی مرضی کے پابند ہوتے ہیں۔ اس پر کوئی پابندی نہیں ہوتی اور یہ دوسروں پر پابندیاں نافذ کر سکتا ہے۔ یہ خود اپنی مرضی سے اپنے آپ پر پابندیاں لگائے تو یہ اُس کی منشا ہے۔ کوئی بیرونی دباؤ اُس پر نہیں ڈالا جا سکتا۔ حکومت کے مختلف شعبے اور اس کے بنائے ہوئے قوانین اقتدارِ اعلیٰ کے ماتحت ہوتے ہیں وہ کسی قانون کو ختم یا تبدیل کر سکتا ہے۔

3- منفرد حیثیت (Exclusiveness)

اقتدارِ اعلیٰ ایک منفرد جداگانہ حیثیت کا مالک ہے۔ ریاست کے اندر اُس کے برابر اختیارات رکھنے والا اور کوئی نہیں ہوتا۔ یہ ہر شے، ہر فرد اور ہر تنظیم پر حاوی ہوتا ہے۔ ایک میان میں دو تلواریں سما نہیں سکتیں اسی طرح ایک ریاست میں ایک سے زیادہ مقتدرِ اعلیٰ نہیں رہ سکتے۔ ریاست میں سب کچھ اقتدارِ اعلیٰ کی مرضی کا پابند ہے۔ اس کی طرف سے تمام احکامات جاری کیے جاتے ہیں۔ اس کے اختیار میں کوئی اور شامل نہیں ہوتا وہ بلا شرکت غیر تمام امور پر حاوی ہوتا ہے۔

4- جامعیت (Comprehensiveness)

ریاست کی حدود کے اندر اقتدارِ اعلیٰ کا اثر تمام جگہوں، اداروں اور افراد پر ہوتا ہے۔

کوئی فرد، ادارہ یا جگہ اقتدارِ اعلیٰ کے کنٹرول سے باہر نہیں ہوتی کسی کو یہ کہنے کا اختیار نہیں ہے کہ وہ مقتدرِ اعلیٰ کے فیصلوں کا پابند نہیں ہے۔

ریاست کی جغرافیائی حدود کے علاوہ اُس کی بری، بحری اور فضائی حدود میں بھی اقتدارِ اعلیٰ کا کنٹرول ہوتا ہے۔

جامعیت کا اصول غیر ملکی سفارت خانوں کی عمارات، کارندوں اور گاڑیوں پر لاگو نہیں ہوتا۔ انہیں بہت سی پابندیوں سے بے نیاز رکھا جاتا ہے۔ ایسی رعایتیں غیر ملکی سفارت خانوں کو مقتدرِ اعلیٰ خود اپنی خوشی سے دیتا ہے۔ اُس پر کوئی دباؤ نہیں ہوتا وہ یہ رعایتیں واپس بھی لے سکتا ہے اور سفارت کاروں کو اپنی ریاست کی حدود سے باہر نکلنے کا حکم دے سکتا ہے۔ یہ رعایتیں تمام دنیا میں ایک جیسی ہیں۔

5- ناقابلِ تقسیم (Indivisible)

اقتدارِ اعلیٰ منقسم نہیں ہوتا اس کے دو یا زیادہ حصے نہیں بنائے جا سکتے۔ ایک ریاست میں مقتدرِ اعلیٰ صرف ایک ہوتا ہے اگر ہمیں صدر، وزیرِ اعظم اور پارلیمنٹ میں اختیارات کی تقسیم نظر آتی ہے یا وفاقی اور صوبائی حکومتوں کے علیحدہ علیحدہ اختیارات کا ذکر ہوتا ہے تو اس سے مراد حکومتی اختیارات کی تقسیم ہے۔ ایسی تقسیم کا اقتدارِ اعلیٰ سے تعلق نہیں ہوتا۔ امریکہ میں نظریہ تقسیمِ اختیارات کے تحت اختیارات مرکز اور یونٹوں میں بانٹے گئے ہیں تو یہ حکومتی اختیارات ہیں۔ دستور کے تحت اقتدارِ اعلیٰ ریاست کو حاصل ہوتا ہے حکومت کو نہیں۔ اگر کہیں اقتدارِ اعلیٰ کو عملاً دو یا زیادہ ریاستوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے تو یہ خود ریاست کی بھی تقسیم ہو جاتی ہے جیسے 1971ء میں پاکستان تقسیم ہو گیا۔ اور دو الگ

ریاستیں معرضِ وجود میں آ گئیں۔

6- ناقابلِ انتقال (Inalienable)

ریاست کا اقتدارِ اعلیٰ منتقل نہیں ہوتا یہ اپنی حقیقی حالت میں قائم رہتا ہے۔ ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں جو اختیارات منتقل ہوتے ہیں وہ حکومت کے اختیارات ہوتے ہیں۔ اگر ایک ریاست کا اقتدارِ اعلیٰ کسی حصے پر قائم نہیں رہتا تو وہ حصہ ریاست سے نکل جاتا ہے۔ جس طرح انسانی جسم کی تقسیم انسانی جان کے خاتمے کا باعث بنتی ہے اسی طرح اقتدارِ اعلیٰ کی تقسیم ریاست کے خاتمے کا باعث بنتی ہے۔ عام انتخابات کے بعد صدر یا وزیرِاعظم اختیارات سنبھالے تو اسے حکومت کے اختیارات سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اقتدارِ اعلیٰ ایک ریاست سے دوسری ریاست کو منتقل ہو تو پہلی ریاست کا وجود ختم ہو جاتا ہے۔ اقتدارِ اعلیٰ کے حوالے سے لائبر (Liber) نے لکھا ہے کہ" اقتدارِ اعلیٰ کی منتقلی ایسے ہی ہے جیسے کسی درخت کو اُس کی نشوونما کا حق نہ دیا جائے یا کوئی فرد اپنی شخصیت کسی دوسرے کو منتقل کر دے اور زندہ بھی رہے۔"

7- ناقابلِ زوال (Imprescriptible)

اگر کوئی ریاست اپنے کسی علاقے، جزیرے یا حصے پر اپنا اقتدارِ اعلیٰ عملاً کچھ مدت کے لیے استعمال نہیں کرتی تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اُس کا اقتدارِ اعلیٰ ختم ہو جاتا ہے۔ وہ جب چاہے اپنے اثر کو اس حصے تک بڑھا سکتی ہے اقتدارِ اعلیٰ کو کبھی زوال نہیں آتا۔ ریاست اپنی افواج یا پولیس کے دستے بھیج کر اپنا اقتدارِ اعلیٰ بحال کر سکتی ہے۔ بھارت نے پاکستانی علاقے سیاچین پر اس وقت قبضہ کر لیا جب سیاچین میں شدید برف باری کی وجہ سے پاکستانی افواج موجود نہیں تھیں۔ پاکستان مسلسل اپنے علاقے کی بازیابی کے لیے کوشاں ہے۔ جونہی قبضہ واپس مل گیا۔ پاکستان کا اقتدارِ اعلیٰ وہاں بحال ہو جائے گا۔

اقتدارِ اعلیٰ کی اقسام

(Kinds)

1- برائے نام اور حقیقی اقتدارِ اعلیٰ (Titular and Real Sovereignty)

بادشاہت مطلق العنان تھی تو برطانیہ میں بادشاہ اقتدارِ اعلیٰ کا مظہر بھی تھا اور اس کا استعمال بھی حقیقی طور پر اُسی کی مرضی سے تھا۔ رفتہ رفتہ جمہوری قدریں متعارف ہوئیں اور بالآخر بادشاہ بے اختیار اور برائے نام حیثیت اختیار کر گیا۔ حقیقی قوت وزیرِاعظم، کابینہ اور پارلیمنٹ کو منتقل ہو گئی۔ آج کل بادشاہ رسمی اور برائے نام اقتدارِ اعلیٰ کا مالک ہے آئین نے حقیقی اقتدارِ اعلیٰ تاج کے سپرد کر دیا ہے۔ تاج ایک ادارہ بن گیا ہے جو بادشاہ، وزیرِاعظم، وزراء اور پارلیمنٹ کا مجموعہ ہے۔ اسی طرح بھارت میں صدر برائے نام حیثیت کا مالک ہے اور وہی کردار ادا کر رہا ہے جو برطانوی ملکہ نبھا رہی ہے۔

2- آئینی اور سیاسی اقتدارِ اعلیٰ (Legal and Political Sovereignty)

ریاست میں انتخابات منعقد ہوتے ہیں۔ رائے دہندگان اپنی اپنی آراء کا اظہار کرتے ہیں۔ سیاسی جماعتیں، ان رائے دہندگان کی راہنمائی کرتی ہیں۔ انتخابی عمل کے بعد حکومت قائم ہوتی ہے۔ صدارتی نظام میں صدر اور پارلیمانی نظام میں وزیرِاعظم حکومت کی باگ ڈور سنبھالتا ہے اس طرح قائم ہونے والی حکومت کو اقتدارِ اعلیٰ کے استعمال کا حق مل جاتا ہے۔ آئین کی رو سے بننے والی حکومت جس اختیار کو استعمال کرتی ہے آئینی اقتدارِ اعلیٰ کہلاتا ہے اس اقتدارِ اعلیٰ پر اثر انداز ہونے والی قوتیں وہی ہوتی ہیں جو انتخابی عمل میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی ہیں۔ بعد میں یہ حکومت کو اپنی پسند کے مطابق فیصلے دینے کے لیے دباؤ ڈالتی رہتی ہیں۔ یہ قوتیں سیاسی اقتدارِ اعلیٰ کہلاتی ہیں۔ جو رائے دہندگان ہوتے ہیں۔ پروفیسر ڈائسی (Prof. Dicey) لکھتا ہے" سیاسی اقتدارِ اعلیٰ وہ طاقت ہے جو قانونی اقتدارِ اعلیٰ کی پشت پر موجود

ہوتی ہے اور جس کے سامنے قانونی اقتدارِ اعلیٰ کو جھکنا پڑتا ہے۔"

3- قانونی اور واقعی اقتدارِ اعلیٰ (De Jure and De Facto Sovereignty)

قانونی اور واقعی دونوں اقتدارِ اعلیٰ عام طور پر کسی ایک فرد یا ادارے کے ہاتھ میں رہتے ہیں وہ واقعی طور پر اختیارات کا مالک ہوتا ہے اور ریاست کا قانون بھی اُسے تسلیم کر رہا ہوتا ہے اچانک ریاست میں انقلاب آتا ہے۔ کوئی فرد یا ادارہ طاقت کے زور سے قانونی حکومت کا تختہ الٹ کر اقتدار پر قابض ہو جاتا ہے۔ ایسے میں ریاست میں دو اقتدارِ اعلیٰ نظر آنے لگتے ہیں۔ برسرِ اقتدار آنے والا فرد یا ادارہ وقتی طور پر مقتدرِ اعلیٰ بن جاتا ہے جبکہ شکست کھانے اور بے اختیار ہونے والے فرد یا ادارے کو تب بھی قانون صحیح تسلیم کر رہا ہوتا ہے یوں دونوں اقتدارِ اعلیٰ بیک وقت وجود میں آجاتے ہیں مثلاً جب فیلڈ مارشل محمد ایوب خان نے 1958ء میں پاکستان میں مارشل لا لگایا۔ تو صدر سکندر مرزا کی حکومت تھی۔ مارشل لا کے بعد محمد ایوب خان واقعی اقتدارِ اعلیٰ کا مالک بن گیا اور صدر سکندر مرزا قانونی اقتدارِ اعلیٰ کی حیثیت رکھتا تھا۔

4- عوامی اقتدارِ اعلیٰ (Popular Sovereignty)

بادشاہت واحد نظام تھا جو دنیا کے بہت سے ممالک میں رائج تھا۔ اس نظام میں قوت کا سرچشمہ بادشاہ کی ذات تھی وہ مطلق العنان اور لامحدود اختیارات کا مالک تھا اور کسی کو جواب دہ نہیں تھا۔ مطلق العنانیت کے خلاف یورپ کی مختلف ریاستوں میں بے چینی اٹھارویں صدی میں پیدا ہوئی۔ ادیبوں شاعروں اور مفکرین نے ظالمانہ اور جابرانہ نظام کے خلاف آوازیں بلند کیں اور مطالبہ کیا کہ اقتدار عوام کو ملنا چاہیے حکومت جواب دہ ہونی چاہیے اور عوام کو حکومت میں تبدیلی لانے کا اختیار ملنا چاہیے۔ جمہوری انقلاب کے لیے روسو اور والٹیر کی تحریروں نے زبردست کام کیا۔ فرانس میں 1789ء میں انقلاب رونما ہوا برطانیہ میں بتدریج جمہوریت کو فروغ ملا ان کوششوں نے ایک نئی قسم کے اقتدارِ اعلیٰ کو جنم دیا۔ جس میں طاقت کا سرچشمہ عوام کو ٹھہرایا گیا جسے عوامی اقتدارِ اعلیٰ کہتے ہیں۔

عوامی اقتدارِ اعلیٰ ہو تو تمام فیصلے عوام کی مرضی کو پیشِ نظر رکھ کے کیے جاتے ہیں۔ پالیسیاں بھی اُن کی مرضی کے مطابق اور اُن کے مفاد میں بنائی جاتی ہیں تمام قانون بنانے اور نافذ کرنے والے ادارے عوام کے سامنے جواب دہ ہوتے ہیں۔ یہ اقتدارِ اعلیٰ آج کل سوئٹزرلینڈ میں ہے۔

اقتدارِ اعلیٰ کے نظریات

تکثیر پسندوں کا نظریہ اقتدارِ اعلیٰ (Pluralistic Theory of Sovereignty)

تکثیری اقتدارِ اعلیٰ کے حامیوں میں نمایاں نام یہ ہیں۔ لاسکی، دیوگی، کریبے، میٹ لینڈ اور بارکر۔ ماہرینِ سیاسیات کا یہ گروہ اقتدارِ اعلیٰ کو صرف اور صرف ریاست کے کنٹرول میں دینے کی بجائے اقتصادی، معاشرتی، مذہبی، ثقافتی، تعلیمی اور صنعتی اداروں کو دینے کا حامی ہے۔ یہ گروہ ریاست کے مطلق العنان، لامحدود، منفرد جامع اور ناقابلِ تقسیم اقتدارِ اعلیٰ کو قبول نہیں کرتا اور سمجھتا ہے کہ انسانوں کی بھلائی کے لیے اُن کے تمام اداروں کو خود مختار اور مقتدر حیثیت دی جائے۔ وہ ریاست کو تمام اداروں پر حاوی اور مختارِ کل کا مقام نہیں دیتا اور نہ ریاست کو دوسرے اداروں کے امور میں مداخلت کا اختیار دیتا ہے۔

تکثیر پسندوں کے بنیادی اصول

1- ریاست اور دیگر انسانی ادارے مساوی مقام رکھتے ہیں۔

2- ریاست کو دیگر اداروں پر برتری نہیں ملنی چاہیے۔

3- تکثیر پسندوں کا خیال ہے کہ قانون رسوم و رواج سے اخذ کیا گیا اور ریاست کی تخلیق قانون نے کی ہے۔ وہ قانون کو ریاست کی [illegible]

4- تکثیر پسند ریاست کا خاتمہ نہیں چاہتے البتہ اس کے مقام و اختیارات میں کمی کے حق میں ہیں۔

5- تکثیر پسند تمام اداروں کے اقتدار اعلیٰ کے قائل ہیں اور ریاست کو دیگر اداروں سے برتر ماننے کی بجائے "برابر اداروں میں پہلا ادارہ" کہتے ہیں۔

6- تکثیر پسند اقتدار اعلیٰ کو قابل تقسیم سمجھتے ہیں اور اسے مطلق العنان لامحدود اور جامع ماننے سے انکار کرتے ہیں۔

7- تکثیر پسند اقتدار اعلیٰ پر متعدد پابندیوں کا اطلاق ضروری خیال کرتے ہیں۔ یہ پابندیاں اخلاقی، بین الاقوامی، فطری اور مذہبی پہلوؤں سے متعلق ہیں۔ وہ اقتدار اعلیٰ کو بے لگام اور مکمل طور پر آزاد حیثیت دینے کی مخالفت کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ تمام پہلوؤں میں انسان کی یکساں ترقی کے لیے ضروری ہے کہ مختلف اداروں کو اقتدار اعلیٰ میں شرکت کا موقع ملے۔

تکثیر پسندوں کے نظریے پر تنقید

تکثیر پسندوں کے نظریہ پر آج تک پوری طرح عمل نہیں ہو سکا اور ریاست واحد اقتدار اعلیٰ کے مظہر کے طور پر اپنی پہچان رکھتی ہے۔ عوام کو آزادی اور حقوق بھی ملے ہیں اور عوامی اداروں کے معاملات میں ریاست کا عمل دخل بہت کم ہو گیا ہے۔ مختلف ادارے پہلے سے بہتر ماحول میں کام کر رہے ہیں۔ اقتدار اعلیٰ کی مطلق العنانیت حد سے بڑھی ہوئی تھی۔ تکثیر پسندوں کی وجہ سے ریاست نے اپنے آپ پر کچھ پابندیاں قبول کر لی ہیں۔ فطری اور اخلاقی پابندیوں کے علاوہ بین الاقوامی قوانین کے احترام کا پہلو بھی شامل ہے۔ یوں تکثیر پسندوں کا سیاسی معاشرے پر گہرا اور مثبت اثر پڑا ہے۔ اب حکمرانوں کے لیے من مانی کرنا آسان نہیں رہا۔ جمہوریت کے فروغ میں بھی تکثیر پسندوں نے بہت مدد دی ہے۔ اس کے باوجود تکثیر پسندوں کے نظریہ پر بہت سے اعتراضات کیے جاتے ہیں۔ بعض تنقیدی نکات درج ذیل ہیں۔

اگر تکثیر پسندوں کی سفارشات پر عمل کر لیا جائے تو:

1- وفاقی اعتبار سے، ریاست بہت کمزور ہو جائے گی اور اپنے علاقوں اور آزادی کا تحفظ نہ کر سکے گی۔

2- مختلف تنظیمیں، ادارے اور انجمنیں الگ الگ حیثیت قائم کر لیں گے اور اتحاد و یکجہتی ختم ہو جائے گی۔

3- عوام کے لیے بہت سی انجمنیں پیدا ہو جائیں گی۔ کسی مرکزی اور غالب ادارے کے بغیر تمام ادارے من مانی کرنے لگیں گے تو عوام کو بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑ جائے گا۔

4- مختلف اداروں میں سے عوام کی وفاداریاں قائم رکھنے میں دشواریاں پیدا ہوں گی۔ فرد جو کئی اداروں سے تعلق رکھتا ہے بیک وقت سب سے وفاداریوں کے تعین میں مشکلات محسوس کرے گا۔ ہمیشہ ریاست سے وفاداری سب سے اولین سمجھی جاتی ہے۔ اور اُسی کی راہنمائی میں افراد مختلف اداروں سے وفاداریوں میں تناسب برقرار رکھتے ہیں۔

5- بدنظمی اور انتشار پیدا ہونے کا واضح امکان ہو گا۔ معاشرہ بکھر جائے گا اور امن و امان کی کیفیت بھی خراب ہو جائے گی یہ ریاست ہی جو عوام اور اداروں کو اپنی اپنی جگہ رکھے ہوئے ہے اور ایک نظم و ضبط دکھائی دیتا ہے۔ تکثیری اقتدار اعلیٰ کا مطلب یہ ہے کہ فرد کو بیک وقت کئی احکامات کی پیروی کرنا پڑے گی۔ اگر ان احکامات میں تضادات ہوں گے تو فرد دو پاٹوں کے درمیان آ کر چکی میں پس جائے گا۔

آسٹن/وحدت پسندوں کا نظریہ اقتدارِ اعلیٰ

(Austin's / Monistic Theory of Sovereignty)

تھامس ہابز، ژاں بوداں، گارنر اور بینتھم پہلے ہی مختلف ادوار میں اقتدارِ اعلیٰ کا مفہوم اور تعریف بیان کر چکے ہیں لیکن اقتدارِ اعلیٰ کا قانونی اعتبار سے ٹھوس اور واضح تصور پیش کرنے کا سہرا جان آسٹن کے سر ہے۔ جان آسٹن ایک انگریز فلسفی تھا جس نے 1832ء میں اقتدارِ اعلیٰ کا قانونی تصور اپنی شہرۂ آفاق تصنیف (Lectures on Jurisprudence) میں پیش کیا۔

اقتدارِ اعلیٰ کی تعریف

"ایک معین برتر فرد جو کسی دوسرے فرد کی اطاعت کا پابند نہ ہو اور معاشرے کا ایک بہت بڑا حصہ اس کی اطاعت عادتاً کرتا ہو تو وہ برتر و اعلیٰ فرد مقتدرِ اعلیٰ کہلاتا ہے اور معاشرہ اس برتر فرد سمیت ایک سیاسی اور خود مختار معاشرہ ہوتا ہے۔"

آسٹن کے نظریہ کے خدوخال

1- قانون مقتدرِ اعلیٰ کا حکم

مقتدرِ اعلیٰ بہت زیادہ طاقتور اور لامحدود اختیارات کا مالک ہوتا ہے۔ وہ کسی کو جواب دہ نہیں ہوتا اور اُس کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ کو قانون کا مقام حاصل ہو جاتا ہے۔ سب شہری اور اُن کی بنائی ہوئی انجمنیں مقتدرِ اعلیٰ کے حکم کی پابند ہوتی ہیں۔

2- برتر حیثیت

آسٹن کسی ایک فرد یا جماعت کو اقتدارِ اعلیٰ کا مالک کہتا ہے جسے بآسانی پہچانا جا سکے۔ روسو کے عوامی اقتدار کو وہ تنقید کا نشانہ بناتا ہے۔ اُس میں مقتدرِ اعلیٰ کی شناخت نہیں ہو سکتی۔

3- ناقابلِ تقسیم و ناقابلِ انتقال

اقتدارِ اعلیٰ نہ تقسیم ہوتا ہے اور نہ ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں منتقل ہوتا ہے۔ آسٹن کا کہنا ہے کہ حکومتی اختیارات تقسیم اور منتقل ہوتے ہیں، اقتدارِ اعلیٰ نہیں۔ اقتدارِ اعلیٰ اپنے مقام پر قائم رہتا ہے اور ریاست کی روح کی حیثیت رکھتا ہے۔

4- مطلق العنان اور لامحدود

مقتدرِ اعلیٰ لامحدود اختیارات کا مالک ہوتا ہے۔ اُس کے اختیارات کی کوئی حد نہیں ہوتی اور نہ وہ کسی کو جواب دہ ہوتا ہے۔ وہ سب پر حاوی ہوتا ہے اور کوئی فرد یا ادارہ اُس کے حکم سے سرتابی کی ہمت نہیں کر سکتا۔ وہ ریاست کے اندر تمام قوتوں کا سرچشمہ ہوتا ہے اور خارجی طور پر دباؤ سے بے نیاز ہوتا ہے۔

5- اطاعت

عوام کی بہت ہی بڑی اکثریت اُس کے حکم کے تابع رہتی ہے اور اطاعت کی عادی ہوتی ہے۔ وہ حکم سے روگردانی کا سوچ بھی نہیں سکتی۔

6- لازمی عنصر

اقتدارِ اعلیٰ ریاست کا لازمی عنصر ہے۔ اگر اقتدارِ اعلیٰ مٹ جائے تو ریاست کا وجود بھی ختم ہو جاتا ہے ریاست نہ رہے تو اقتدارِ اعلیٰ بھی نہیں رہتا۔ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہوتے ہیں۔

7-سیاسی اقتدار اعلیٰ کی نفی

آسٹن صرف قانونی اقتدار اعلیٰ کو مانتا ہے۔ وہ سیاسی معاشرے میں قانونی اقتدار اعلیٰ پر دباؤ ڈالنے والی سیاسی قوتوں مثلاً رائے عامہ، سیاسی جماعتیں، پریشر گروپس وغیرہ کو جھٹلا کر سیاسی اقتدار اعلیٰ کی نفی کرتا ہے۔

تنقید

1-اقتدار اعلیٰ کی پہچان

آسٹن صرف ایسے اقتدار اعلیٰ کو مانتا ہے جو قانونی حیثیت کا حامل ہو اور جسے بآسانی پہچانا جا سکے۔ بادشاہت اور آمریت میں تو ایسا ممکن ہے۔ لیکن جمہوری نظام میں صدر، وزیر اعظم اور پارلیمنٹ اقتدار اعلیٰ میں شریک ہوتے ہیں۔ وہاں واضح پہچان ناممکن ہے۔ آسٹن برطانیہ میں پارلیمنٹ کو مقتدر اعلیٰ تسلیم کرتا ہے۔ لیکن وہ یہ جواب دینے سے قاصر ہے کہ اگر پارلیمنٹ کو برخاست کر دیا جائے تو اقتدار اعلیٰ کہاں تلاش کیا جا سکتا ہے؟

2-اقتدار اعلیٰ کی تقسیم و انتقال

آسٹن اقتدار اعلیٰ کو ناقابل تقسیم و ناقابل انتقال سمجھتا ہے لیکن عملاً ہمیں یہ تقسیم شدہ اور منتقل ہوتا نظر آتا ہے۔ اگر آسٹن کے مطابق ریاست کو سارے اختیارات کا مالک مان لیں تو لوگوں کے مذہبی، ثقافتی اور خاندانی امور میں نامناسب مداخلت کر کے ریاست ظلم و زیادتی کر سکتی ہے۔

3-سیاسی اقتدار اعلیٰ

آسٹن قانونی اقتدار اعلیٰ کے علاوہ کسی دوسری قسم کو نہیں مانتا حالانکہ سیاسی قوتیں اپنا کردار ادا کرتی ہیں۔ اور قانونی اقتدار اعلیٰ کو اپنی پسند کے فیصلے کرنے پر مجبور کر دیتی ہیں۔ رائے دہندگان کو نظر انداز کرنا قانونی مقتدر اعلیٰ کے لیے بہت ہی مشکل ہوتا ہے۔ وہ چاہیں تو اُس سے اقتدار اعلیٰ چھین لیں۔ بنیادی منشا عوام کی ہوتی ہے۔ عوام کو خصوصاً جمہوری نظام میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

4-پابندیاں

آسٹن اقتدار اعلیٰ پر کوئی پابندی منظور نہیں کرتا حالانکہ عملاً فطری، اخلاقی، معاشرتی اور مذہبی پابندیوں کو قانونی اقتدار اعلیٰ بھی ماننے پر مجبور ہوتا ہے۔ قانونی اقتدار اعلیٰ عوام کے مذہبی اعتقادات اور رسمی اصولوں کے خلاف عمل کرے تو ایسا فیصلہ اُسے بہت مہنگا پڑتا ہے۔

5-عادتاً اطاعت

آسٹن کہتا ہے کہ عوام کی بہت بڑی اکثریت مقتدر اعلیٰ کے احکامات کی عادتاً پیروی کرتی ہے۔ یہ بات بادشاہت اور آمریت میں تو ممکن ہے۔ جمہوری نظام میں ایسا نہیں ہوتا۔ عوام عادتاً پیروی نہیں کرتے وہ صحیح فیصلوں پر عمل کرتے اور غلط فیصلوں کے خلاف احتجاج کرنے لگتے ہیں۔ شعوری طور پر اچھا مان کر ہی کسی فیصلے پر عمل کیا جاتا ہے۔

6-ریاست کی اجارہ داری

آسٹن اقتدار اعلیٰ پر ریاست کی مکمل اجارہ داری قائم دیکھنا چاہتا ہے حالانکہ انسانوں نے سیاسی ادارے یعنی ریاست کے ساتھ ساتھ کئی اقتصادی، مذہبی، معاشرتی اور ثقافتی ادارے بنائے ہوئے ہیں اور وہ ان اداروں کے اندرونی معاملات میں ریاست کا عمل دخل ہرگز پسند نہیں کرتے۔ تکثیر پسند ریاست کی اجارہ داری کے آسٹن کے اصول کو ہدفِ تنقید بناتے ہیں۔

7- قانون مقتدر اعلیٰ کا حکم

آسٹن قانون کو مقتدر اعلیٰ کا حکم کہتا ہے۔ جو سراسر غلط ہے۔ قانون بنیادی طور پر رسم و رواج سے حاصل کیا جاتا ہے۔ ابتدائی قانونی ڈھانچہ ریاست سے پہلے قائم معاشرے کے مانے ہوئے اصول اور رسم و رواج پر مبنی تھا۔ قانون کو مقتدر اعلیٰ کا حکم کہنا ہرگز مناسب نہیں ہے۔

اسلامی نظریہ اقتدار اعلیٰ

(Islamic Theory of Sovereignty)

اقتدار اعلیٰ کا اسلامی تصور مغربی تصور حاکمیت سے بہت مختلف ہے اسلامی ریاست میں اقتدار اعلیٰ کسی فرد، جماعت، پارلیمنٹ یا عوام کو حاصل نہیں ہوتا بلکہ اس کا مالک اللہ ذوالجلال والاکرام ہے۔ اُسی کی مرضی کے مطابق قانون سازی ہوتی ہے اور اُسی کی منشا کے تحت نظام چلایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی کا پتہ اُس کے کلام پاک اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سنت اور احادیث میں ملتا ہے۔ اسلامی ریاست میں عوام اور حکمران اللہ تعالیٰ کے حکم کے پابند ہوتے ہیں اور کوئی قانون قرآن و سنت کے منافی نہیں بنایا جا سکتا۔ خلیفہ اللہ تعالیٰ کو جوابدہ ہوتا ہے اور عوام کو خلیفہ کے فیصلوں پر تنقید کا حق حاصل ہوتا ہے۔

اسلامی نظریہ اقتدار اعلیٰ کے بنیادی اصول

(Basic Principles of Sovereignty in Islam)

1- مطلق العنانیت

اسلام میں اقتدار اعلیٰ کو مطلق العنان حیثیت حاصل ہے اور یہ صرف رب ذوالجلال کی ملکیت ہے۔ وہ ہر شے پر قادر ہے۔ اُس کی مرضی کے بغیر ایک پتا تک حرکت نہیں کر سکتا۔ وہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔ وہ کسی کے سامنے جواب دہ نہیں ہے بلکہ سب اُس کے روبرو جوابدہ ہیں۔ وہ قوی ہے، مالک ہے۔ حتمی فیصلے کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔ مطلق العنانیت صرف اُس ذات بابرکات کو ہی جچتی ہے۔

2- لامحدود اختیارات

اللہ تعالیٰ کے اختیارات کی کوئی حد نہیں ہے۔ ہر شے اُس کے سامنے بے بس ہے۔

اُس پر کوئی پابندی نہیں اور نہ وہ کسی معاملے میں مجبور ہوتا ہے۔ ریاست کے اندر کوئی شے اُس کے قبضہ سے باہر نہیں۔ ریاست ہی کیا اُس کا کنٹرول دریاؤں، سمندروں، پہاڑوں اور صحراؤں پر بھی ہے۔ وہ تمام جہانوں اور آسمانوں کا مالک ہے۔ وہ جو کہتا ہے قانون ہے اُس کے اختیارات پر پابندیاں عائد نہیں ہیں۔

3- ناقابلِ تقسیم

بعض مغربی مفکرین کے نزدیک اقتدار اعلیٰ قابل تقسیم ہے۔ مغربی فلسفی جیسے بھی دعوے کریں اقتدار اعلیٰ ہر نظام میں ہمیں مختلف اداروں میں بٹا ہوا نظر آتا ہے۔ امریکہ میں صدر، کانگرس اور سپریم کورٹ تینوں اقتدار اعلیٰ میں عملاً شریک ہوتے ہیں۔ صرف اللہ تعالیٰ کا اقتدار اعلیٰ تقسیم نہیں ہوتا۔ کوئی دوسرا اس اقتدار کو استعمال نہیں کرتا۔ ہر کوئی اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پیروی کا پابند ہے۔

4- ناقابلِ انتقال

اللہ تعالیٰ کا اقتدار اعلیٰ ہمیشہ اُس کے پاس رہتا ہے۔ وہ کبھی کسی دوسری ہستی کو منتقل نہیں ہوتا نہ کوئی اللہ تعالیٰ سے اُس کا اقتدار اعلیٰ

چھین سکتا ہے۔ دنیاوی اقتدار ایک صدر سے دوسرے اور ایک وزیر اعظم سے دوسرے وزیر اعظم کو منتقل ہوتا رہتا ہے۔ ''بے شک اللہ تعالی ایک ہے اور اُس کا کوئی شریک نہیں ہے''

5- پائیداری

اللہ تعالی کا اقتدار دائمی اور پائیدار ہے۔ یہ کبھی ختم نہیں ہوتا۔ یہ ہمیشہ سے ہے اور قائم رہے گا۔ مغربی طرز جمہوریت ہو یا فوجی آمریت، ہر اقتدار کا ایک انجام ہے۔ کئی بادشاہ اور آمر آئے اور چلے گئے۔ اللہ ذوالجلال کے اقتدار کو کبھی زوال نہیں آیا۔ وہ خود بھی اور اُس کا اقتدار اعلیٰ بھی لازوال ہے۔ ہر شے تباہ ہو جائے گی سوائے اللہ تعالی کی ذات کے۔

6- منفرد حیثیت

اللہ تعالی ایک ہے۔ اُس کا کوئی ہم سر نہیں۔ کوئی اُس کی برابری کا دعوی نہیں کر سکتا۔ وہ اپنے اختیارات میں کسی کی شرکت پسند نہیں کرتا۔ اگر وہ کسی کو اختیار دیتا ہے تو جب چاہے واپس لے لیتا ہے۔ وہ عزت بھی دیتا ہے اور ذلت بھی سب کچھ اُس کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ اُس جیسا نہ کوئی تھا نہ ہے اور نہ ہوگا۔ وہ خالق ہے باقی سب کچھ اُس کی پیدا کردہ مخلوق ہے۔ اُس کی حیثیت یکتا، یگانہ اور اچھوتی ہے۔

7- تسلسل

اللہ تعالی کا کنٹرول ہر وقت قائم ہے۔ اُسے نہ نیند آتی ہے۔ اور نہ اُونگھ کوئی ایسا وقت نہیں آتا کہ وہ خود آرام کرنے لگے اور اپنے اختیارات کسی دوسرے کو سونپ دے۔ وہ ساری مخلوق اور تمام دنیا کا محافظ ہے۔ حفاظت کا عمل اُسے تھکا نہیں دیتا۔ اُسے ہر شے، ہر واقعہ، ہر معاملے کا علم ہے۔ وہ ہر انسان کی شہ رگ سے بھی قریب تر ہے۔ کبھی اُس کو جواب دہ ہیں۔ تہذیبیں آئیں اور مٹ گئیں۔ نئے نئے نظام آئے اور ختم ہو گئے۔ سال ہا سال بیت گئے لیکن اللہ تعالی کا مقام لازوال رہا اور اس میں تسلسل بھی قائم رہا۔

8- جامعیت یا ہمہ گیریت

کائنات میں کوئی ایسا مقام، ریاست، جزیرہ، سمندر، صحرا یا جنگل ایسا نہیں جو اس کے قبضۂ قدرت سے باہر ہو۔ ریاست میں ہر چیز پر اُس کا براہ راست کنٹرول ہوتا ہے۔ ریاست کے اندر مختلف عمال، شعبے اور تنظیمیں اُس کے ماتحت ہیں اور اُس کی مرضی کے مطابق اپنا اپنا فرض ادا کرتے ہیں۔ خلیفہ ایک اسلامی ریاست میں اللہ تعالی کی پسند کے مطابق حکومت چلاتا ہے۔ وہ من مانی نہیں کر سکتا اور وہ کوئی ایسا حکم دینے کا سوچ بھی نہیں سکتا جو اللہ تعالی کی مرضی کے منافی ہو۔

سوالات

حصہ اول

1- مختصر جوابات دیجئے۔

☆ اسلامی اقتدار اعلیٰ سے کیا مراد ہے؟

☆ جان آسٹن نے اقتدار اعلیٰ کی کیا تعریف کی ہے؟

☆ اندرونی اور بیرونی اقتدار اعلیٰ سے کیا مراد ہے؟

☆ اقتدار اعلیٰ کا تصور کب اور کس نے دیا؟

☆اقتدار اعلیٰ کی جامعیت کا اصول غیر ملکی سفارت خانوں پر لاگو کیوں نہیں ہوتا ہے؟

☆اقتدار اعلیٰ کی منتقلی کے حوالے سے لائبر کیا کہتا ہے؟

☆پروفیسر ڈائسی نے اقتدار اعلیٰ کی تعریف کیسے کی ہے؟

☆پاکستان کے حوالے سے قانونی اور واقعی اقتدار اعلیٰ کی تعریف کیجئے۔

☆عوامی اقتدار اعلیٰ کیسے وجود میں آیا؟

☆اقتدار اعلیٰ کے حوالے سے تکثیر پسندوں کے پانچ بنیادی اصول بیان کریں۔

☆آسٹن کے نظریہ اقتدار اعلیٰ کی دو خصوصیات تحریر کریں۔

☆آسٹن اقتدار اعلیٰ کی نفی کیسے کرتا ہے؟

☆اللہ تعالیٰ کی مطلق العنانیت سے کیا مراد ہے؟

☆تکثیر پسندوں کے نظریہ اقتدار اعلیٰ پر آج تک پوری طرح عمل کیوں نہیں ہو سکا؟

☆ژاں بوداں کی بیان کردہ اقتدار اعلیٰ کی تعریف تحریر کیجئے۔

حصہ دوم

2- اقتدار اعلیٰ کی تعریف کیجئے اور اس کی اقسام کا جائزہ لیجئے۔

3- اسلامی اقتدار اعلیٰ کے بنیادی اصول کون کون سے ہیں؟ وضاحت کیجئے۔

4- آسٹن / وحدت پسندوں کا نظریہ اقتدار اعلیٰ بیان کیجئے۔

5- اقتدار اعلیٰ یا حاکمیت کا مفہوم واضح کیجئے نیز اس کے نمایاں خدوخال پر روشنی ڈالیے۔

6- تکثیر پسندوں کے نظریہ اقتدار اعلیٰ پر بحث کیجئے۔

حصہ سوم

■ ہر سوال کے چار جوابات دیے گئے ہیں درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

1- اگر یہ ختم ہو جائے تو ریاست بھی ختم ہو جاتی ہے۔

(الف) حکومت (ب) مقننہ (ج) عدلیہ (د) اقتدار اعلیٰ

2- اقتدار اعلیٰ کی خصوصیات میں سے غیر متعلقہ خصوصیت کی نشاندہی کریں۔

(الف) پائیداری (ب) خوبصورتی (ج) مطلق العنانیت (د) جامعیت

3- کس کونظرانداز کرنا قانونی مقتدر اعلیٰ کے لیے بہت ہی مشکل ہوتا ہے؟

(الف) قانون (ب) سیاست (ج) رائے دہندگان (د) حزب اختلاف

4- کس کے بنائے ہوئے قوانین میں ردوبدل یا ترمیم کی گنجائش نہیں؟

(الف) مقننہ (ب) عدلیہ (ج) صدر (د) اللہ تعالیٰ

5- کون سا مفکر عوامی اقتدار اعلیٰ کا سب سے بڑا حامی تھا؟

(الف) تھامس ہابز (ب) لاسکی (ج) ژاں بوداں (د) روسو

6- ایوب خاں نے پاکستان میں کب مارشل لا لگایا؟

(الف) 1958ء (ب) 1956ء (ج) 1954ء (د) 1952ء

7- سوئٹزرلینڈ میں کون سا اقتدار اعلیٰ ہے؟

(الف) آئینی اقتدار اعلیٰ (ب) عوامی اقتدار اعلیٰ (ج) سیاسی اقتدار اعلیٰ (د) حقیقی اقتدار اعلیٰ

8- تکثیر پسندوں کے اقتدار اعلیٰ میں نمایاں نام کون سا ہے؟

(الف) آسٹن (ب) ژاں بوداں (ج) ارسطو (د) لاسکی

9- اسلامی اقتدار اعلیٰ میں خلیفہ کس کے سامنے جوابدہ ہوتا ہے؟

(الف) پارلیمنٹ (ب) صدر (ج) اللہ تعالیٰ (د) عوام

10- انگریز فلسفی جان آسٹن نے اقتدار اعلیٰ کا قانونی تصور کب دیا؟

(الف) 1832ء (ب) 1842ء (ج) 1852ء (د) 1862ء

11- فرانسیسی مفکر ژاں بوداں نے کس صدی عیسوی میں اقتدار اعلیٰ کا تصور دیا؟

(الف) آٹھویں صدی (ب) گیارھویں صدی (ج) چودھویں صدی (د) سولھویں صدی

12- ''اقتدار اعلیٰ ریاست کی مرضی کو کہتے ہیں۔'' یہ الفاظ کس مفکر کے ہیں؟

(الف) روسو (ب) ولوبائی (ج) برجیس (د) سیلے

باب نمبر5

حکومت

(GOVERNMENT)

حکومت کا مفہوم(Meaning)

حکومت سیاسی کنٹرول کا ایسا نظام ہے جس کے تحت قانون بنانے اور نافذ کرنے کا حق آزاد سیاسی معاشرے میں مخصوص افراد کو ہوتا ہے"۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد سرور

"حکومت جمہوری ریاست میں منتخب افراد کی ایسی تنظیم ہے۔ جو آئین کے مطابق عوام کی اجتماعی ترقی کے لیے پالیسی کو نافذ کرتی ہے" مثلاً برطانیہ میں پارلیمانی حکومت۔ ایک اور جگہ کہتے ہیں کہ حکومت سے مراد ایسا اقتدار اعلیٰ ہے جو ایک ریاست میں یا ایک آزاد سیاسی معاشرے میں ایک یا چند منتخب افراد کی طرف سے برتر سیاسی حیثیت میں استعمال کیا جاتا ہے اور حکومت کا یہ اعلیٰ اختیار آئین کے مطابق عوام کا عطا کردہ ہوتا ہے جو کہ معاشرہ میں رعایا کی حیثیت رکھتے ہیں"۔

حکومت کی تنظیم تین شعبوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ مقننہ مہذب معاشرے کی ترقی کے لیے قوانین بناتی ہے۔ جو ریاست میں بہتر زندگی بسر کرنے کے لیے نظام حیات کا تعین کرتے ہیں۔ انتظامیہ ان قوانین کو نافذ کرتی ہے تاکہ لوگوں کو پُرامن، پُرسکون، ذہنی، روحانی اور جسمانی خوشی حاصل ہو۔ عدلیہ ملک میں عدل و انصاف قائم کرتی ہے۔ شہریوں کو آزادی اور بنیادی حقوق کا تحفظ فراہم کرتی ہے۔ جدید دور میں حکومت کے معاشرتی اور معاشی فرائض میں اضافہ ہوا ہے۔ فرد کی تعمیر سیرت، معاشرتی عدل کا قیام، عوام کے معاشی تحفظ اور فلاح و بہبود جیسے مقاصد کو بہتر طریقے سے حاصل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حکومت کو تین شعبوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔

حکومت کی درجہ بندی (Classification of Government)

دور قدیم سے دور جدید تک حکومت کی اقسام کا مسئلہ زیر بحث رہا ہے۔ علم سیاسیات کے بعض مفکرین جن میں ارسطو(Aristotle) بھی شامل ہے، حکومت کی اقسام کو ریاست کی قسمیں قرار دیتے ہیں۔ لیکن یہ تصور درست نہیں حقیقت تو یہ ہے کہ ریاست کی درجہ بندی ممکن نہیں کیونکہ دنیا کی تمام ریاستیں نوعیت اور عناصر کے لحاظ سے ایک جیسی ہوتی ہیں۔

ہر ریاست چار لازمی عناصر یعنی آبادی، علاقہ، حکومت اور اقتدار اعلیٰ پر مشتمل ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے دنیا کی تمام ریاستیں ایک جیسی ہیں۔ البتہ حکومت کی مختلف قسمیں ہو سکتی ہیں۔ آج بھی بعض ممالک میں جمہوریت ہے اور بعض میں آمریت، کسی ملک میں پارلیمانی نظام حکومت ہے تو کسی ملک میں صدارتی طرز حکومت ہے۔ مفکرین کے خیال میں حکومت کی مختلف اقسام ہیں جن میں سے چند ایک مفکرین کے نظریات کا جائزہ لیتے ہیں۔

1-ارسطو کی حکومتوں کی درجہ بندی (Aristotle's Classification)

ارسطو نے اپنی کتاب "سیاست" (Politics) میں ریاست کی مختلف قسموں کو بیان کیا ہے۔ ارسطو نے حکومت کی تقسیم کی بنیاد

دو اصولوں پر رکھی ہے۔

(i) حکمرانوں کی تعداد (ii) حکمرانی کا مقصد

ارسطو کے نظریے کے مطابق اگر ایک فرد واحد حکمران ہو اور عوام کے مفاد میں حکومت کرے تو اسے بادشاہت (Monarchy) کہا جائے گا۔ اگر حکمران اجتماعی مفاد کی بجائے اپنے ذاتی مفاد کے لیے اختیارات کو استعمال کرے تو بادشاہت جابرانہ حکومت (Tyranny) میں بدل جائے گی۔ اگر چند افراد عوام کے مفاد میں حکومت کریں تو اسے اشرافیہ (Aristocracy) کہا جاتا ہے اور جب وہ خودغرض ہو جائیں تو چند سری (Oligarchy) کہلاتی ہے۔ اگر اقتدار اکثریت کے پاس ہو اور اس کے پیش نظر فلاح عامہ ہو تو اس کو ارسطو منظم معاشرہ (Polity) کہتا ہے اور جب حکمران طبقہ عوام کا استحصال کرنے لگے تو پھر منظم معاشرہ ''جمہوریت'' (Democracy) میں بدل جائے گا۔ ارسطو کے نزدیک جمہوریت حکومت کی بدترین اور گمراہ کن شکل ہے۔

ارسطو کی ریاستوں کی درجہ بندی کو یوں واضح کیا جا سکتا ہے۔

حکمرانوں کی تعداد	صحیح شکل	گمراہ شکل
فرد واحد کی حکومت	بادشاہت	جابرانہ حکومت
چند اشخاص کی حکومت	اشرافیہ	چند سری
بہت سے اشخاص کی حکومت	منظم معاشرہ	جمہوریت

2-مانٹیسکیو (Montesquieu) کی تقسیم

مانٹیسکیو نے حکومت کو مندرجہ ذیل تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

(i) جمہوریت: جس میں عوام اقتدار اعلیٰ کے مالک ہوتے ہیں۔

(ii) بادشاہت: جس میں فرد واحد ریاست کے آئین اور قانون کے مطابق حکومت کرتا ہے۔

(iii) مطلق العنانیت: جس میں فرد واحد کو تمام اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔ لیکن وہ کسی آئین اور قانون کا پابند نہیں ہوتا۔

3-میریٹ کی تقسیم (Marriot's Classification)

میریٹ کی تقسیم تین اصولوں پر مبنی ہے۔

(i) وحدانی نظام حکومت:

اگر حکومت کے تمام اختیارات ایک ہی مرکزی حکومت کے پاس ہوں تو ایسی حکومت وحدانی طرز حکومت کہلاتی ہے۔

(ii) وفاقی نظام حکومت:

اگر کسی ریاست میں حکومت کے اختیارات مرکز اور صوبوں کے درمیان تقسیم کر دیے جائیں تو ایسی حکومت وفاقی طرز حکومت کہلاتی ہے۔

(iii) مطلق العنان حکومت:

ایسا نظام حکومت جس میں انتظامیہ کو مقننہ اور عدلیہ پر برتری حاصل ہو مطلق العنان حکومت کہلاتی ہے۔

4- ڈاکٹر لیکاک کی تقسیم: (Dr. Leacock's Classification)

موجودہ دور میں لیکاک کی تقسیم سب سے بہتر اور جامع سمجھی جاتی ہے۔ یہ ایک خاکہ کی صورت میں درج ہے۔

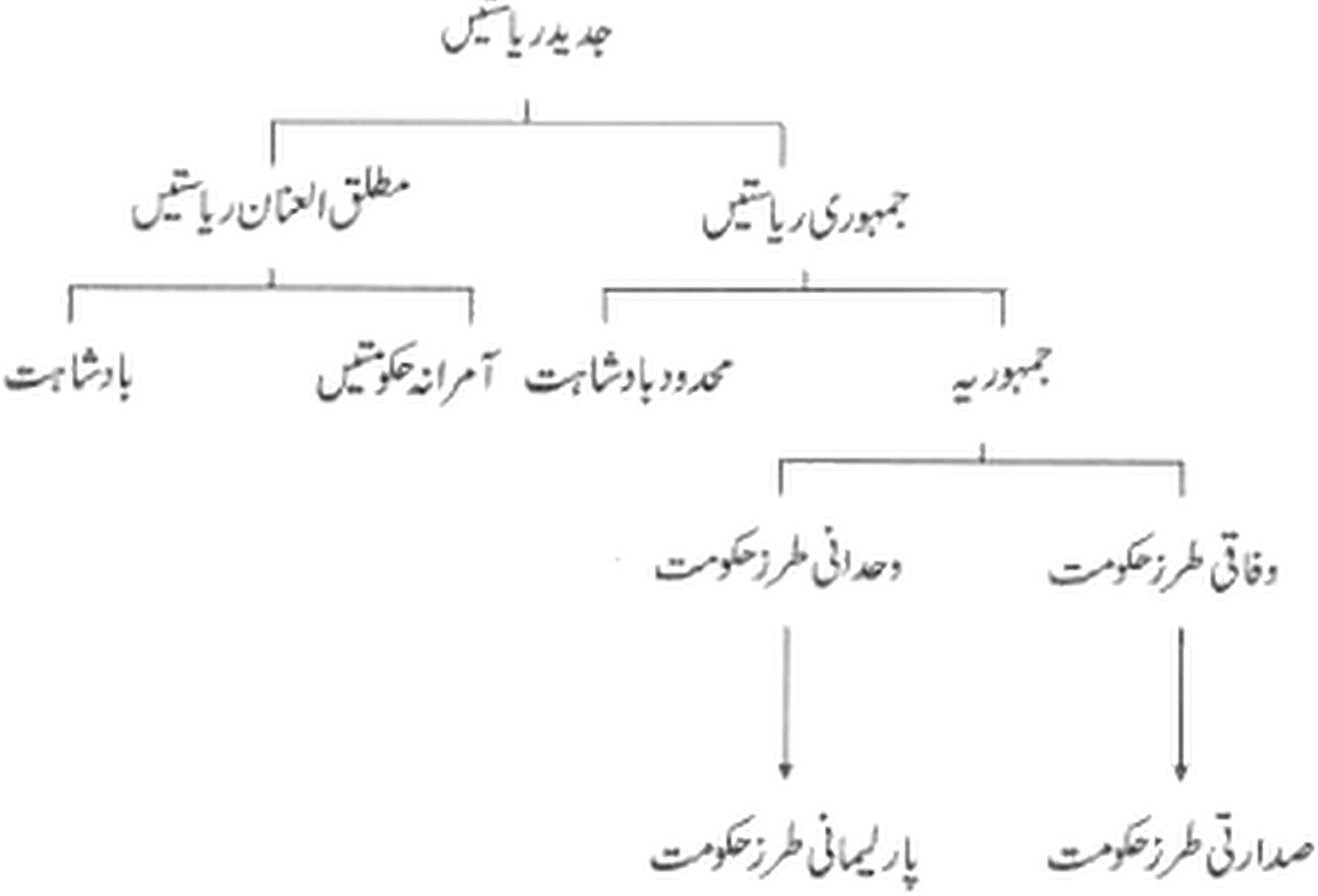

جمہوریت

(Democracy)

مفہوم

جمہوریت عربی زبان کا لفظ ہے جمہور کے معنی ''عوام یا سب لوگ'' کے ہوتے ہیں۔ لہٰذا جمہوریت سے مراد عام لوگوں کی حکومت ہے۔ جمہوریت کے لیے انگریزی کا لفظ (Democracy) استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ لفظ دو یونانی الفاظ Demos اور Kratos سے اخذ کیا گیا ہے، جن کے بالترتیب معنی لوگ اور حکومت کے ہیں۔ اس طرح جمہوریت کا مطلب ہوا ''عوام کی حکومت'' گویا یہ ایک

ایسا طرز حکومت ہے جس میں عوام خود یا اپنے منتخب نمائندوں کے ذریعے حکومت کرتے ہیں۔

جمہوریت کی تعریف (Definition)

1-ارسطو (Aristotle)

مشہور یونانی مفکر ارسطو "جمہوریت کو حکومت کی گمراہ شکل قرار دیتا ہے"۔

2-سیلے (Seeley)

"یہ ایک ایسی حکومت ہے جس میں ہر شخص حصہ دار ہوتا ہے"

3-گیٹل (Gettell)

"یہ ایک ایسی طرز حکومت ہے جس میں آبادی کا کثیر حصہ اقتدار اعلیٰ کے اختیارات کے استعمال میں حصہ دار بننے کا حق رکھتا ہے۔"

4-لارڈ برائس (Lord Bryce)

"ایسی طرز حکومت جس میں اقتدار اعلیٰ مجموعی طور پر سارے معاشرے کے سپرد ہو"۔

5-ابراہام لنکن (Abraham Lincoln)

"عوام کی حکومت عوام کے لیے اور عوام کے ذریعے"۔

مندرجہ بالا تعریفوں کا تجزیہ کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ جمہوریت ایسی طرز حکومت ہے جس میں عوام کی اکثریت کی رائے کو غلبہ حاصل ہوتا ہے۔ یہ حکومت تمام افراد کے وسیع تر مفاد کی خاطر قائم کی جاتی ہے۔ اس میں عوام بلا واسطہ یا بالواسطہ اپنے مسائل خود سلجھاتے ہیں اور ہر ایک کو قانونی مساوات حاصل ہوتی ہے۔

جمہوریت کی اقسام: (Kinds Of Democracy)

جمہوریت کی دو اقسام ہوتی ہیں۔

1-بلاواسطہ جمہوریت (Direct Democracy)

2-بالواسطہ جمہوریت (Indirect Democracy)

1-بلاواسطہ جمہوریت (Direct Democracy)

بلاواسطہ جمہوریت میں عوام براہ راست امور حکومت میں شریک ہوتے ہیں وہ ایک جگہ اکٹھے ہو کر اپنے لیے قوانین بناتے اور سرکاری عہدے داروں کا انتخاب کرتے ہیں۔ جمہوریت کی یہ قسم قدیم یونان اور روما میں رائج تھی۔ یہ ریاستیں رقبہ کے لحاظ سے بہت چھوٹی اور ان کی آبادی بھی بہت کم تھی۔ تھوڑی اور مختصر آبادی کا ایک جگہ جمع ہونا آسان تھا اس لیے ہر شہری کے لیے ممکن تھا کہ وہ براہ راست نظم و نسق چلانے میں شریک ہو۔ درحقیقت بلاواسطہ جمہوریت ان چھوٹی ریاستوں ہی میں کامیاب تھی لیکن موجودہ بڑی اور وسیع ریاستوں میں

یہ طریقہ قابل عمل نہیں ہے آج کل ایسی جمہوریت کچھ حد تک سوئٹزرلینڈ میں پائی جاتی ہے۔

2-بالواسطہ جمہوریت (Indirect Democracy)

آج کل طویل وعریض ریاستوں میں بالواسطہ یا نمائندہ جمہوریت کا طریقہ رائج ہے۔

اس طرز حکومت میں تمام شہری ملکی معاملات میں براہ راست حصہ نہیں لے سکتے بلکہ اپنے نمائندوں کے ذریعے کاروبار حکومت سرانجام دیتے ہیں۔ یہ جدید قسم کی جمہوریت ہے۔ جان سٹورٹ مل (John Stuart Mill) نے بالواسطہ جمہوریت کی یہ تعریف کی ہے۔

''ایسا نظام حکومت میں تمام لوگ یا ان کی اکثریت اپنے منتخب نمائندوں کے توسط سے اپنے حاکمانہ اختیارات کا استعمال کرتے ہیں۔''

جمہوریت کی خوبیاں

(Merits Of Democracy)

1-فلاح عامہ

جمہوری حکومت دیگر حکومتوں کے مقابلے میں عام لوگوں کی فلاح و بہبود کا زیادہ خیال رکھتی ہے۔ اس نظام میں کسی مراعات یافتہ طبقے کے لیے کوئی گنجائش نہیں۔ یہ ایک طرح کی فلاحی مملکت (Welfare State) ہوتی ہے۔ جے۔ ایس مل (J-S-Mill) دو وجوہات کی بنا پر جمہوریت کی تعریف کرتا ہے۔

(i) صرف جمہوریت ہی عوام کو یہ موقع فراہم کرتی ہے کہ وہ اپنے حقوق سے بہتر طور پر فائدہ اٹھائیں اور اجتماعی خوشحالی سے ہمکنار ہوں۔

(ii) صرف جمہوریت کی بدولت ہی زیادہ سے زیادہ فوائد حاصل کئے جا سکتے ہیں۔

2-عوام کی حکومت

جمہوریت ایک ایسی طرز حکومت ہے جس میں حکومت بنانے کا اختیار عوام کو حاصل ہوتا ہے۔ عوام کے نمائندے ان کی مرضی کے مطابق حکومت چلاتے ہیں اور جو نمائندے منتخب ہوتے ہیں وہ انہی میں سے ہوتے ہیں۔ جمہوریت میں لوگوں کو اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ حکومت ان کی بنائی ہوئی ہے' اس لیے ہر شخص اپنے فرائض ذمہ داری اور تندہی سے سرانجام دیتا ہے۔

3-اخلاقی بہبود

جمہوریت عوام کے اخلاق کو بلند کرتی ہے' انہیں انسان دوستی' شرافت' باہمی ایثار اور محبت کے اصول سکھاتی ہے' اس لیے اس نظام کو اخلاقی افادیت کی بناء پر بھی پسند کیا جاتا ہے۔ بلاشبہ بہتر حکومت وہ ہے جو فرد کی شخصیت کو فروغ دینے میں مددگار ہو' جمہوری حکومت اس کا بہتر انتظام کرتی ہے۔

4-امن پسند

جمہوری نظام میں ملک گیری کی ہوس کم ہوتی ہے وہ امن پسند ہوتی ہے کیونکہ یہ عوام کی مرضی پر انحصار کرتی ہے' عوام بخوبی جانتے ہیں کہ جنگ کی صورت میں وہ ہی سب سے زیادہ نقصان اٹھائیں گے برٹرینڈ رسل (Bertrand Russell) نے بالکل درست کہا ہے

کہ "جمہوریت کا ایک فائدہ یہ ہے کہ یہ دوسری حکومتوں کی نسبت امن کو زیادہ پسند کرتی ہے۔"

5- حب الوطنی

اس طرز حکومت میں عوام امور حکومت میں بذات خود حصہ لیتے ہیں اور عوام کی حکومت کے ساتھ وابستگی ہوتی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ حکومت اور ملک کے وہ خود مالک ہیں اور یہی احساس ان میں حب الوطنی کے جذبات پیدا کرتا ہے۔

6- ہردلعزیز

چونکہ یہ حکومت عوام کی مرضی کے مطابق چلتی ہے' حکومت عوام کے سامنے جوابدہ ہوتی ہے۔ قانون عوامی نمائندے وضع کرتے ہیں اور وہی نافذ کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ طرز حکومت ہردلعزیز قرار دی جاتی ہے۔

7- انسان دوستی

کسی آمر یا بادشاہ کی نظر میں انسانی زندگی کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی' وہ ہر جائز تنقید کرنے والے کو بھی کچل دیتا ہے' لیکن جمہوریت میں ایسا ممکن نہیں' وہ انسان دوستی کا بھرم رکھتی ہے۔

8- مساوات

مساوات جمہوریت کا بنیادی ستون ہے' جمہوریت آزادی اور مساوات کی علم بردار ہوتی ہے' اس میں ہر شخص یکساں سیاسی حقوق کا مالک ہے' ہر شخص کو ترقی کے مساوی مواقع ملتے ہیں اور کسی کے ساتھ خصوصی اور امتیازی سلوک نہیں کیا جاتا۔ عدالتیں شہریوں کے بنیادی حقوق کی محافظ ہوتی ہیں۔

9- انقلابات سے تحفظ

جمہوریت میں بغاوت اور انقلابات کا خدشہ کم رہتا ہے کیونکہ یہ پرامن ترغیب اور تحریک پر اعتقاد رکھتی ہے' عوام جانتے ہیں کہ اس نظام میں حکومت کو تبدیل کرنے کے لیے آئینی اور پرامن ذرائع موجود ہوتے ہیں' جس کا استعمال انتخاب کے موقع پر با آسانی کیا جا سکتا ہے اس لیے جمہوری حکومتیں ہمیشہ انقلابات سے محفوظ رہتی ہیں۔

10- سیاسی شعور میں اضافہ

یہ نظام عوام میں سیاسی شعور اجاگر کرتا ہے۔ اس طرز حکومت میں انتخابات کثرت اور باقاعدگی سے ہوتے ہیں۔ انتخابات کے وقت ہر سیاسی جماعت ملکی مسائل اور ان کے حل کے لیے تجاویز پیش کرتی ہے جس سے عوام کی سیاسی سمجھ بوجھ میں اضافہ ہوتا ہے۔

جمہوریت کی خامیاں

(Demerits of Democracy)

1- اکثریت کی حکومت

جمہوریت کی سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ اس میں فیصلے اکثریت سے ہوتے ہیں' خواہ اکثریت کا تناسب کتنا کم ہی کیوں نہ ہو اور یہ بھی

ضروری نہیں کہ اکثریت میں اعلیٰ درجے کی قابلیت بھی پائی جاتی ہو۔ اس طرز حکومت میں اہلیت کی بجائے تعداد پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ علامہ اقبال نے بجا کہا ہے

جمہوریت اک طرز حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

جمہوریت کے اس اصول کے مطابق جو حیثیت ایک احمق اور بے وقوف کی رائے کی ہے وہی تجربہ کار سیاست دان کی بھی ہے۔

2- نااہل افراد کے انتخاب کا خدشہ

جمہوریت اس نظریے کی علمبردار ہے کہ ہر شخص قابل اور سمجھ دار ہوتا ہے۔ اس پر اعتراض یہ ہے کہ عوام کی اکثریت کا نہ تو سیاسی شعور بیدار ہوتا ہے اور نہ ہی وہ اپنے ووٹ کی صحیح قدر و قیمت جانتے ہیں۔ اکثریت میں اتنی عقل نہیں ہوتی کہ وہ بہتر اور باصلاحیت افراد کا چناؤ کر سکیں۔ اس طرح حکومت نااہل افراد کے ہاتھوں میں جانے کا خدشہ ہوتا ہے۔

3- سست رفتار نظام حکومت

جمہوری طرز حکومت میں معاملات بڑی سست رفتاری سے اور پیچیدہ مراحل سے گزر کر حل ہوتے ہیں اور بحث و مباحثہ کے ایک طویل عمل سے گزرنا پڑتا ہے اور کسی فیصلے تک پہنچنے کے لیے کافی وقت ضائع ہو جاتا ہے۔

4- پارٹی بازی

جمہوریت کی ایک اور کمزوری جماعتی نظام ہے کیونکہ اس میں پارٹی بازی کا جذبہ بہت شدید ہوتا ہے۔ یہ طرز حکومت تمام قوم کو پارٹیوں، گروہوں اور دھڑوں میں تقسیم کر دیتی ہے جو اپنے مفاد کی خاطر قوم کے مفاد کو قربان کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ اس سے ملک کی بقا اور سالمیت کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہوتا ہے۔ بقول لارڈ برائس "سیاسی جماعتیں عدم استحکام اور جمود کی حوصلہ افزائی کرتی ہیں۔"

5- ہنگامی حالات کے لیے غیر موزوں

ہنگامی حالات میں جمہوریت غیر مستعد ہوتی ہے۔ کیونکہ اس طرز حکومت میں تمام فیصلے بحث و تمحیص کے بعد اور دیر سے کیے جاتے ہیں۔ جس میں بہت سا وقت ضائع ہو جاتا ہے۔ فیصلہ سازی کے سست عمل کے باعث جمہوری نظام ہنگامی حالات میں اکثر اوقات ناکام نظر آتا ہے۔

6- بے جا اصراف

جمہوریت ایک مہنگا اور کثیر المصارف طرز حکومت ہے۔ جس پر بہت زیادہ خرچ ہوتا ہے۔ عدلیہ، انتظامیہ اور قانون ساز ادارے بہت وسیع اور پیچیدہ ہوتے ہیں۔ ہر وقت کہیں نہ کہیں انتخابات ہوتے ہی رہتے ہیں، انتخابات پر کروڑوں روپے صرف کر دیے جاتے ہیں اس لیے یہ غریب اور ترقی پذیر ممالک کے لیے موزوں طرز حکومت نہیں ہے۔ ایک غریب ملک میں معیشت اتنی مستحکم نہیں ہوتی کہ وہ اتنے

اخراجات کا متحمل ہو سکے۔

7-پالیسی میں تسلسل کا فقدان

اس نظام میں حکومتیں جلدی جلدی تبدیل ہوتی ہیں اس لیے اس میں حکومتی پالیسیوں کا تسلسل قائم نہیں رہتا۔اور اس طرح ملک اور عوام نئی اور پرانی پالیسیوں کے چکر میں الجھے رہتے ہیں۔حکومتوں کے عدم استحکام کی وجہ سے ملک دوسرے ممالک کی نظر میں بدنام ہو جاتا ہے اور اس کی پالیسیوں پر اعتماد نہیں کیا جاتا۔

آمریت
(DICTATORSHIP)

مفہوم (Meaning)

آمریت ایسی حکومت کو کہتے ہیں جس میں ریاست کے تمام اختیارات فرد واحد کے ہاتھ میں ہوتے ہیں۔وہ تمام اختیارات اور قوانین کا سرچشمہ ہوتا ہے۔وہ اپنے لامحدود اختیارات کو بغیر کسی پابندی کے استعمال کر سکتا ہے۔آمر اپنے افعال کے لیے کسی کے سامنے جواب دہ نہیں ہوتا اس کا دور اقتدار متعین نہیں ہوتا اسے موت یا جوابی انقلاب ہی اقتدار سے ہٹا سکتا ہے۔

ڈکٹیٹر شپ کا ماخذ لاطینی لفظ ڈکٹیٹر (Dictator) ہے اس کے معنی ہیں "مطلق العنان حکومت" آمریت کی تعریف یوں کی جاتی ہے۔"یہ ایک شخص یا گروہ کا مطلق اقتدار ہے جس کے لیے رعایا یا محکوم کی تائید کی کوئی ضرورت نہیں"۔

آمریت کی اقسام

دور جدید میں مختلف ممالک میں قائم ہونے والی آمریتوں کی مندرجہ ذیل اقسام ہیں۔

i-قومی آمریت

بعض دفعہ آمریت پسند قومیں بخوشی آمرانہ اختیارات اپنی قوم کے مقبول ترین لیڈر کو سونپ دیتی ہیں۔اس کی بڑی بڑی مثالیں یہ ہیں جرمنی میں ہٹلر اٹلی میں مسولینی مصر میں جمال عبدالناصر اور انڈونیشیا میں سوئیکارنو کی آمریتیں۔

ii-فوجی آمریت

یہ قوت کے بل پر قائم کی جاتی ہے دور جدید میں آمریت کی سب سے عام قسم ہے۔ایسی آمریت فوجی لیڈر فوج کی پشت پناہی سے قائم کرتا ہے۔چنانچہ وہ ہمیشہ فوج سے وابستہ رہتا ہے اور اسے مضبوط اور خوش رکھتا ہے موجودہ دور میں کمیونسٹ آمریتوں کو چھوڑ کر قریباً تمام آمریتیں اسی طرح قائم ہوئی ہیں۔

iii-فسطائی آمریت

ایسی آمریت ریاست کو مضبوط بنانے کا نعرہ لگا کر میدان عمل میں اترتی ہے۔اس میں ریاست یا قوم کو خدا کا درجہ دے دیا جاتا ہے۔

فسطائی حکمران جمہوری طریقوں سے برسر اقتدار آتے ہیں اور بعد میں آمرانہ طرزِ عمل اختیار کر لیتے ہیں۔ یہ آمریت جرمنی اور اٹلی میں قائم ہوئی تھی۔

iv-اقتصادی آمریت

آمریت کی ایک ایسی قسم ہے جہاں آمر یا آمرانہ اختیارات کی حامل جماعت کے سامنے بنیادی طور پر قوم کے اقتصادی مسائل حل کرنے کے لیے کوئی پروگرام ہو۔ یہ جماعت عوام کی اقتصادی خوشحالی کا نعرہ لگاتی ہے۔ آمریت کی یہ قسم اشترا کی ممالک مثلاً روس، چین، یوگوسلاویہ، ہنگری، پولینڈ وغیرہ ممالک میں موجود تھی۔

آمریت کی خصوصیات
(Characteristics Of Dictatorship)

1-فردِ واحد کی حکومت

عام طور پر آمریت میں اقتدار فردِ واحد کے پاس ہوتا ہے۔ حکومت میں انتہائی قسم کی مرکزیت ہوتی ہے۔ آمر کی شخصیت کو اجاگر کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے۔

2-ریاست کی تقدیس

آمریت میں ریاست کو مقدس ترین ادارہ گردانا جاتا ہے۔ ریاست کو خدا یا دیوتا کا مقام دے کر اس کی پوجا کی جاتی ہے۔ ریاست کی تقدیس کا پرچار کر کے آمر دراصل اپنی ذاتی شہرت میں اضافہ کرنا چاہتا ہے۔

3-ایک پارٹی کی حکومت

آمریت ایک پارٹی کی حکومت کے اصول پر مبنی ہوتی ہے 'ایک ریاست' ایک جماعت اور ایک لیڈر' اس کا نعرہ ہوتا ہے۔ صرف آمر کی بنائی ہوئی جماعت کو ملک میں کام کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔ باقی تمام پارٹیاں خلافِ قانون قرار دے دی جاتی ہیں۔

4-آزادی کا فقدان

ملک میں کسی شخص کو آمر کی کاروائیوں پر تنقید کا حق نہیں ہوتا اور اگر ایسی تنقید ہو تو اسے سختی کے ساتھ کچل دیا جاتا ہے۔ اس نظام میں شہریوں کی آزادیاں سلب کر لی جاتی ہیں۔

5-اختیارات کا ارتکاز

آمریت میں نظریہ تقسیم اختیارات پر عمل نہیں کیا جاتا۔ حکومت کے انتظامی شعبے کو بے پناہ اختیارات حاصل ہوتے ہیں' مقننہ اور عدلیہ اس کے تابع ہوتی ہے' مقننہ اور عدلیہ کی تمام سرگرمیاں آمر کی منشا کے مطابق انجام پاتی ہیں' بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہے کہ قانون سازی' عدلیہ اور انتظامیہ کے تمام اختیارات حتمی طور پر آمر کے ہاتھ میں ہوتے ہیں۔

6-ہوس ملک گیری

آمر ہر وقت طاقت کے نشے میں مدہوش ہوتا ہے اور اس کا مقصد جارحیت اور ملکی حدود میں توسیع ہوتا ہے۔ آمر دوسرے ملکوں کے خلاف کوئی نہ کوئی محاذ کھولے ہی رکھتا ہے کیونکہ اسے ہمیشہ ملک گیری کی ہوس رہتی ہے۔

7-قومی مفادات

ہر آمر قومی ترقی کے بڑے حسین معاشی منصوبے عوام کے سامنے پیش کرتا ہے تاکہ لوگ معاشی استحکام اور ترقی کے لالچ میں اس کے ہمنوا بن جائیں۔ اس مقصد کی خاطر قومی مفادات کے تحفظ کا پرچار کیا جاتا ہے۔

8-پراپیگنڈہ

ہر آمر اپنے کارناموں اور پروگراموں کا بے پناہ پراپیگنڈہ کرتا ہے۔ تمام ذرائع ابلاغ پر آمر کا مکمل کنٹرول ہوتا ہے۔ وسیع پراپیگنڈہ پروگرام میں اکثر بہت زیادہ جھوٹ کی آمیزش ہوا کرتی ہے۔ ہٹلر کا وزیر اطلاعات کہا کرتا تھا کہ جھوٹ اتنا متواتر بولو کہ لوگ اسے سچ جاننے لگیں۔ آمر پراپیگنڈہ کے ذریعے بین الاقوامی امور پر بھی اپنی جارح پالیسی کو درست قرار دیتا ہے۔

9-خفیہ پولیس کا قیام

آمر اپنی خواہشات کو پورا کرنے اور قوانین یا پروگرام پر عمل کروانے کے لیے خفیہ پولیس کی بڑی وسیع تنظیم رکھتا ہے جسے لامحدود اختیارات حاصل ہوتے ہیں' خفیہ پولیس کو لوگوں کی تلاشی لینے' گرفتار کرنے' مقدمے چلانے اور سزا دینے کے اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔

10-امن پسندی کی مخالفت

آمریت امن کی مخالف ہوتی ہے کیونکہ آمریت اپنی جنگی فطرت کی بنا پر بین الاقوامیت کے خلاف ہے۔ آمروں نے ہمیشہ ہر بین الاقوامی ضابطے اور امن کا مذاق اڑایا ہے۔ اس لیے عالمی امن کو آمروں سے ہمیشہ خطرہ رہتا ہے۔ مسولینی اور ہٹلر نے اعلانیہ جنگ کا نعرہ لگایا' نتیجتاً دنیا دوسری جنگ عظیم کی تباہی سے دوچار ہوئی۔

آمریت کی خوبیاں
(Merits Of Dictatorship)

1-مضبوط حکومت

آمرانہ طرز حکومت کی ایک خوبی یہ ہے کہ یہ ہمیشہ مضبوط و مستحکم ہوتی ہے یہ نظام جمہوری نظام کی افراتفری' بدامنی اور انتشار سے پاک ہوتا ہے۔ آمر کی لامحدود قوت کے سامنے کوئی دم نہیں مار سکتا۔ وہ اپنے مخالفین کو ملک میں بے چینی اور انتشار پھیلانے کی اجازت نہیں دیتا اس لیے اس نظام میں حکومت مستحکم ہوتی ہے۔

2-فوری فیصلے

چونکہ آمر مطلق العنان ہوتا ہے اس لیے وہ ہر کام اپنی مرضی کے مطابق بغیر وقت ضائع کیے فوراً سرانجام دے سکتا ہے' آمریت میں

فیصلے بروقت اور فوری طور پر ہوتے ہیں آمر جو اقدام مناسب سمجھتا ہے فوراً اٹھالیتا ہے۔

3- ہنگامی حالات کے لیے موزوں

یہ نظام بحرانوں یا ہنگامی حالات میں بڑا مؤثر ہوتا ہے۔ اس میں فرد واحد کلی اختیارات کا مالک ہوتا ہے جو تمام مسائل کے بارے میں فوری فیصلے کرسکتا ہے' اس لیے ہنگامی حالات پر قابو پانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

4- پالیسی میں تسلسل

آمریت میں حکومت چونکہ مضبوط اور مستقل ہوتی ہے اس لیے پالیسی کم وبیش ایک جیسی رہتی ہے۔ بنیادی طور پر پروگرام ایک ہی ہوتا ہے۔ حزب اختلاف کی عدم موجودگی کی وجہ سے پروگرام پر عمل کرنے میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں ہوتی۔

5- قومی اتحاد

اس نظام میں مخالف سیاسی جماعتوں کی عدم موجودگی سے لوگوں میں پارٹی بازی اور سیاسی گروہ بندی ختم ہو جاتی ہے' لوگوں میں یکجہتی' اتفاق و اتحاد پیدا ہو جاتا ہے۔ اس طرح لوگوں کی قوت فکر ملکی مفادات کے حصول پر صرف ہوتی ہے۔

6- تعمیر وترقی

آمریت میں نظم ونسق کی اصلاح اور قومی تعمیر وترقی کو اولیت دی جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے پوری قوم قومی ترقی کے جذبے سے سرشار ہوتی ہے۔ ہر شخص یکسوئی' لگن اور دیانت داری کے ساتھ محنت کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے اس لیے ترقی کی رفتار بھی تیز ہوتی ہے۔

7- مضبوط دفاع

اس نظام میں آمر کے اقتدار کا انحصار فوجی قوت پر ہوتا ہے اس لیے فوجی قوت میں اضافے پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے۔ قومی بجٹ کا کافی حصہ دفاع پر خرچ کیا جاتا ہے اس طرح ریاست کا دفاع مضبوط ہوتا ہے اور ریاست اندرونی اور بیرونی خطرات سے محفوظ رہتی ہے۔ جرمنی اور اٹلی مختصر عرصے میں دنیا کی درجہ اول کی فوجی طاقتیں بن گئیں۔

آمریت کی خامیاں
(Demerits Of Dictatorship)

1- جبر وتشدد

آمرانہ نظام حکومت کا ایک بڑا نقص یہ ہے کہ آمر اپنے مخالفین کو کچلنے کے لیے تشدد آمیز طریقے اختیار کرتا ہے' عوام پر ظلم وستم کرنا اس کا شیوہ بن جاتا ہے۔ لوگوں پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے جاتے ہیں۔ ملک میں خوف وہراس کا دور دورہ ہوتا ہے۔

2- امن دشمن

آمریت اپنی جنگی فطرت کی بناء پر بین الاقوامیت کے خلاف ہے۔ آمر روایتی طور پر امن دشمن اور جنگی جنون کا شکار ہوتے ہیں'

مسولینی امن پسندی کو بزدلی کہتا تھا اس لیے ساری قوم کو جنگ کے جنون میں ڈال دیا۔ بلاشبہ دنیا کی تمام بڑی جنگوں کی پشت پر کسی نہ کسی آمر کی ہوس ملک گیری کام کر رہی تھی۔

3-انقلاب کا خطرہ

جمہوریت میں اگر عوام کسی حکومت کو ناپسند کرتے ہوں تو وہ بڑی آسانی سے اس حکومت کو تبدیل کر سکتے ہیں لیکن آمریت میں حکومت کو تبدیل کرنے کا کوئی دستوری اور پرامن راستہ نہیں ہوتا' اس لیے عوام کو تشدد اور خون خرابے کی راہ اختیار کرنی پڑتی ہے کیونکہ آمر سے صرف موت یا انقلاب کے ذریعے ہی کرسی خالی کرائی جا سکتی ہے۔

4- غیر یقینی نظام حکومت

یہ نظام حکومت غیر یقینی ہے' اس بات کی کوئی ضمانت نہیں ہوتی کہ ایک لائق آمر کا جانشین بھی لائق ہوگا۔ آمر ملک کے اندر کسی فرد کو ایسی تربیت ہی نہیں دیتا اور نہ ہی ایسے لیڈر کی حوصلہ افزائی کرتا ہے جو بعد میں اچھی طرح عنان حکومت سنبھال سکے اور قوم کو ترقی دے سکے۔

5- بہتر صلاحیتوں کا خاتمہ

اس طرز حکومت میں ایک نقص یہ ہے کہ اس میں شخصی آزادی اور ترقی پر جمود طاری ہو جاتا ہے۔ فرد کی خودی' عزت نفس' جرات اور قوت اختراع جیسی صلاحیتیں مردہ ہو جاتی ہیں۔ ایسا ماحول اور حالات قوم اور ملک کے لیے مہلک ثابت ہوتے ہیں۔

6- غیر ذمہ دار حکومت

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ آمریت اپنی تمام تر خصوصیات میں جمہوریت کا تضاد ہے' جمہوری حکومت عوام کو جواب دہ ہوتی ہے' جب کہ آمر اپنے افعال کے لیے کسی کے سامنے جواب دہ نہیں ہوتا وہ ہر معاملے میں من مانی کرتا ہے' یہی وجہ ہے کہ عوام آمریت کو پسند نہیں کرتے۔

7- مصنوعی اتحاد

آمر خوف و ہراس پیدا کر کے مصنوعی قومی اتحاد و یک جہتی قائم کرتا ہے اس لیے یہ اتحاد حقیقی بنیادوں پر استوار نہیں ہوتا بلکہ ایسا قومی اتحاد مصنوعی حیثیت رکھتا ہے۔ قومی اتحاد و یکجہتی وہی دیرپا اور پائیدار ہوتے ہیں جس کی بنیاد خوف و ہراس اور تشدد کی بجائے عوام کی منشا پر ہو جونہی آمر کی موت واقع ہوتی ہے یا وہ کمزور ہو جاتا ہے اور اس کی گرفت ڈھیلی پڑ جاتی ہے' ملک میں افراتفری' بے چینی اور سیاسی انتشار پھیل جاتا ہے۔ ہم بلا تامل یہ کہہ سکتے ہیں کہ آمریت اپنی تمام تر خوبیوں کے باوجود جمہوریت کا نعم البدل نہیں ہو سکتی۔

8- شخصیت پرستی

آمرانہ نظام کلی طور پر ایک شخصیت کے گرد گھومتا ہے' اس میں آمر کو ایک بلند و بالا اور مقدس ہستی کے روپ میں پیش کیا جاتا ہے۔ آمر کی شخصیت کو اتنی اہمیت دی جاتی ہے کہ ہر سرکاری دفتر' چوراہے' سڑک اور گھر میں اس کی تصویر موجود ہوتی ہے۔ عوام کو یہ باور کرایا جاتا ہے کہ آمر ہی عوام کے تمام دکھوں اور مسائل کا مداوا ہے۔ لیکن اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بہرحال آمر ایک انسان ہے اور غلطی کر سکتا ہے۔ شخصیت پرستی کا یہ رجحان بہت خطرناک اور گمراہ کن ہے۔ لہٰذا کسی فرد کی بجائے اداروں کو مضبوط بنانا چاہیے اور عوام کی وابستگیاں

اور وفاداری کسی فرد کی بجائے اداروں سے ہونی چاہیے۔

وحدانی اور وفاقی طرز حکومت
(Unitary And Federal Forms Of Government)

وحدانی طرز حکومت (Unitary Government)

مفہوم (Meaning)

اس نظام میں تمام اختیارات مرکزی حکومت کے پاس ہوتے ہیں۔ اس نظام میں حکومت کے تینوں شعبوں مقننہ' انتظامیہ اور عدلیہ کی ایک ہی مرکزی تنظیم ہوتی ہے۔ آئین کے تحت تمام اختیارات اسی مرکزی تنظیم کو حاصل ہوتے ہیں۔ تاہم انتظامی سہولت کے لیے ملک کو کچھ صوبوں یا اکائیوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ آئینی لحاظ سے ان صوبوں یا اکائیوں کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ ان کو جو اختیارات حاصل ہوتے وہ مرکز کی طرف سے تفویض کیے جاتے ہیں۔ مرکزی حکومت جب چاہے ان اختیارات میں کمی بیشی کر سکتی ہے بلکہ ان اختیارات کو کلی طور پر ختم بھی کیا جا سکتا ہے۔ برطانیہ، فرانس، اٹلی اور جاپان وغیرہ اس کی مثالیں ہیں۔

وحدانی طرز حکومت کی خصوصیات (Characteristics)

1- وحدانی نظام حکومت میں اعلیٰ انتظامی اختیارات مرکزی حکومت کو حاصل ہوتے ہیں۔

2- انتظامی سہولت کے لیے کچھ مقامی ادارے قائم کیے جاتے ہیں۔

3- اس نظام میں تقسیم اختیارات کا اصول کار فرما نہیں ہوتا۔ تمام اختیارات مرکزی حکومت کے پاس ہوتے ہیں۔

4- اس نظام میں ضروری نہیں کہ آئین تحریری اور استوار ہو۔

5- وحدانی نظام میں عدلیہ کو برتر حیثیت حاصل نہیں ہوتی۔ تقسیم اختیارات کی عدم موجودگی میں اختیارات کے بارے میں تنازعات پیدا نہیں ہوتے۔

وحدانی حکومت کی خوبیاں (Merits)

1- سادہ اور آسان

اس طرز حکومت کی تنظیم بڑی سادہ ہوتی ہے۔ ملک میں ایک ہی مرکزی حکومت ہوتی ہے۔ اور اس کے تینوں شعبوں کا ڈھانچہ ایک ہوتا ہے۔ شہریوں کے لیے ان کی کارکردگی کا جائزہ لینا آسان ہوتا ہے۔ کیونکہ ان کی ساخت میں کسی قسم کی پیچیدگی نہیں ہوتی۔

2- لچک

وحدانی طرز حکومت میں بڑی لچک ہوتی ہے۔ یہ بدلے ہوئے حالات کے مطابق اپنے آپ کو آسانی سے ڈھال سکتی ہے اور

حالات کے مطابق فیصلے کر سکتی ہے۔

3- مضبوط اور مستقل پالیسی

اس نظام حکومت میں اعلیٰ اختیارات صرف مرکزی حکومت کے پاس ہوتے ہیں، اس میں کسی صوبائی اور علاقائی حکومت سے مشورہ کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی، اس لیے وحدانی حکومت داخلی اور خارجی امور میں مضبوط اور مستقل پالیسی اختیار کر سکتی ہے۔

4- چھوٹی ریاستوں کے لیے موزوں

وحدانی طرز حکومت ان ریاستوں کے لیے موزوں ہے جو رقبے کے لحاظ سے چھوٹی ہوں، اس طرح ایک ہی قسم کا قانون ملک کے تمام حصوں کی ضروریات کو پورا کر سکتا ہے۔

5- کم خرچ

چونکہ وحدانی نظام میں حکومت کے تینوں شعبوں یعنی مقننہ، انتظامیہ اور عدلیہ کا ڈھانچہ ایک ہی ہوتا ہے۔ صوبائی حکومتیں نہیں ہوتیں' اس لیے ملکی خزانے پر زیادہ بوجھ نہیں پڑتا۔

6- نظم و نسق میں یکسانیت

وحدانی طرز حکومت کی ایک خوبی یہ ہے کہ ملک میں قوانین اور نظم و نسق میں یکسانیت پائی جاتی ہے مرکزی حکومت تمام ملک کے لیے یکساں قوانین اور پالیسی وضع کرتی ہے۔

7- اتحاد اور یک جہتی

یہ حکومت اتحاد اور یک جہتی کی علامت ہے' سیاسی وحدت اور تنظیم کی یکسانیت کی وجہ سے لوگوں میں اتحاد' ہم آہنگی اور یک جہتی پیدا ہوتی ہے۔

وحدانی حکومت کی خامیاں (Demerits)

1- بڑے ممالک کے لیے ناموزوں

وحدانی حکومت چھوٹے ملکوں کے لیے تو موزوں ہے مگر ان ملکوں کے لیے موزوں نہیں جن کا رقبہ اور آبادی بہت زیادہ ہو' مختلف نسلیں آباد ہوں اور جہاں مختلف ثقافتیں اور مذاہب پائے جاتے ہوں۔

2- مقامی مسائل سے بے توجہی

وحدانی ریاست میں صرف ایک ہی مرکزی حکومت ہوتی ہے۔ اس لیے ایسی حکومت مقامی اور علاقائی مسائل پر زیادہ توجہ نہیں دے سکتی۔

3-سیاسی تربیت کا فقدان

وحدانی حکومت میں صوبائی اور علاقائی سیاسی ادارے نہیں ہوتے اس لیے علاقائی سرگرمیوں کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہوتی جس کے باعث شہریوں کی سرگرمیاں مرکز تک محدود ہو کر رہ جاتی ہیں۔ اور تھوڑے سے لوگوں کو ہی مرکزی حکومت کے معاملات میں حصہ لینے کا موقع ملتا ہے۔ لہٰذا عوام کی اکثریت کی سیاسی تربیت نہیں ہو پاتی۔

4- قوت اختراع کی پامالی

گارنر کہتا ہے کہ "وحدانی طرز حکومت مقامی طور پر افراد کی قوت اختراع کو پامال کر دیتی ہے اور افراد کی عوامی امور میں دلچسپی زیادہ ہونے کی بجائے کم ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ مقامی حکومتوں کی قدر و قیمت کو گھٹا دیتی ہے"۔

5- افسر شاہی کی خرابیاں

اس نظام میں زیادہ تر معاملات عوامی نمائندوں کی بجائے سرکاری افسروں کے سپرد ہوتے ہیں' اس سے سفارش' اقربا پروری' رشوت اور سرخ فیتہ جیسی افسر شاہی کی خرابیاں عام ہو جاتی ہیں۔

وفاقی طرز حکومت (Federal Government)

وفاقی طرز حکومت ایسے نظام کو کہتے ہیں جس میں آئین کے تحت حکومت کے اختیارات کو ریاست کی مرکزی اور علاقائی حکومتوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ وفاقی حکومت کو انگریزی میں (Federal Government) فیڈرل گورنمنٹ کہتے ہیں۔ یہ لاطینی (Latin) زبان کے ایک لفظ (Foedus) سے نکلا ہے جس کا مطلب "معاہدہ" یا سمجھوتہ ہے۔ گویا اس کا مطلب یہ ہے کہ مختلف آزاد ریاستیں ہی باہمی معاہدے کے ذریعے ایک نئی ریاست تشکیل دیتی ہیں۔

ڈائسی (Dicey) کا کہنا ہے "وفاق ایک ایسی سیاسی تنظیم ہے جس میں قومی اتحاد اور اختیارات کو علاقائی حقوق کے ساتھ ہم آہنگ کیا جاتا ہے"۔

وفاق میں شامل اکائیوں کو دنیا کے مختلف ممالک میں مختلف ناموں سے پکارا جاتا ہے۔ پاکستان اور بھارت میں اس اکائی کو صوبہ (Province) امریکہ میں ریاست (State) اور سوئٹزرلینڈ میں کینٹن (Canton) کہا جاتا ہے۔

وفاقی طرز حکومت کی خصوصیات

(Features Of Federal Government)

1- آئین کی برتری

وفاقی حکومت میں آئین کو برتری اور تقدس حاصل ہوتا ہے۔ پروفیسر ویئر (Wheare) کا کہنا ہے کہ "اگر حکومت وفاقی ہوگی تو اس کا آئین بھی برتر ہوگا"

2- تقسیم اختیارات

وفاقی حکومت میں دو قسم کی حکومتیں ہوتی ہیں' مرکزی اور صوبائی حکومتوں کے درمیان اختیارات کو آئین کے تحت واضح طور پر تقسیم کر دیا جاتا ہے۔

3- تحریری اور استوار آئین

وفاقی حکومت کا آئین تحریری اور عموماً استوار ہوتا ہے۔

4- دو ایوانی مقننہ

وفاق میں مرکزی مقننہ دو ایوانوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ ایوان زیریں میں مختلف علاقوں کو آبادی کی بنیاد پر اور ایوان بالا میں صوبوں یا اکائیوں کو مساوی نمائندگی دی جاتی ہے۔

وفاقی طرز حکومت کی خوبیاں
(Merits Of Federal Government)

1- بڑی ریاستوں کے لیے موزوں

وفاقی حکومت بڑی ریاستوں کے لیے زیادہ موزوں ہے۔ اس طرز حکومت میں کئی اکائیاں ہوتی ہیں جو بخوبی علاقائی مسائل حل کر سکتی ہیں۔ جہاں لوگوں میں لسانی، مذہبی، ثقافتی یا نسلی اختلافات موجود ہوں، وہاں وفاقی نظام ہی بہتر رہتا ہے۔

2- اخراجات میں بچت

اخراجات کے لحاظ سے بھی وفاق کافی سودمند ہے کیونکہ چھوٹی چھوٹی ریاستیں مل کر ایک وفاق بناتی ہیں جہاں ان کے اخراجات کم ہو جاتے ہیں مثلاً پاکستانی وفاق کا ایک سفیر امریکہ میں ہے لیکن اگر وفاق نہ ہو تو چاروں صوبوں کو اپنا علیحدہ علیحدہ سفیر امریکہ میں مقرر کرنا پڑے گا ایسی صورت میں اخراجات چار گنا زیادہ ہو جائیں گے۔

3- مضبوط ریاست

وفاق کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں شامل ہو کر چھوٹی اور کمزور ریاستیں بھی طاقتور بن جاتی ہیں' موجودہ دور کی عالمی سیاست میں چھوٹی اور کمزور ریاستوں کے حقوق کی کوئی پرواہ نہیں کی جاتی' اس لیے ایسی ریاستوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ بیرونی حملوں سے تحفظ کے لیے آپس میں متحد ہو جائیں۔ اس کا ایک مثبت پہلو یہ بھی ہے کہ چھوٹی ریاستیں وفاق کے ذریعے متحد اور مضبوط بن کر امن عالم کی راہ ہموار کرتی ہیں۔

4- استبدادیت کی نفی

وفاقی حکومت مطلق العنانیت' نوکر شاہی اور استبدادیت کے رجحان کا سدباب کرتی ہے۔ آئین تحریری اور استوار ہوتا ہے۔ اس

لیے ہر دو طرح کی حکومتوں کے اختیارات' فرائض اور دائرہ کار متعین ہوتا ہے۔ یہ دونوں حکومتیں ایک دوسرے پر کڑی نظر رکھتی ہیں نیز عدلیہ آزاد اور برتر ہونے کی وجہ سے کسی بھی قانون یا حکومتی کارروائی کو جو آئین کے خلاف ہو' غیر آئینی قرار دے کر ختم کر سکتی ہے۔ اس طرح وفاقی حکومت من مانی نہیں کر سکتی۔

5- سیاسی سوجھ بوجھ میں اضافہ

وفاقی طرز حکومت میں دوہرا نظام ہوتا ہے۔ مقامی نوعیت کے مسائل مقامی حکومتوں کے سپرد ہوتے ہیں عوام کو مقامی مسائل میں دلچسپی لینے کا موقع ملتا ہے اور ان کو اپنی صلاحیتیں اجاگر کرنے کے کافی مواقع حاصل ہوتے ہیں۔

6- تجربات کے مواقع

وفاقی طرز حکومت میں اکائیوں کو انتظامی اور سیاسی تجربات کرنے کے بہترین مواقع ملتے ہیں لارڈ برائس کہتا ہے

''وفاقیت مقامی قانون سازی اور نظم و نسق میں تجربات کی اجازت دیتی ہے جو اگر سارے ملک میں کیے جائیں تو اس کے خطرناک نتائج ثابت ہو سکتے ہیں۔ جب کہ وفاقی حکومت میں ان کا اثر صرف خاص علاقے پر پڑتا ہے۔''

7- عالمی ریاست کا قیام

بعض مفکرین کا خیال ہے کہ وفاق کے اصول پر عالمی ریاست کے قیام کا خواب حقیقت میں بدلا جا سکتا ہے۔ ایسی ریاست کی مشترکہ حکومت دنیا کی مختلف ریاستوں کے مشترکہ مسائل کو حل کر سکتی ہے جب کہ داخلی طور پر یہ تمام ریاستیں خود مختار حیثیت کی مالک ہوں گی وحدانی نظام کے تحت اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

وفاقی طرز حکومت کی خامیاں

(Demerits of Federal Government)

1- پیچیدہ نظام

وفاقی نظام' وحدانی نظام کے برعکس عام فہم نہیں' دو حکومتیں ہونے کی وجہ سے اس میں خاصی پیچیدگیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ وفاق کی کامیابی کے لیے اعلیٰ شعور کی ضرورت ہے اور جس کی توقع عام آدمی سے نہیں کی جا سکتی۔

2- استوار آئین

وفاقی نظام میں اختیارات کو دو حصوں میں تقسیم کرنا ہوتا ہے نیز تقسیم اختیارات ہر دور کے لیے مکمل، جدید تقاضوں کے مطابق اور مناسب نہیں ہو سکتے۔ چونکہ وفاق کا آئین عموماً بے لچک اور استوار ہوتا ہے جس سے وفاقی حکومت کی ضروری امور اور تیز رفتار ترقی کے مقاصد سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتی' لہٰذا استوار آئین ارتقا اور تبدیلی کی صلاحیت سے عاری ہونے کے باعث ہمیشہ جامد اور رجعت پسند ہوتا ہے۔

3-علیحدگی کا خطرہ

وفاق میں شامل اکائیاں چونکہ بعض معاملات میں خود مختار ہوتی ہیں اس لیے اکائیوں کے درمیان تنازعات اور اختلافات پیدا ہو جاتے ہیں اور بعض اوقات وفاق کے ٹوٹ جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔

4-غیر معمولی اخراجات

وفاقی نظام میں حکومت کے اخراجات اول سے آخر تک دہرے ہوتے ہیں کیونکہ اس نظام میں حکومتوں کا ڈھانچہ دہرا ہوتا ہے مثلاً امریکہ اگر ایک وحدانی ملک ہوتو اسے صرف ایک قانون ساز اسمبلی کا خرچ برداشت کرنا پڑے لیکن چونکہ امریکہ پچاس اکائیوں پر مشتمل ایک وفاقی مملکت ہے اس لیے امریکی عوام کو پچاس علاقائی قانون ساز اداروں کا خرچ برداشت کرنا پڑتا ہے عدلیہ اور انتظامیہ کا خرچ بھی اس نسبت سے بڑھ جاتا ہے مزید برآں عوام کو بھی دوہرے ٹیکس ادا کرنا پڑتے ہیں۔

5- کمزور حکومت

وحدانی نظام کی سب سے بڑی خوبی یہ کہ اس کے تحت مضبوط حکومت قائم ہوتی ہے۔ کیونکہ حکومت ہر قسم کے اختیارات کی مالک ہوتی ہے مگر وفاق میں تقسیم اختیارات کی وجہ سے مرکزی حکومت کے اختیارات محدود ہوتے ہیں اس لیے حکومت اندرونی طور پر کوئی ٹھوس پالیسی اختیار نہیں کرسکتی۔ بعض اوقات مختلف اکائیوں میں ایک ہی موضوع پر متضاد قوانین پائے جاتے ہیں۔ بیرونی معاملات میں بھی وفاقی حکومت کوئی مضبوط پالیسی اختیار نہیں کرسکتی۔

6-انتشار و خلفشار

وفاقی ریاست میں متضاد قسم کے نعرے بلند ہوتے رہتے ہیں۔ اس میں ایک طرف تو مضبوط مرکز کا نعرہ بلند ہوتا ہے اور دوسری طرف وفاقی اکائیوں یا یونٹوں کے حقوق اور خود مختاری کا نعرہ لگتا ہے یہ تضاد اور انتشار ان وفاقی ریاستوں میں کئی دفعہ بڑھ جاتا ہے یوں ملک میں اتحاد کی بجائے نفاق کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے۔

7-عدلیہ کا آمرانہ رویہ

وفاقی حکومت میں عدلیہ کو وسیع اختیارات حاصل ہوتے ہیں وفاق میں چونکہ دو مکمل اور آزاد حکومتیں ہوتی ہیں۔ اس لیے دائرہ کار پر یا کسی اور وجہ سے مرکزی اور اکائی حکومتوں کے درمیان اکثر جھگڑا چلتا رہتا ہے ایسے حالات میں ایک تو وفاق کمزور ہوتا ہے اور دوسرا عدلیہ کو برتر محافظ دستور ہونے کی حیثیت سے مداخلت کا موقع مل جاتا ہے وہ مرکزی یا صوبائی حکومت کے بنے ہوئے کسی قانون کو غیر آئینی قرار دے سکتی ہے اس لیے مجلس قانون ساز خواہ وہ مرکزی ہو یا اکائیوں کی، قانون سازی کے معاملہ میں اکثر محتاط رہتی ہے۔ کیونکہ مقننہ کے منظور کردہ کسی قانون کو بھی عدلیہ دستور کی حفاظت کی آڑ میں کالعدم قرار دے سکتی ہے۔

نیم وفاق (Confederation)

وفاق اور نیم وفاق یا کنفیڈریشن دونوں الفاظ کا مادہ ایک ہی لفظ ہے۔ بعض اوقات ان دونوں کو ایک ہی معنوں میں استعمال کیا

جاتا ہے' تاہم نیم وفاق اور وفاق بنیادی طور پر ایک دوسرے سے مختلف ہیں نیم وفاق چند آزاد اور خودمختار ریاستوں کا اتحاد ہوتا ہے' یہ اتحاد عارضی ہوتا ہے۔ اس اتحاد کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ چند ایک مشترک مسائل کو مختلف ممالک مل کر حل کر لیں۔

i- اوپن ہائم

''نیم وفاق چند آزاد ریاستوں پر مشتمل ہوتا ہے جو اپنی داخلی اور خارجی آزادی کو برقرار رکھنے کے لیے ایک معاہدے کی رو سے ایک اتحاد قائم کرتی ہیں' جن کی اپنی تنظیم ہوتی ہے جن کا تعلق شہریوں کی بجائے رکن ریاستوں سے ہوتا ہے''۔

ii- بلنٹشلی

''نیم وفاق ایک حقیقی ریاست کی بجائے کئی آزاد ریاستوں کا مجموعہ ہوتا ہے''۔

وفاق اور نیم وفاق میں مشابہت

وفاق اور نیم وفاقی نظام میں دو باتوں میں مشابہت پائی جاتی ہے۔

☆ ان دونوں میں کچھ آزاد ریاستیں اتحاد قائم کرتی ہیں۔

☆ ایک مرکزی ادارہ یا تنظیم تشکیل دیتی ہیں۔

وفاق اور نیم وفاق میں فرق

(1) نیم وفاق آزاد اور خودمختار ریاستوں کا ایسا مجموعہ ہوتا ہے جس میں ریاستیں اپنے اقتدار اعلیٰ سے محروم نہیں ہوتیں جب کہ وفاق میں شامل ہونے والی ریاستوں کی اپنی انفرادی ریاستی حیثیت ختم ہو جاتی ہے اور ایک نئی ریاست کو جنم دیتی ہیں جس کے پاس اقتدار اعلیٰ ہوتا ہے۔

(2) وفاق مستقل نوعیت کا اتحاد ہے۔ اس میں شامل اکائیوں کو علیحدگی اختیار کرنے کا قانونی حق نہیں ہوتا مگر نیم وفاقی اتحاد بالکل عارضی اور مخصوص عرصہ کے لیے ہوتا ہے۔ نیم وفاق میں شامل ریاستیں جب چاہیں اس اتحاد کو خیرباد کہہ سکتی ہیں۔

(3) وفاق میں مرکزی حکومت کا تعلق براہ راست ملک کے تمام شہریوں سے ہوتا ہے' نیم وفاق میں مشترکہ تنظیم یا حکومت صرف ریاستوں کی حکومت سے واسطہ رکھتی ہے۔ اس کا تعلق شہریوں سے نہیں ہوتا۔

(4) وفاق میں شامل اکائیوں کے درمیان جنگ چھڑ جائے تو اسے خانہ جنگی تصور کیا جاتا ہے۔ اگر نیم وفاق میں شامل ریاستوں کے درمیان جنگ چھڑ جائے تو اسے بین الاقوامی جنگ کہتے ہیں کیونکہ وہ آزاد اور خودمختار ملکوں کے درمیان ہو رہی ہوتی ہے۔

(5) وفاق کی مرکزی حکومت آئین کے تحت قوانین وضع کرتی ہے جب کہ نیم وفاق میں مشترکہ حکومت کے پاس قانون وضع کرنے کا اختیار نہیں ہوتا' وہ صرف تجاویز اور سفارشات پیش کر سکتی ہے۔

(6) وفاق میں شامل تمام ریاستوں کو بین الاقوامی قانون کی رو سے ایک ہی ریاست تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس میں شامل اکائیاں کسی بین الاقوامی تنظیم کی رکن نہیں بن سکتیں۔ اس کے برعکس نیم وفاق میں شامل ہر ریاست کسی بھی بین الاقوامی تنظیم کی رکن بن سکتی ہے۔

(7) وفاق میں آزاد، برتر اور بااختیار عدلیہ کا وجود ناگزیر ہے تاکہ آئین کی پوری حفاظت ہو سکے اور مرکزی اور صوبائی حکومتوں کے مابین تنازعات کا فیصلہ ہو سکے۔ مگر نیم وفاق میں کسی ایسی عدلیہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔

(8) وفاق میں شامل تمام اکائیوں میں بسنے والے افراد ایک قوم کہلاتے ہیں۔ پاکستان میں سندھی، پنجابی، بلوچ اور پٹھان سب ایک ہی قوم کے افراد ہیں۔ نیم وفاق میں شامل ریاستوں کے باشندے اپنی اپنی قومیت برقرار رکھتے ہیں۔

پارلیمانی طرز حکومت

(Parliamentary Form Of Government)

پارلیمانی طرز حکومت کو وزارتی یا ذمہ دار حکومت بھی کہتے ہیں۔ اس طرز حکومت میں پارلیمنٹ مقتدر اعلیٰ ہوتی ہے۔ جو پارٹی مقننہ میں زیادہ نشستیں حاصل کرتی ہے، اس کے لیڈر کو وزارت عظمیٰ پیش کی جاتی ہے۔ چونکہ مجموعی طور پر کابینہ اور وزیر اعظم مقننہ کے سامنے ذمہ دار ہوتے ہیں اس لیے اسے ذمہ دار حکومت بھی کہا جاتا ہے۔ اس طرز حکومت میں سربراہ مملکت کو محض رسمی اور برائے نام قسم کے اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔ انتظامیہ کے حقیقی اختیارات کابینہ کے پاس ہوتے ہیں جس کا سربراہ وزیر اعظم ہوتا ہے پارلیمانی نظام کی بہترین مثالیں برطانیہ اور بھارت کی حکومتیں ہیں۔

پارلیمانی طرز حکومت کی امتیازی خصوصیات

1- اس طرز حکومت میں مقننہ کو بنیادی، برتر اور اعلیٰ حیثیت حاصل ہوتی ہے۔

2- سربراہ مملکت خواہ وہ برطانیہ کی طرح موروثی بادشاہ یا ملکہ ہو یا بھارت اور پاکستان کی طرح مقررہ معیاد کے لیے منتخب صدر ہو، ان کے اختیارات برائے نام ہوتے ہیں۔

3- انتظامیہ کے حقیقی اختیارات وزیر اعظم اور اسکی کابینہ کو حاصل ہوتے ہیں۔

4- کابینہ مقننہ کے سامنے جواب دہ ہوتی ہے۔

5- پارلیمانی طرز حکومت میں مقننہ اور انتظامیہ میں ہم آہنگی اور اشتراک وتعاون پایا جاتا ہے کیونکہ وزیر اعظم اور وزرا انتظامی محکموں کے سربراہ ہونے کے ساتھ ساتھ مقننہ کے بھی رکن ہوتے ہیں۔

6- اس طرز حکومت میں تقسیم اختیارات کے نظریہ پر عمل نہیں کیا جاتا۔

7- کابینہ کے تمام وزرا مشترکہ طور پر مقننہ کو جواب دہ ہوتے ہیں۔

8- پارلیمانی طرز حکومت میں وزیر اعظم کو بہت اہم حیثیت حاصل ہوتی ہے وہ ایک ایسا محور ہوتا ہے جس کے گرد حکومت کی ساری مشینری گردش کرتی ہے۔

پارلیمانی طرز حکومت کی خوبیاں
(Merits Of Parliamentary Form Of Government)

1- ہم آہنگی

اس طرز حکومت میں انتظامیہ اور مقننہ میں مکمل ہم آہنگی' تعاون اور اشتراک پایا جاتا ہے۔ وزیراعظم اور اس کے تمام وزراء مقننہ کے بھی ارکان ہوتے ہیں۔ ان کی دوہری ذمہ داری ہوتی ہے۔ وہ قانون سازی میں شرکت کے علاوہ انتظامی فرائض بھی سرانجام دیتے ہیں' ان کے اس دوہرے تعلق سے مقننہ اور انتظامیہ میں ہم آہنگی اور تعاون پایا جاتا ہے۔

2- ذمہ دار حکومت

پارلیمانی طرز حکومت ایک ذمہ دار طرز حکومت ہوتی ہے کیونکہ وزراء اور وزیراعظم انفرادی اور اجتماعی طور پر مقننہ کے سامنے جواب دہ ہوتے ہیں اس لیے رائے عامہ کو نظر انداز کرنے کی جرأت نہیں کرتے کیونکہ مقننہ ان کے خلاف عدم اعتماد کا اظہار کر کے انہیں اقتدار سے محروم کر سکتی ہے۔

3- لچکدار نظام

پارلیمانی نظام میں لچک پائی جاتی ہے اس لیے آسانی کے ساتھ حالات کے مطابق ڈھل جاتا ہے' جنگ' بحران یا دوسرے ہنگامی حالات سے عہدہ برآ ہونے کے لیے بھی حکومت میں فوری طور پر تبدیلی لائی جا سکتی ہے۔

4- قابل وزیراعظم

پارلیمانی نظام کے تحت ذہین' تجربہ کار اور قابل ترین افراد وزارت عظمیٰ تک پہنچتے ہیں۔ عام طور پر صرف وہی آدمی وزیراعظم بن سکتا ہے۔ جو بہت بڑی پارٹی اور ملک کی اکثریت کا قائد ہو۔ اس طرز حکومت میں برطانیہ میں چرچل' ایڈن' لائیڈ جارج' ڈزرائیلی اور گلیڈسٹون جیسے بڑے لیڈر وزیراعظم کے عہدے پر فائز رہے۔

5- مؤثر انتظامی پالیسی

پارلیمانی طرز حکومت میں وزیراعظم جو کچھ بھی کرتا ہے پورے اعتماد سے کرتا ہے کیونکہ مقننہ کابینہ اور خود سربراہ مملکت اس کے ساتھ ہوتا ہے اس لیے اس کی انتظامی پالیسی اور حکومت زیادہ مستحکم ہوتی ہے۔

6- سیاسی تربیت

دوسری طرز ہائے حکومت کی نسبت اس میں لوگوں کی سیاسی تربیت زیادہ بہتر طریق سے ہو سکتی ہے۔ اس نظام میں سیاسی عمل انتخابات کے بعد بھی جاری رہتا ہے' سیاسی پارٹیاں ہر وقت سرگرم عمل رہتی ہیں اور عوام کو سیاسی' اقتصادی' سماجی اور بین الاقوامی حالات سے آگاہ کرتی رہتی ہیں۔ مقننہ میں بحث و مباحثہ کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ سیاسی جماعتیں عوام کے مسائل اور ان کا حل قومی اسمبلی کے سامنے پیش کرتی ہیں' اس طرح عوام کا شعور بڑھتا ہے اور ان میں سیاسی بیداری پیدا ہوتی ہے اور ان کی سیاسی تربیت ہوتی ہے۔

7- حزب مخالف کا کردار

پارلیمانی طرز حکومت میں حزب مخالف باقاعدہ طور پر منظم ہوتی ہے یہ اہم کردار ادا کرتی ہے اور متبادل قیادت مہیا کرتی ہے۔ اس لیے اس کو شیڈو کیبنٹ (Shadow Cabinet) بھی کہتے ہیں۔ حزب مخالف کو برطانوی سیاست میں اتنی زیادہ اہمیت حاصل ہے کہ جارج برنارڈ شاہ کو کہنا پڑا کہ "برطانیہ کا وزیر اعظم اپنی بیوی سے زیادہ حزب مخالف کے لیڈر سے متعلق معلومات رکھتا ہے۔" اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حکومت کس حد تک حزب اختلاف کی رائے کا دھیان رکھتی ہے۔

پارلیمانی طرز حکومت کی خامیاں

(Demerits Of Parliamentary Form Of Government)

1- غیر مستحکم

اس نظام کا سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ اس میں انتظامیہ مستحکم نہیں ہوتی۔ حکومت کسی وقت بھی ٹوٹ سکتی ہے حکومت اس وقت تک برسر اقتدار رہتی ہے جب تک اسے مقننہ کا اعتماد حاصل ہو۔ اکثر اوقات مقننہ میں کسی سیاسی جماعت کو بھی واضح اکثریت حاصل نہیں ہوتی۔ مخلوط حکومت کے سبب ہر وقت حکومت کے ٹوٹ جانے کا خطرہ رہتا ہے۔

2- کمزور انتظامیہ

پارلیمانی نظام کا بنیادی اصول مقننہ کی برتری اور بالادستی ہے۔ اس نظام میں صدارتی نظام کے برعکس انتظامیہ مقننہ کے اثر سے آزاد نہیں ہوتی بلکہ ہر معاملے میں مقننہ کی خوشنودی اور رضامندی حاصل کرنے کی پابند ہوتی ہے اور کوئی فیصلہ مقننہ کی مرضی کے بغیر نہیں کر سکتی۔

3- غیر مسلسل پالیسی

اس نظام میں حکومت کا مستقبل ہمیشہ غیر یقینی ہوتا ہے۔ حکومت مضبوط اور مستحکم بنیادوں پر قائم نہیں ہوتی لہٰذا کوئی حکومت مشکل سے ہی طویل میعاد کی پالیسیوں پر عمل پیرا ہو سکتی ہے۔

4- محلاتی سازشیں

پارلیمانی نظام میں مقننہ سیاسی سازشوں اور جوڑ توڑ کی آماجگاہ بن جاتی ہے۔ ہر جماعت دوسری جماعت کو شکست دینے کے لیے ہر ممکن جائز و ناجائز حربہ استعمال کرتی رہتی ہے۔

5- ہنگامی حالات میں غیر مؤثر

پارلیمانی طرز حکومت بحران اور جنگ میں ہنگامی حالات کا ساتھ نہیں دے سکتی۔ کیونکہ اس نظام میں فیصلے کرنے کا عمل انتہائی سست رفتار ہوتا ہے۔ حالات کتنے ہی سنگین کیوں نہ ہوں وزیر اعظم اپنی کابینہ سے مشورہ کیے بغیر کوئی اہم قدم نہیں اٹھا سکتا۔ اسے مقننہ کو بھی اعتماد میں لینا پڑتا ہے۔ یہ تاخیر ملکی سلامتی کے لیے خطرے کا باعث بن سکتی ہے۔

6- کابینہ کی مطلق العنانی

اس نظام میں سیاسی اقتدار اکثریتی جماعت کی اجارہ داری بن جاتا ہے اور جب تک اس کی مقننہ میں اکثریت قائم ہو وہ آمرانہ اختیار حاصل کر لیتی ہے۔ وہ بیک وقت انتظامیہ اور مقننہ کو کنٹرول کرنے کی حیثیت میں ہوتی ہے' ان دو اہم شعبوں پر مکمل کنٹرول حاصل ہو جانے کی وجہ سے کابینہ اپنی آمریت قائم کر لیتی ہے۔

7- انتظامی اُمور سے بے توجہی

اس طرز حکومت میں وزراء کو اپنے انتظامی فرائض کے علاوہ پارلیمانی فرائض بھی سرانجام دینے پڑتے ہیں۔ وزراء کی مقننہ میں شمولیت ان کے انتظامی امور میں حائل ہوتی ہے۔

8- نااہل افراد کا تقرر

پارلیمانی نظام میں وزیر اعظم کو کابینہ میں صرف ایسے افراد شامل کرنے پڑتے ہیں جو نہ صرف مقننہ کے ممبر ہوں بلکہ اس کی اپنی جماعت کے بھی اہم رکن ہوں' وزراء کا تقرر کرتے وقت متعلقہ شعبے سے متعلق ان کی اہلیت کو اکثر نظر انداز کر دیا جاتا ہے' اہلیت کی بجائے جماعت سے وفاداری' سیاسی سودے بازی' جماعتی سیاست میں فرد کی حیثیت و مقام وغیرہ کو زیادہ دخل حاصل ہوتا ہے۔

صدارتی طرز حکومت

(Presidential Form Of Government)

صدارتی طرز حکومت میں انتظامیہ کے مطلق اختیارات ایک منتخب صدر کو حاصل ہوتے ہیں جس کے عہدے کی میعاد مقننہ کی مرضی پر نہیں ہوتی بلکہ آئین کی رو سے مقرر ہوتی ہے۔ صدر نہ صرف ریاست کا سربراہ ہوتا ہے بلکہ انتظامیہ کا بھی قائد ہوتا ہے۔ وہ مقننہ کے سامنے جواب دہ نہیں ہوتا۔ صدر اور اس کے وزراء مقننہ کے رکن نہیں ہوتے۔ امریکہ میں صدارتی طرز حکومت رائج ہے۔

صدارتی طرز حکومت کی امتیازی خصوصیات

1- صدارتی طرز حکومت میں صدر بیک وقت ریاست اور حکومت کا سربراہ ہوتا ہے۔

2- اس نظام میں انتظامیہ اور مقننہ میں ہم آہنگی نہیں پائی جاتی۔

3- صدر کو بالواسطہ (Indirect) یا بلاواسطہ (Direct) عوام منتخب کرتے ہیں۔

4- صدارت کے عہدے کی میعاد مقرر ہوتی ہے۔ صدر کو میعاد پوری ہونے سے پہلے عہدے سے ہٹایا نہیں جا سکتا۔ اس کی برطرفی مواخذہ (Impeachment) ہی کے ذریعے ممکن ہو سکتی ہے

5- صدر مقننہ کے کنٹرول سے آزاد ہوتا ہے۔

6- تمام وزراء صدر کے سامنے جوابدہ ہوتے ہیں اور اپنے عہدے پر اس کی خوشنودی تک فائز رہتے ہیں۔

7- صدر مقننہ کو برخاست نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اس کی میعاد بھی مقرر ہوتی ہے۔

صدارتی طرز حکومت کی خوبیاں

(Merits Of Presidential Form Of Government)

1- پائیدار حکومت

اس نظام کی بنیادی خوبی اس کی پائیداری ہے۔ صدارتی طرز حکومت کے تحت صدر کے عہدہ کی میعاد مقرر ہوتی ہے' لہذا حکومت حزب اختلاف کی مخالفت اور تنقید کی پرواکیے بغیر اپنی مدت پوری کر سکتی ہے اور طویل المیعاد ترقیاتی منصوبے بھی شروع کر سکتی ہے۔

2- پالیسی میں تسلسل

چونکہ اس طرز حکومت میں انتظامیہ مستحکم ہوتی ہے۔ اس استقلال کی وجہ سے اس کی پالیسی میں تسلسل پایا جاتا ہے۔

3- ہنگامی حالات میں موثر

صدارتی نظام ہنگامی حالات میں زیادہ موثر اور فعال ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ اختیارات کا سرچشمہ صدر ہوتا ہے۔ صدر اپنے وزیروں سے مشورہ کرنے کا پابند نہیں ہوتا۔ وقت کی نزاکت کا احساس کر کے فوراً ہی کوئی فیصلہ کر کے ملک کو بحران سے نکال سکتا ہے اور انقلابی اجتماعی ترقی سے ہمکنار کر سکتا ہے۔

4- اہل افراد کا تقرر

پارلیمانی نظام میں وزراء مقننہ کے اراکین میں سے لیے جاتے ہیں' صدارتی نظام میں صدر اس پابندی سے آزاد ہے' وہ وزراء کے انتخاب میں مکمل طور پر آزاد ہوتا ہے۔ صدر اپنی مرضی سے دیانتدار اور لائق افراد کو اپنی وزارت میں لے سکتا ہے۔

5- ذمہ داری

صدارتی حکومت میں انتظامیہ کے تمام اختیارات فرد واحد یعنی صدر کی ذات میں مرتکز ہوتے ہیں اس لیے تمام انتظامی معاملات میں وہ انفرادی حیثیت سے ذمہ دار ہوتا ہے۔

6- پارٹی بازی کی کمی

صدارتی طرز حکومت میں پارٹی بازی کی شدت نہیں ہوتی۔ کیونکہ صدر ایک بار منتخب ہونے کے بعد برسر اقتدار رہنے کے لیے پارٹی کی حمایت کا محتاج نہیں رہتا۔ صدر کے عہدے کی میعاد مقرر ہوتی ہے۔ اسے عدم اعتماد کے ذریعے برطرف نہیں کیا جا سکتا' اس لیے مقننہ میں سیاسی کشمکش' جوڑ توڑ اور گرماگرمی نہیں ہوتی اور اختلافات کی سیاست ہرگز نہیں اپنائی جاتی۔

7- انتظامی امور میں بہتری

[illegible]

اس کے وزراء مقننہ کے رکن نہیں ہوتے' اس لیے ان کا تمام وقت بچ جاتا ہے جو پارلیمانی نظام کے تحت وزیراعظم اور اس کے وزراء کو عام قانون سازی کے لیے مقننہ کی راہنمائی کرتے ہوئے صرف کرنا پڑتا ہے۔

صدارتی نظام کی خامیاں
(Demerits Of Presidential Form Of Government)

1- مقننہ اور عاملہ کی علیحدگی

صدارتی طرز حکومت علیحدگی اختیارات کے اصول پر کام کرتی ہے' انتظامیہ اور مقننہ کے درمیان ہم آہنگی موجود نہیں ہوتی بلکہ اکثر اوقات ان میں ٹکراؤ اور تصادم کا خطرہ رہتا ہے۔ اگر مقننہ میں صدر کی پارٹی کو اکثریت حاصل نہ ہو تو صورت حال اور بدتر ہو جاتی ہے اور حکومت کی سرگرمیاں صحیح طور پر جاری نہیں رہ سکتیں۔

2- غیر لچک دار حکومت

اس طرز حکومت کی ایک خامی یہ ہے کہ یہ غیر لچکدار ہوتی ہے۔ صدر کے عہدے کی میعاد مقرر ہوتی ہے۔ موت یا مواخذہ کے سوا صدر کو مقررہ میعاد سے پہلے نہیں ہٹایا جاسکتا' لہٰذا صدر کتنا ہی عوامی مفاد کو نظر انداز کر کے اپنے اختیارات کو استعمال کر رہا ہو لوگ اسے برطرف کرنے سے معذور ہوتے ہیں۔

3- جوابدہی کی کمی

صدارتی طرز حکومت کا ایک بڑا نقص یہ ہے کہ اس میں انتظامیہ مقننہ کے سامنے جواب دہ نہیں ہوتی۔ اس لیے صدر میں آمرانہ رجحانات پیدا ہو جاتے ہیں جو کہ ملک کے لیے نقصان کا باعث ہو سکتے ہیں۔

4- قانون سازی میں رہنمائی کا فقدان

اس نظام میں مقننہ انتظامیہ کی رہنمائی سے محروم ہوتی ہے کیونکہ صدر اور اس کے وزراء مقننہ کے رکن نہیں ہوتے اور نہ ہی اس کے اجلاسوں میں شرکت کر سکتے ہیں' لہٰذا صدر اور صدارتی کابینہ کے وزراء مقننہ میں کوئی مسودہ قانون پیش نہیں کرتے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مقننہ' انتظامیہ کی حقیقی ضروریات کے مطابق قوانین وضع نہیں کر پاتی۔

5- سیاسی رشوت

اس نظام حکومت میں صدر کو وسیع اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔ صدر انتخابات کے وقت لوگوں کو اہم عہدوں کا لالچ دیتا ہے' اس طرح سیاسی رشوت سے قابل ترین افراد کی بجائے نااہل افراد کو ملک کے اعلیٰ عہدوں پر فائز کر دیا جاتا ہے اس سے قوم کو ناقابل تلافی نقصان پہنچ سکتا ہے۔

6- غیر لچکدار آئین

صدارتی طرز حکومت میں آئین عموماً غیر لچکدار ہوتا ہے۔ اس میں ترمیم کا طریقہ بڑا مشکل اور پیچیدہ ہوتا ہے۔ آئین میں حالات اور ضروریات کے مطابق آسانی سے ترمیم نہیں کی جاسکتی۔ پارلیمانی نظام کے تحت ہنگامی حالات سے عہدہ برآ ہونے کے لیے

آئین میں باآسانی ترمیم کی جا سکتی ہے۔لیکن صدارتی نظام حکومت میں ایسا کرنا ممکن نہیں ہوتا۔

حکومت کے شعبے

(Organs Of Government)

حکومت کی تنظیم تین شعبوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ جو مقننہ، عاملہ اور عدلیہ کہلاتے ہیں۔

مقننہ کی تنظیم

(Organization of the Legislature)

مقننہ ایک یا دو ایوانوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ اگر مقننہ کا صرف ایک ایوان ہو تو اس تنظیم کو ایک ایوانی مقننہ (Unicameral) کہتے ہیں۔ جب مقننہ دو ایوانوں پر مشتمل ہو تو اسے دو ایوانی (Bicameral) نظام کہتے ہیں۔ دو ایوانی نظام کے ایک ایوان کو ایوان زیریں (Lower House) اور دوسرے ایوان کو ایوان بالا (Upper House) کہا جاتا ہے۔ جدید دور میں اکثر ممالک میں دو ایوانی مقننہ کا رواج ہے۔ ایوان زیریں عام طور پر عوام کے منتخب نمائندوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ ایوان بالا کی ساخت اور تنظیم ہر ملک میں مختلف ہے۔ اور ایوان بالا عموماً مخصوص مفادات کا نمائندہ ہوتا ہے۔ وفاقی ریاست میں وفاقی اکائیوں کو ایوان بالا میں مساوی نمائندگی حاصل ہوتی ہے۔ انگلستان میں ایوان بالا موروثی حیثیت رکھتا ہے۔

مقننہ کے فرائض (Functions Of The Legislature)

1- قانون سازی (Legislation)

مقننہ کا سب سے اہم، بنیادی اور اولین فرض قانون سازی ہے۔ مقننہ نہ صرف نئے قوانین بناتی ہے۔ بلکہ پرانے قوانین میں بدلتے ہوئے حالات کے تقاضوں کے مطابق رد و بدل بھی کرتی ہے جو قوانین جدید تقاضوں کو پورا نہ کریں ان کو منسوخ کر دیتی ہے، ملک کی سلامتی اور لوگوں کی فلاح کے لیے تمام تجاویز پر غور کرنے کے بعد قانون وضع کرتی ہے۔

2- آئین میں ترمیم (Amendment in the Constitution)

مقننہ کو آئین میں ترمیم کرنے کا اختیار بھی حاصل ہوتا ہے۔ جن ممالک کے آئین لچکدار ہیں وہاں مقننہ آسانی سے ترمیم کر سکتی ہے مگر جن ممالک کے آئین غیر لچکدار ہیں وہاں ترمیم کا طریقہ بھی خاصا مشکل اور پیچیدہ ہوتا ہے۔ آئین میں ترمیم کا طریقہ کار آئین میں درج ہوتا ہے۔ برطانیہ کا آئین لچکدار ہے جب کہ امریکہ کا آئین غیر لچکدار ہے۔

3- مالیاتی فرائض (Financial Functions)

جمہوری ممالک میں ملکی مالیات پر مقننہ کو مکمل کنٹرول حاصل ہوتا ہے۔ ہر سال انتظامیہ بجٹ کی تجاویز تیار کر کے مقننہ کے سامنے پیش کرتی ہے۔ اس کی منظوری مقننہ دیتی ہے اور انتظامیہ اس کے مطابق حکومت کا کاروبار چلاتی ہے۔ پارلیمانی طرز حکومت میں مقننہ میں بجٹ

کی نامنظوری کو حکومت کے خلاف عدم اعتماد سمجھا جاتا ہے۔

4-انتظامی فرائض (Administrative Functions)

مقننہ کے انتظامی فرائض مختلف ممالک میں مختلف نوعیت کے ہوتے ہیں مثلاً برطانیہ میں مقننہ انتظامیہ کے سربراہ یعنی وزیراعظم کا انتخاب کرتی ہے۔ امریکہ میں اعلیٰ وفاقی عہدوں پر تقرریاں صدر کرتا ہے لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ مقننہ سے منظوری حاصل کرے۔ جمہوری نظام حکومت میں مقننہ انتظامیہ کی نگرانی کرتی ہے۔

5-انتخابی فرائض (Elective Functions)

بعض ممالک میں مقننہ اپنے عہدیداروں کے علاوہ دوسرے اعلیٰ سیاسی عہدیداروں کو بھی منتخب کرتی ہے۔ بھارت اور پاکستان میں پارلیمنٹ کے دونوں ایوان صوبائی اسمبلیوں کے ساتھ مل کر صدر کا انتخاب کرتے ہیں۔ بعض ریاستوں میں ججوں کے انتخاب کے اختیارات بھی مقننہ کو حاصل ہوتے ہیں۔

6-عدالتی فرائض (Judicial Functions)

عام طور پر ہر ملک میں مقننہ کو کچھ عدالتی اختیارات دیئے جاتے ہیں مثلاً برطانیہ میں دارالامرا ملک کی سب سے بڑی عدالت ہے۔ امریکہ میں مقننہ کو صدر، نائب صدر اور سپریم کورٹ کے ججوں کو مواخذہ کی کارروائی کے ذریعے مقدمہ چلا کر برطرف کرنے کا اختیار حاصل ہے پاکستان میں صدر کو شدید بدعنوانی یا آئین کی خلاف ورزی پر برطرف کرنے کا یہی طریقہ ہے۔

7-امور خارجہ کے متعلق فرائض (Funtions Regarding Foreign Affairs)

بعض ملکوں میں مقننہ خارجہ امور کے متعلق بھی اہم فرائض انجام دیتی ہے۔ مثلاً امریکہ میں سینٹ (Senate) دوسرے ممالک سے کیے جانے والے معاہدات کی منظوری دیتی ہے امریکی صدر کانگرس کی منظوری کے بغیر نہ تو کسی ملک کے خلاف اعلان جنگ کرسکتا ہے اور نہ ہی کسی دوسرے ملک میں امریکی فوج بھیج سکتا ہے۔

8-عوامی شکایات کا ازالہ (Ventilation of Grievances)

مقننہ چونکہ عوام کے منتخب نمائندوں کا ادارہ ہوتا ہے اس لیے عوامی مشکلات اور شکایات دور کرنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے مقننہ کے ارکان اپنے اپنے علاقوں کے عوام کی مشکلات اور شکایات حکومت کے علم میں لاتے ہیں اور حکومت عوام کی شکایات کو دور کرنے کی پوری کوشش کرتی ہے۔

انتظامیہ (Executive)

حکومت کا دوسرا شعبہ انتظامیہ یا عاملہ کہلاتا ہے۔ اس شعبہ کا بنیادی کام قوانین کا

نفاذ اور ان پر عمل درآمد ہے۔ حکومت کے کاروبار کو چلانے کی زیادہ تر ذمہ داری انتظامیہ کے ہی سپرد ہوتی ہے۔ یہ شعبہ مختلف

محکموں کے ذریعے ملک میں اندرونی و بیرونی امن و سلامتی، عدل و انصاف، سوشل سیکورٹی اور اجتماعی ترقی کے نظام کو قائم رکھنا ہے۔

انتظامیہ کی اقسام (Kinds Of Executive)

انتظامیہ کی اقسام درج ذیل ہیں۔

(1) برائے نام انتظامیہ (Titular Executive)

برائے نام انتظامیہ کی سب سے بڑی مثال برطانیہ ہے جہاں تمام امور سلطنت بادشاہ کے نام سے چلائے جاتے ہیں مگر عملاً اس کے اختیارات نہ ہونے کے برابر ہوتے ہیں۔ پارلیمانی نظام رکھنے والے ممالک مثلاً بھارت اور پاکستان وغیرہ میں صدر کو برائے نام انتظامیہ کی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔

(2) حقیقی انتظامیہ (Real Executive)

پارلیمانی نظام میں حقیقی انتظامیہ وزیر اعظم اور اس کی کابینہ ہوتی ہے۔

(3) صدارتی انتظامیہ (Presidential Executive)

صدارتی انتظامیہ میں انتظامیہ کے حقیقی اختیارات صدر کو حاصل ہوتے ہیں۔

(4) واحد انتظامیہ (Single Executive)

واحد انتظامیہ میں انتظامیہ کے تمام اختیارات فرد واحد کو حاصل ہوتے ہیں۔

(5) تکثیری انتظامیہ (Plural Executive)

تکثیری انتظامیہ میں اعلیٰ انتظامی اختیارات بیک وقت دو یا دو سے زیادہ افراد کے پاس ہوتے ہیں سوئٹزرلینڈ میں انتظامی اختیارات سات ارکان پر مشتمل ایک وفاقی کونسل کو حاصل ہیں۔

انتظامیہ کے فرائض (Functions Of the Executive)

1- نظم و نسق (Administration)

انتظامیہ کا اولین فرض ملک میں اندرونی طور پر امن و امان قائم رکھنا اور بیرونی دفاع ہے۔ ملک میں امن و امان قائم رکھنے کی زیادہ تر ذمہ داری انتظامیہ کے محکمہ داخلہ (Home Department) کے سپرد ہوتی ہے۔ جس میں پولیس اہم کردار ادا کرتی ہے۔

2- قانون کا نفاذ

انتظامیہ کی ایک اہم ذمہ داری ہے کہ مقننہ کے بنائے ہوئے قانون کو نافذ کرے۔

3- قانون سازی (Legislation)

اگرچہ قانون سازی مقننہ کی ذمہ داری ہے تاہم ہر ملک کی انتظامیہ بھی بلاواسطہ یا بالواسطہ طور پر قانون سازی کے معاملات میں مؤثر کردار ادا کرتی ہے مثلاً انتظامیہ کا سربراہ آرڈیننس (Ordinance) جاری کرسکتا ہے جو قانون کی حیثیت رکھتا ہے۔

4- ملک کا دفاع (Defence of the State)

انتظامیہ کا ایک بنیادی فرض یہ ہے کہ وہ ریاست کی علاقائی سالمیت کو برقرار رکھے اور ملک کو بیرونی حملے سے بچائے۔ یہ ذمہ داری محکمہ دفاع کے سپرد ہوتی ہے۔

5- امور خارجہ (Foreign Affairs)

حکومت کا جو شعبہ معاملات خارجہ کو سرانجام دیتا ہے اسے محکمہ خارجہ کہتے ہیں۔ دوسرے ممالک کے ساتھ دوستی اور امن کے تعلقات قائم کرنا، اپنے سفارتی نمائندوں کی تقرری کرنا، دوسرے ممالک کے سفارتی نمائندوں کی اپنے ملک میں تقرری کی منظوری دینا، بیرونی ممالک سے مختلف معاہدے کرنا اور دوسرے ممالک کو تسلیم کرنے کے فرائض انتظامیہ ہی سرانجام دیتی ہے۔

6- مالیاتی اختیارات (Financial Powers)

محکمہ مالیات، انتظامیہ کا ایک اہم محکمہ ہے جو مالیاتی امور کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ یہ محکمہ ہر سال ملک کا بجٹ (Budget) تیار کرتا ہے اور اسکی مقننہ سے منظوری حاصل کرتا ہے۔

7- عدالتی (Judicial)

دنیا کے ہر ملک کی انتظامیہ کے سربراہ کو سزا معاف کرنے یا اس میں تخفیف کرنے کا اختیار حاصل ہوتا ہے۔ عاملہ کا ایک اہم فرض یہ ہے کہ وہ عدالتوں کے فیصلوں پر عمل درآمد کرائے، بعض ممالک میں ججوں کا تقرر بھی عاملہ کرتی ہے۔

عدلیہ (Judiciary)

عدلیہ حکومت کا تیسرا اہم شعبہ ہے۔ ایک مہذب اور جمہوری ملک میں عدلیہ آزاد اور خودمختار ہوتی ہے۔ اس پر مقننہ یا عاملہ کا کوئی دباؤ نہیں ہوتا۔ عدالتوں کی بہت سی اقسام اور درجے ہوتے ہیں، مثلاً پاکستان میں ضلعی سطح پر دیوانی اور فوجداری عدالتیں صوبے کی سطح پر ہائی کورٹ اور وفاقی سطح پر سپریم کورٹ کی اعلیٰ عدالت قائم ہے۔

عدلیہ کے فرائض (Functions of the Judiciary)

1- نظام عدل کا قیام (Establishment Of Judicial System)

عدلیہ کا سب سے بڑا اور بنیادی فریضہ مقدمات کی سماعت اور ان کا فیصلہ کرنا ہے۔ اور نظام عدل کا قیام ہے۔ مجرموں کو قانون

کے مطابق سزائیں دی جاتی ہیں۔ اس سے مظلوموں کی حق رسی ہو جاتی ہے۔ گویا کہ عدلیہ کا فرض آئین اور قانون کے مطابق عدل و انصاف کرنا ہے۔

2-اپیلوں کی سماعت (To Hear Appeals)

تمام بڑی عدالتیں ماتحت عدالتوں کے فیصلوں کے خلاف اپیلوں کی بھی سماعت کرتی ہیں۔

3- قانون کی تشریح (Interpretation of Law)

بعض اوقات عدالتوں کے سامنے ایسے مقدمات پیش کیے جاتے ہیں جن میں قانون مبہم اور غیر واضح ہوتا ہے ایسی صورت میں عدالتیں قانون کی تشریح کے ذریعے عدل و انصاف قائم کرتی ہیں۔ اس طرح عدلیہ نہ صرف قانون میں نظیر قائم کرتی ہے بلکہ نئے قانون بھی وضع کرتی ہے جس کو "جج ساختہ قوانین" (Judge made Laws) کہا جاتا ہے۔

4-عدالتی نظرثانی (Judicial Review)

وفاقی ملک میں عدلیہ دستور کے محافظ کا کردار ادا کرتی ہے۔ ایسے ملک کی سب سے اعلیٰ عدالت کو یہ اختیار حاصل ہوتا ہے وہ ایسے قوانین کو غیر آئینی اور کالعدم قرار دے جو آئین کی دفعات کے منافی ہوں۔ اسے عدالتی نظرثانی کہا جاتا ہے۔

5-جائیداد کی نگرانی (Supervision of Property)

نابالغ کی جائیداد یا بعض اوقات جائیداد کے مقدمات کئی سالوں تک چلتے رہتے ہیں جس میں جائیداد کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں مقدمے کے فیصلے تک جائیداد کی نگرانی عدلیہ اپنے ہاتھ میں لے لیتی ہے۔

6-ماتحت عدالتوں کی نگرانی (Supervision of Lower Courts)

اعلیٰ عدالتیں ماتحت عدالتوں کے کام کی نگرانی بھی کرتی ہیں اور اپنے ماتحت عملہ کا تقرر بھی کرتی ہیں۔

7-مشاورتی فرائض (Advisory Functions)

بعض اوقات حکومت ملک کی اعلیٰ عدالت سے کسی معاملہ پر قانونی مشورہ بھی لیتی ہے۔ اس کی حیثیت محض مشورے کی ہوتی ہے، فیصلے کی نہیں، حکومت کے لیے ضروری نہیں ہوتا کہ مشورہ پر ضرور عمل کیا جائے تاہم امریکی سپریم کورٹ نے اپنے دائرہ اختیارات کو مشاورتی رائے تک وسیع کرنے سے ہمیشہ انکار کیا ہے۔

8-بنیادی حقوق کا تحفظ (Protection of Fundamental Rights)

جمہوری ممالک میں شہریوں کی آزادی اور حقوق کا تحفظ عدلیہ کرتی ہے۔ اگر شہریوں کے بنیادی حقوق مجروح ہو رہے ہوں تو وہ عدلیہ سے رجوع کر کے انصاف طلب کر سکتے ہیں۔ عدلیہ ان مقاصد کے حصول کے لیے پروانوں اور امتناعات (Writs and Injunctions) کا اجراء کرتی ہے، مثلاً عدالتیں پروانہ حبس بے جا جاری کر کے کسی شخص کی غیر قانونی حراست کو ختم کر سکتی ہے۔

9-دیگر فرائض (Miscellaneous)

کئی دفعہ عدلیہ کو بے شمار ایسے امور انجام دینے پڑتے ہیں جو عدالتی نوعیت کے نہیں ہوتے مثلاً بعض اشیاء کے لائسنس جاری کرنا، غیر ملکی شہری کو حقوق شہریت عطا کرنا، مقروض اور دیوالیہ ہو جانے والوں سے وصولی کا بندوبست کرنا، وصیتوں کا نفاذ اور اجراء کرنا۔ چھوٹے یتیم بچوں کی سرپرستی کرنا وغیرہ وغیرہ۔

حکومت کا اسلامی تصور

(Islamic Concept Of Government)

حکومت کا اسلامی تصور مندرجہ ذیل اصولوں پر مبنی ہے۔

1-اقتدار اعلیٰ کی نوعیت (Nature of Soverignty)

اسلام افراد کی حاکمیت کی بجائے اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اعلیٰ کا تصور پیش کرتا ہے اور اس کا عملی نفاذ سیاسی نظام کی بنیاد ہے۔ اللہ تعالیٰ وہ برتر قوت ہے جسے قانون سازی کے جملہ اختیارات حاصل ہیں اس کے اختیارات کو نہ تقسیم کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی کوئی دوسرا اس کے اختیارات میں شریک ہو سکتا ہے۔ احکام ربی میں ردوبدل نہیں ہو سکتا، وہ اٹل اور ابدی ہیں، البتہ علماء اور فقہا اجماع کے ذریعہ اسلامی قوانین کی تشریح کر سکتے ہیں۔ قرآن اور سنت سے واضح ہدایت کسی مسئلہ پر نہ ملنے کی صورت میں اجتہاد کے ذریعہ نئے اصول وضع کر سکتے ہیں۔ امام ابن تیمیہؒ کا کہنا ہے کہ جب اجماع قرار پا جائے تو امت میں سے کسی کو اس فیصلے سے نکلنے کا حق نہیں۔

2- خلافت (Caliphate)

خلافت سے مراد اسلامی ریاست کا سربراہ ہے۔ اسلامی ریاست میں حکمران طبقے کی حیثیت خدا کے نائب کی سی ہے جو ان حدود و قیود کا پابند ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے لیے مقرر کی ہیں، خلیفہ سربراہ مملکت ہے۔ امام غزالیؒ کے خیال میں انسان بحیثیت مجموعی زمین پر اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے۔ زمین پر اللہ کے حکم کو نافذ کرنے کے لیے خلافت یا امامت قائم ہے۔ ابن خلدون کے نزدیک عوام کو خلیفہ کے انتخاب کا حق نہیں۔ ان کے خیال میں خلیفہ کا انتخاب متقی لوگوں کا حق اور ذمہ داری ہے۔ خلیفہ کے انتخاب کا معیار اس کی سستی شہرت نہیں بلکہ ذہانت، جرأت، دیانت اور پاکیزگی ہے۔

3-جواب دہی (Accountability)

خلیفہ کو کسی بھی صورت میں قانون سے برتری حاصل نہیں۔ خلیفہ اپنی ذمہ داریوں کے لیے بیک وقت اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے سامنے جواب دہ ہے۔ کوئی شخص بھی (سوائے انبیاء کرام کے) تنقید سے برتر نہیں۔ غلطی کے ارتکاب پر خلیفہ کو معاشرتی دباؤ سے قرآن و سنت کے مطابق عمل کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے پہلے خطبے میں فرمایا ''لوگو! جب تک میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت

کروں توتم میری اطاعت کرواور اگر مجھ سے کوئی ایسا کام سرزد ہو جس سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کا پہلو نکلتا ہو تو تم پر میری اطاعت واجب نہیں'' گویا یہ اصول بیان کر دیا گیا کہ سربراہ ریاست لامحدود اختیارات کا مالک نہیں بلکہ لوگ اس سے جواب طلبی کر سکتے ہیں حضرت عمرؓ پر جب تنقید کی گئی تو اس پر انہوں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

4- مجلس شوریٰ (Body of Shura)

اسلامی طرز حکومت میں شورائی نظام کو زبردست اہمیت حاصل ہے۔ خلیفہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ کاروبار حکومت کو چلانے کے لیے مجلس شوریٰ سے مشورہ کرے۔ مجلس شوریٰ میں انتہائی معتمد افراد ہوتے ہیں۔ یہ مجلس ملت کے نیک' متقی اور صایب الرائے افراد پر مشتمل ہوتی ہے اس لیے لوگ دل و جان سے ان کی بات کو مان لیتے ہیں۔ چونکہ مجلس شوریٰ ممتاز قانون دانوں' علماء اور انتظامیہ کے بڑے بڑے عہدہ داروں پر مشتمل ہوتی تھی' اس لیے صرف انتظامی امور میں ہی یہ مشورہ نہیں دیتی تھی بلکہ ضرورت کے مطابق قرآن وسنت کی حدود میں قانون سازی کے جملہ فرائض بھی انجام دیتی تھی۔ اسلام نے مشاورت پر بہت زور دیا ہے' قرآن مجید میں رسول اللہ ﷺ سے فرمایا گیا ہے کہ امور مملکت میں ان (یعنی مسلمانوں) سے مشورہ کیجئے۔ ایک دوسری جگہ مسلمانوں کی تعریف کرتے ہوئے کہا گیا ہے۔

''ان کے امور باہمی مشاورت سے طے پاتے ہیں''

اس اصول پر آپ ﷺ نے زندگی بھر اس طرح عمل کیا کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کو کہنا پڑا کہ میں نے آپ ﷺ سے زیادہ کسی شخص کو مشورہ کرنے والا نہیں پایا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے صحابہ کرام کے مشورے کے بغیر کبھی کوئی فیصلہ نہ کیا تھا۔ حضرت عمرؓ کا زمانہ مشاورت کا سنہری دور کہلاتا ہے۔ حضرت علیؓ اپنے وسیع علم و فضل کے باوجود ہمیشہ مجلس شوریٰ کی رائے کے پابند رہے۔ تاہم خلیفہ کے لیے لازم نہیں ہے کہ وہ مجلس شوریٰ کے ہر مشورے اور ہر فیصلے کی پابندی کرے خلیفہ کو مجلس شوریٰ سے اختلاف کا حق دیا گیا ہے۔ خلیفہ قرآن و سنت کی روشنی میں انفرادی فیصلے کر سکتا ہے۔ یہ درست ہے کہ مجلس شوریٰ میں اختلاف رائے کی صورت میں فیصلے اکثریت کی بناء پر ہوتے ہیں مگر اکثریت تو کجا' تمام ارکان مجلس شوریٰ کو بھی یہ حق حاصل نہیں کہ وہ احکام شریعت کو بدل سکیں۔

5- بنیادی اصول (Fundamental Principles)

قرآن وسنت کے اصول، آزادی' عدل' تقویٰ اور مساوات اسلامی نظام کے بنیادی اصول ہیں۔ کسی انسان کو دوسرے انسان پر فضیلت حاصل نہیں ماسوائے تقویٰ کے۔ اسلامی ریاست میں غلاموں کو آقاؤں کے برابر حقوق دیئے گئے۔ اسلامی طرز حکومت میں عدلیہ صحیح معنوں میں آزاد اور خودمختار ہوتی ہے امام غزالیؒ عدل کے متعلق لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کی حاجت روائی نفلی عبادت سے بہتر ہے۔ قرآن مجید میں ہے ''انصاف کرو۔ وہی بہتر ہے۔''

6- اسلامی نظام معیشت (Islamic Concept of Economy)

اسلام کا معاشی نظریہ ہے کہ دولت کا ارتکاز چند ہاتھوں میں نہ ہو' اس لیے ایک مربوط زکوٰۃ کا نظام قائم کیا گیا ہے۔ قرآن مجید نے مال و دولت کمانے کی مندرجہ ذیل صورتوں کو ناجائز اور حرام قرار دیا ہے۔

رشوت' یتیموں کے مال میں بے جا تصرف' فحاشی پھیلانے والے ذرائع کاروبار' خیانت' بت گری' بت فروشی' شراب کی صنعت اور اس کی تجارت وغیرہ وغیرہ۔ ابن خلدون نے فلاحی ریاست کا تصور پیش کیا ہے جس میں رعایا کو خوراک اور دیگر ضروریات زندگی کی فراہمی ریاست کا فرض قرار دیا ہے۔ ارشاد نبویؐ ہے کہ اگر پڑوسی بھوکا ہے تو اس شخص کی عبادت قبول نہیں ہوگی جس نے پڑوسی کی حاجت پوری کرنے میں غفلت کی۔ اس لیے اسلامی حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ ہر فرد کی بنیادی ضروریات کو پورا کرے۔ ہر شخص کو باعزت روزگار فراہم کرے اور روزی کمانے کے سب کو مساوی مواقع حاصل ہوں۔ گویا کہ اسلامی اقتصادی نظام افراط و تفریط کا شکار نہیں بلکہ ایک منصفانہ اور متوازن نظام ہے۔

اچھا تصور حکمرانی

(Good Governance)

مفہوم (Meaning)

گورنینس (Governance) کا لفظی معنی "حکمرانی" ہے لیکن (Good Governance) کی اصطلاح اچھی حکمرانی کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ تصور حکمرانی کوئی نیا تصور نہیں یہ اتنا ہی قدیم ہے جتنی کہ تہذیب انسانی۔ اس اصطلاح کو گزشتہ کئی سالوں سے سیاسی ماہرین کثرت سے استعمال کر رہے ہیں۔ ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ریاست مدینہ میں اللہ کی رضا کے لیے اس کی ابتدا بہتر انداز میں کی اور خلفائے راشدین نے بھی اس تصور کی کما حقہ تقلید کی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا دور خلافت بھی مثالی حکمرانی کا دور تھا۔ کئی حکمرانوں نے بھی اس کو اپنانے کی کوشش کی۔ لیکن ان کے ذاتی اغراض و مقاصد کی خاطر یہ تصور اپنی افادیت کھو بیٹھا۔

اچھی حکمرانی کی تعریف (Definition)

مثالی تصور حکمرانی ایک ایسا فن، لائحہ عمل اور طریق کار ہے۔ جس کے مطابق ریاستی امور اور حکومت کا کاروبار احسن طریقے سے بروقت سرانجام دیا جائے تاکہ لوگوں کو اطمینان قلب ہو سکے۔ تمام حکومتی اختیارات کو مکمل طور پر عوام کی حقیقی فلاح و بہبود کے لیے استعمال کیا جائے اور ان کے لیے آسانیوں کی فراہمی کا بندوبست کیا جائے۔ تمام شہریوں کے بنیادی انسانی حقوق اور ان کی شخصیت اور سیاسی آزادی کی حفاظت کی جائے۔ حکمران خدا اور عوام کے سامنے اپنے اعمال کا جواب دہ ہوں۔ صالح اور نیک سیرت ماتحتوں کا انتخاب کرے۔ تمام حکومتی فیصلے صاف و شفاف طریقے سے سرانجام پائیں اور عوام الناس کو ان میں شامل کیا جائے۔ غیر ذمہ داری یا غلطی کی صورت میں حکمران و عہدیدار کو احتساب کا سامنا کرنا پڑے۔ یہی بہتر حکمرانی کا مقصود ہے۔

اسلامی جمہوری حکومت میں اچھی حکمرانی کا کردار

(The Role of Good Governance in Islamic Democratic Government)

بہتر تصور حکمرانی کی تعریف اس بات کی غمازی کرتی ہے کہ عوام کی فلاح ہر وقت مقدم ہو۔ یہ نمونہ آج سے چودہ سو سال پہلے رسالت

مآبؐ اوران کے حقیقی پیروکار خلفائے راشدین کے دور میں نظر آتا ہے۔اس حکمرانی کا کردار مختلف صورتوں میں جاگزیں ہے۔

1-اچھی معاشرتی حکمرانی (Good Social Governance)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے۔ جہاں تک بہتر معاشرتی حکمرانی کا تعلق ہے۔اس میں سب سے پہلے انسانی حقوق کے احترام کا تصور اسلام نے پیش کیا۔ حضور پاک ﷺ کا خطبہ حجۃ الوداع اس کی بہترین مثال ہے۔اقوام متحدہ کا انسانی حقوق کا چارٹر بھی نبی پاک ﷺ کے پیش کردہ خطبہ ہی سے اخذ کیا گیا ہے۔جس میں سب سے پہلے مساوات کا درس دیا گیا۔اور غلامی کو ممنوع قرار دیا گیا۔ مغربی دنیا نے صدیوں بعد ان اصولوں کو اپنانے کی کوشش کی۔حضور پاک ﷺ نے ہمسایوں کے حقوق کے متعلق فرمایا: ''کہ اگر حق تلفی کا اندیشہ نہ ہوتا تو ہمسایوں کو جائیداد میں بھی شریک کیا جا سکتا تھا''۔

تمام شہریوں کے بنیادی حقوق اور ان کی شخصی آزادی کی حفاظت بہتر تصور حکمرانی میں شامل ہے۔اس میں عام طور پر امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی ترویج کی جاتی ہے۔

حضرت عمرؓ کا قول ہے: ''کہ میں کسی شخص کو اس کا موقع نہ دونگا کہ وہ کسی کی حق تلفی یا کسی پر زیادتی کرے''۔

اسلام غیر مسلموں کو بھی مکمل معاشرتی حقوق سے نوازتا ہے۔حضرت علیؓ نے خوارج کو پیغام بھیجا تھا۔''کہ تم کو آزادی حاصل ہے کہ جہاں چاہو رہو۔البتہ ہمارے اور تمہارے درمیان یہ قرار پایا ہے کہ ناجائز طور پر کسی کا خون نہ بہاؤ گے۔بدامنی نہیں پھیلاؤ گے۔اگر ایسا ہوا تو تمہارے خلاف کھلی جنگ ہوگی''۔

2- اچھی اقتصادی حکمرانی (Good Economic Governance)

اسلامی ریاست میں رزق حلال اور آزاد تجارت کے اشتراک سے ایسا معاشی نظام معرض وجود میں آیا جس میں معاشرے کے تمام طبقے مستفید ہوتے تھے اور کوئی طبقہ مفلوک الحال اور مالی پریشانی کا شکار نہ تھا۔زکوۃ کا نظام اسقدر جامع تھا کہ بیت المال ،مال وزر سے بھرا رہتا تھا۔یہ پبلک کا خزانہ تھا۔جس پر خلیفہ کو ذاتی استعمال کا حق نہ ہوتا۔بنو اُمیہ نے اس کو ذاتی طور پر استعمال کیا جس سے مثالی اقتصادی حکمرانی کا دور ختم ہو گیا۔

حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے: ''کہ خدا کے نزدیک سب سے زیادہ خوش نصیب وہ حاکم ہے جس کے ذریعے اس کی رعایا خوشحال ہو اور سب سے بدبخت حاکم وہ ہے جس کے سبب اس کی رعایا بدحال ہو'' اس طرح سب عمال کو فرمایا: ''کہ تم بھی اپنے آپ کو کج روی سے بچاؤ تا کہ تمہارے ماتحت کج روی اختیار نہ کریں''۔حضرت عمرؓ کہا کرتے تھے:

''کہ اگر اس کے دور خلافت میں کوئی کتا بھی دریائے دجلہ پر بھوکا مر گیا تو وہ قیامت کے دن اس کا جواب دہ ہوگا۔'' اس لیے رات کو اناج کی بوریاں اپنے کندھوں پر لاد کر بھوکوں کے گھر پہنچایا کرتے تھے۔زکوۃ کے علاوہ صدقہ وخیرات سے ضرورت مندوں کی مدد کی جاتی تھی۔بیت المال سے یتیموں ،بیواؤں اور بے سہارا لوگوں کے لیے وظائف مقرر کیے جاتے تھے۔لوگوں کو یکساں طور پر رزق حلال کمانے کے مواقع فراہم کیے جاتے تھے۔موجودہ فلاحی ریاستوں میں آج کل اسی تصور کے تحت یتیم / بڑھاپے کی پنشن ، بہبود فنڈ ،سوشل سکیورٹی

سکیم اور یتیم خانے جیسے ادارے شب و روز اپنے اپنے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔

3- اچھی سیاسی حکمرانی (Good Political Governance)

ریاست مدینہ میں حضور پاک ﷺ کی مثالی حکمرانی اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کی ترجمانی کرتی ہے۔ اسلامی سیاسی تناظر میں حکمرانی کی نامزدگی عمل میں پیش آئی بلکہ مجلس شوریٰ اور عامتہ المسلمین اسے مقرر کرتے تھے۔ خلفائے راشدین کا تقرر اسی طرح عمل پذیر ہوا۔ بہتر سیاسی حکمرانی عروج پر رہی۔ لیکن بنوامیہ نے نامزدگی کا اصول اپنایا۔ سیاسی حکمرانی تباہی کا شکار ہوگئی اور شخصی حکمرانی معرض وجود میں آگئی۔

اسلامی ریاست میں قانون سازی اور اس پر عمل برداری قرآن و سنت کے مطابق کی جاتی ہے۔ اس میں کسی کو ترمیم کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ کیونکہ اللہ کا حکم اور نبی ﷺ کی سنت قیامت تک برقرار رہے گی۔ البتہ بدلتے ہوئے حالات سے ہم آہنگی کے لیے اجتہاد کا سہارا لیا جاتا ہے۔ اجتہاد کسی صاحب الرائے کی عقلی دلیل کا نام ہے۔ رسول پاک ﷺ نے معاذ بن جبل کو یمن کا گورنر اسی بنا پر مقرر فرمایا تھا جب انہوںؓ نے اعادہ کیا کہ

میں قرآن و سنت کے بعد اپنی عقلی دلیل سے مقدمات کا فیصلہ دیا کروں گا۔ قرآن و سنت کے بعد سیاسی حکمرانی اجتہاد ہی کی بنا پر پروان چڑھتی ہے۔ خلافت خدا کی حاکمیت پر قائم کی جاتی ہے۔ خدا کا عطا کردہ قانون اس کا قانون ہوتا ہے۔ اس لیے اس نظام میں نہ تو شخصیت پرستی اور خاندان پرستی کی کوئی گنجائش ہوتی ہے اور نہ ہی آمریت یا شہنشاہیت کے لیے، امیر غریب، اپنے پرائے، سب ایک ہی قانونِ خداوندی کے پابند ہوتے ہیں۔ عدلیہ کسی بھی دباؤ سے آزاد اور بے پرواہ ہوکر بے لاگ عدل و انصاف شہریوں کو دے سکتی ہے۔ عدلیہ کی غیر جانبداری کی یہ واضح مثال ہے کہ حضور پاک ﷺ سے چوری کے الزام میں ایک گرفتار عورت کی سفارش کی گئی تو آپؐ نے برملا فرمایا کہ: ''اگر اس کی جگہ میری بیٹی فاطمہؓ بھی ہوتی تو اس کو بھی یہی سزا ملتی''۔

اسلام میں حکمران پر تنقید جائز اور درست تصور کی جاتی ہے آپؐ نے فرمایا کہ: ''جابر سلطان کے سامنے کلمہ حق کہنا سب سے بڑا جہاد ہے''۔ گویا حکمران پر تنقید کرنا اور اسے حق بات کی طرف لوٹنے کو کہنا جہادِ عظیم ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خلافت کی ذمہ داری سنبھالتے ہوئے کہا تھا کہ: ''لوگو! اگر میں نبیؐ کی راہ پر چلوں تو میری پیروی کرنا اگر اس سے ہٹ جاؤں تو مجھے راہ راست پر لے آنا''۔

حضرت عمرؓ نے اپنے دربار میں مال غنیمت کی چادروں کی تقسیم پر تنقید کا مقابلہ کیا۔ ایک دفعہ ایک ... ت عمرؓ کے ساتھ بڑی سختی سے پیش آیا اور خوب تنقید کی آپؓ نے بڑی خندہ پیشانی سے اُس کی سختی کو قبول کیا۔ اِ ... ت عمرؓ نے مصر کے گورنر کو اس بات پر معزول کر دیا تھا کہ اُس نے ایک غلام کے ساتھ سختی کی تھی۔

اسلام میں مجلسِ شوریٰ (کابینہ) اور عامتہ المسلمین (پارلیمنٹ) کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ حضرت عمرؓ نے جنگِ قادسیہ اور جنگِ نہاوند میں مجلس شوریٰ کے مشورے پر عمل فرمایا اور فوج کی کمان ترک کر دی۔

اسلام امن کی تلقین کرتا ہے اور سیاسی ہم آہنگی پر زور دیتا ہے۔ حکمرانی کے یہ تینوں پہلو (معاشرتی، معاشی، سیاسی) صرف اسلام

کے اندر ہی نظر آتے ہیں جدید دور میں بھی اگر اسلامی اصولوں پر عمل کیا جائے تو اچھی حکمرانی (Good Governance) کا حصول کوئی مشکل کام نہیں۔

اچھی حکمرانی کے راستے میں مشکلات (Obstacles)

بہتر حکمرانی اس وقت تک پروان نہیں چڑھ سکتی جب تک کہ اس کے راستے میں مشکلات حائل رہیں گی، جن کا ذکر حسب ذیل ہے۔

1- غیر جمہوری اقتدار (Undemocratic Power)

غیر جمہوری اقتدار عوام کا نمائندہ اقتدار نہیں ہوتا۔ یہ اقتدار مجلس شوریٰ اور عامتہ المسلمین کی مرضی کے خلاف معرض وجود میں آتا ہے۔ بنوامیہ کی ملوکیت اس کی بدترین مثال ہے۔ یزید بن معاویہ نے نواسہ رسولؐ حضرت امام حسینؓ کو شہید کر کے حکومت الٰہیہ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے داغدار کر دیا یہ تاریخ اسلام میں انتہائی بدنما واقعہ ہے۔ جس نے اسلامی اقتدار کی جڑیں کھوکھلی کر دیں مسلمان آج تک سنبھل نہیں سکے ان کے درمیان اتحاد نام کی کوئی چیز موجود نہیں جس سے طاغوتی طاقتیں فائدہ اٹھا رہی ہیں اور مسلمان ذلالت کے سمندر میں غرق ہو رہے ہیں۔ غیر جمہوری اقتدار ہی بہتر حکمرانی کو کافور کرنے کا ضامن ہے۔

2- شخصی وظالمانہ حکومت (Autocratic and Cruel Government)

رسالت مآبؐ اور خلفائے راشدین کا دور حکومت الٰہیہ کا دور تھا۔ جہاں مسلم و غیر مسلم کے ساتھ ایک جیسا رحم دلانہ سلوک ہوتا رہا، خوشحالی کا دور دورہ تھا امن کی فضا بحال رہی۔ جونہی شخصی حکومت عمل میں آئی خلیفہ اپنی مرضی کرنے لگے۔ پرکیف ماحول بدامنی کی نذر ہوگیا۔ لوگوں کی زندگی انتشار کا شکار ہوگئی شخصی حکومت ظالمانہ دور کی ترجمانی کرتی ہے۔ جہاں عوام کی فلاح و بہبود کا کوئی خیال رکھنا تو درکنار سوچا بھی نہیں جاسکتا۔ لوگ امن کو ڈھونڈتے ہیں۔ ظالمانہ اور استبدادی حکمران لوگوں کی تنقید کو برداشت نہیں کر سکتے۔ تنقید کرنے والوں کو خونی غسل دے کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ابدی نیند سلا دیا جاتا ہے۔ خوشحالی ختم ہو جاتی ہے ذاتی مفاد کو قومی مفاد پر ترجیح دی جاتی ہے۔ حضرت عمرؓ کا دور "گڈ گورنینس" کا بہترین دور تھا حکمرانی کا یہ عالم تھا کہ وہ قاضی کی عدالت میں مدعا علیہ کی حیثیت میں پیش ہوئے اور انصاف کے ترازو کو جھکنے نہیں دیا۔

3- انسانی حقوق کی خلاف ورزی (Violation of Human Rights)

گڈ گورنینس کے بنیادی اصولوں میں انسانی حقوق کا احترام بہت اہمیت کا حامل ہے۔ حجۃ الوداع انسانی بنیادی حقوق کا ایک سنہری چارٹر تھا۔ رسالت مآب ﷺ اور خلفائے راشدین کے دور میں مسلموں اور غیر مسلموں کو ایک جیسے بنیادی حقوق سے نوازا گیا تھا۔ یہ حکومتِ الٰہیہ کا سنہری دور تھا۔ بنوامیہ کے دور میں انسانی حقوق کی پامالی ہوتی رہی۔ عوام کی آزادی ختم ہوگئی ان کی مرضی کا نظام قائم نہ ہوسکا بہتر حکمرانی کا خاتمہ ہوگیا۔ سیاسی ابتری و سیاسی انتشار مملکت کا مقدر بن گیا اور معاشی ترقی رک گئی۔ آج کل مقبوضہ کشمیر، فلسطین، افغانستان، عراق اور بھارت میں انسانی حقوق کی شدید خلاف ورزی ہو رہی ہے۔ مسلمانوں کی حالت زار ناقابل بیان ہے۔ وہ مفلوک الحالی کا شکار ہیں۔ ان کے ضمیروں اور آوازوں کو مردہ کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ جہاں کہیں وہ اپنی آواز بلند کرتے ہیں انھیں دہشت گردی کا مورد

الزام ٹھہرایا جاتا ہے۔

4- تعلیم کی کمی (Deficiency of Education)

کسی ملک کی سیاسی معاشرتی و معاشی ترقی تعلیم کے بغیر نامکمل ہے ترقی کا اعلیٰ معیار صرف تعلیم کے ذریعے ہی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ خلفائے راشدین خاص کر حضرت عمرؓ کے دور میں تعلیم کا اعلیٰ انتظام تھا۔ مسجدیں درس گاہوں کے طور پر استعمال کی جاتی تھیں۔ مفلس اور نادار طلباء کو وظائف اور ماہانہ دیا جاتا تھا۔ تعلیمی ترقی کے لیے عالم اور فقیہہ لوگ مقرر کیے گئے۔ قرآن و سنت کے علاوہ عربی زبان و ادب کی تعلیم بھی لازمی تھی۔ تعلیمی پسماندگی نہ صرف ترقی کو روک دیتی ہے بلکہ سیاسی شعور کو بھی ختم کر دیتی ہے۔ جہاں سیاسی شعور نہ ہو وہاں لوگ حکومت پر تنقید کرنے کے قابل نہیں رہتے لہٰذا تعلیمی پسماندگی ملکی ترقی کے لیے بھی نقصان دہ ہے اور بہتر حکمرانی کے لیے بھی۔

5- کمزور معیشت (Weak Economy)

کمزور معیشت ملکی خوشحالی و ترقی کے گراف کو نیچے گرا دیتی ہے جو گڈ گورننس کے راستے میں بہت بڑی رکاوٹ ہے۔ حضرت عمرؓ نے ملکی معاشی ترقی کے لیے وسائل ڈھونڈے، بیت المال کو منظم کیا، زراعت و تجارت کو ترقی دی۔ تعلیم، زراعت اور تجارت ہی مضبوط معیشت کے موثر عوامل ہیں۔ ملک خوشحال نہ ہو تو لوگوں کو بنیادی ضروریات کی اشیا میسر نہیں آئیں گی۔ وہ نہ صرف حکومت پر تنقید کریں گے بلکہ اس کے تخت خلاف ہو جائیں گے۔ ملک ابتری کا شکار ہو جائے گا ترقی رک جائے گی اور بالآخر حکومت کا خاتمہ ہو جائے گا۔

مشکلات کا حل (Remedies)

بہتر حکمرانی کے راستے میں مشکلات اور رکاوٹوں کو مندرجہ ذیل طریقوں سے دور کرنا ممکن ہے تاکہ لوگوں کو بہتر زندگی کی سہولیات کی فراہمی مہیا ہو سکے۔

1- آزاد اور خود مختار عدلیہ (Independent Judiciary)

ایک جمہوری اسلامی ریاست میں آزاد و خود مختار عدلیہ کا ہونا نہایت ضروری ہے جو بہتر حکمرانی کی ضامن ہے ورنہ ملکی نظام تہس نہس ہو جائے گا اور لوگ امن سکون کو ترستے رہیں گے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ محدث دہلوی نے فرمایا: ''کہ عمدہ امن عمدہ نظام عدل کی بنا پر ممکن ہے اور قیام عدل ہی ریاست کا سب سے بڑا فرض ہے''۔ مسلمان فلاسفر اور فقہا کا فیصلہ ہے ''کہ کافر مگر منصف حکمران، مسلمان مگر ظالم حکمران سے بہتر ہے''۔

حضرت عمرؓ نے مختلف علاقوں میں قاضی مقرر کیے اور ان کو قطعی طور پر علاقائی انتظامیہ کے اثر و رسوخ سے دور رکھا۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ جب قاضی کی عدالت میں بحیثیت مدعا علیہ پیش ہوئے تو قاضی ان کے احترام میں کھڑا ہو گیا۔ آپؓ نے فوراً اس کو معزول کر دیا اور کہا کہ تو نے یہ احترام کر کے سب سے پہلی ناانصافی مدعی کے ساتھ کی ہے۔

2- بنیادی حقوق کی فراہمی (Provision of Fundamental Rights)

بنیادی حقوق کی فراہمی عوام و رعایا کی خوشحالی اور آزادی کی ضمانت دیتی ہے اور ان کی زندگی کو پرامن بناتی ہے۔ یہ جمہوری اقدار کو جلا

بخشتی ہے۔ اگر کوئی شخص یا خود حکومت کا کوئی اہل کار کسی شخص کو اس کے بنیادی حقوق سے محروم کرنا چاہے تو عدلیہ ان حقوق کی حفاظت کے لیے مختلف حکم امتناعی اور پروانوں کا اجرا کرتی ہے۔ جن کی خلاف ورزی توہین عدالت کے زمرے میں آتی ہے۔ جابر اور بد دیانت انتظامیہ کے خلاف عوام کے ہاتھوں میں یہ بہت بڑا مضبوط ہتھیار ہے۔ حضرت عمرؓ نے ایک ایسی عدالت قائم کی تھی جس کا مقصد بڑے بڑے عہدیداروں اور گورنروں کے حالات کا جائزہ لینا اور ان کے افعال کا محاسبہ کرنا تھا، انہوں نے فرمایا کہ "مجھے خلیفہ رہنے کا کوئی حق نہیں اگر میں عوام کے بنیادی انسانی حقوق اور ان کی شخصی آزادی کو بحال نہ کر سکوں"۔

3- احتساب وتوازن (Checks & Balance)

احتساب وتوازن کا عمل حکمران وانتظامیہ کو راہ راست پر لانے کے لیے اہم کردار ادا کرتا ہے اور اگر احتساب کا عمل بروئے کار نہ لایا جائے تو استبدادی اور ظالمانہ حکومت معرض وجود میں آئے گی۔ حاکم وقت اپنی من مانی کارروائیاں کرنا شروع کر دے گا اور لوگوں کی خواہشات کا احترام نہ کیا جائے گا اور ان کو محکوم تصور کیا جائے گا۔ احتساب وتوازن کا عمل صحیح حکمرانی کی روح ہے۔ اس عمل کو خلافت راشدہ نے اپنے اپنے دور میں جاری وساری رکھا عوام کو شکایت کا موقع فراہم نہ کیا اور ان کی آواز پر لبیک کہا۔

4- آزاد اور مضبوط معیشت (Free and Strong Economy)

جب تک کسی شخص کی اقتصادیات صحیح طور پر آزاد نہ ہوں سیاسی آزادی محال ہے۔ آزادی کی حفاظت کی خاطر اور بہتر حکمرانی کے لیے ضروری ہے کہ ہر شخص کو معاشی ترقی کے لیے یکساں اور مساوی رعایتیں اور سہولیات میسر ہوں ورنہ ایک غریب آدمی جو اپنی نان شبینہ تک کے لیے دوسرے کا محتاج ہے وہ حکومت کا ساتھ کب دے گا اور مملکت ترقی کی بجائے تنزلی کی طرف رواں دواں ہو جائے گی۔ اسلامی حکومتوں نے ہمیشہ اس پہلو کو پیش نظر رکھا۔ انہوں نے نہ صرف عوام کی معاشی حالت کو بہتر کیا بلکہ خدا کی خوشنودی بھی حاصل کی۔

5- شفاف وجمہوری انتخابات (Transparent and Democratic Elections)

رسالت مآب ﷺ کے بعد جب تک خلیفہ ملت شفاف وجمہوری طریقے سے مجلس شوریٰ اور عامتہ المسلمین کے ذریعے منتخب ہوئے۔ عوام کی حکمرانی قائم رہی لوگوں کی تمام ضروریات زندگی پوری ہوتی رہیں۔ ان کو انصاف اپنی دہلیز پر ملتا رہا۔ ان کو سکون واطمینان میسر رہا جونہی نامزدگی عمل پذیر ہوئی جمہوری اقدار کا خاتمہ ہو گیا اور لوگ بے اطمینانی کا شکار ہو گئے لہٰذا شفاف وجمہوری انتخابات بہتر حکمرانی کا زینہ ہیں۔

احتساب (Accountability)

ایک جمہوری اسلامی ریاست میں بہتر اور احتساب کے عمل کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اگر خلیفہ کو آزاد چھوڑ دیا جائے تو استبدادیت پیدا ہوتی ہے۔ لوگ شہری نہیں بلکہ غلام تصور ہوتے ہیں۔ ان کی آزادیاں ختم ہو جاتی ہیں۔ امن وسکھ اور چین تباہ ہو جاتا ہے جمہوریت نام کی کوئی شے نہیں رہتی۔ لہٰذا خلیفہ کو کسی صورت میں بھی قانون سے بالاتر ہونے کی اجازت نہیں۔ خلیفہ اپنی تمام ذمہ داریوں کے لیے بیک وقت اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے سامنے جواب دہ ہے۔ کوئی شخص بھی (سوائے انبیاء کرام کے) تنقید سے بالا نہیں۔ لہٰذا

ہر غلطی کے ارتکاب پر خلیفہ کو معاشرتی دباؤ سے قرآن وسنت کے مطابق عمل کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔

احتساب (Accountability) کی بہترین مثال حضرت ابوبکر صدیق ؓ کا پہلا خطبہ ہے انہوں نے ارشاد فرمایا: ''لوگو! جب تک میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کروں تو تم میری اطاعت کرو۔ اگر مجھ سے کوئی ایسا کام سرزد ہو جس سے اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کا پہلو نکلتا ہو، تو تم پر میری اطاعت واجب نہیں''۔ گویا اسلام میں یہ اُصول ملتے ہے کہ سربراہ ریاست لامحدود اختیارات کا مالک نہیں۔ بلکہ لوگ اس سے جواب طلبی کر سکتے ہیں۔

حضرت عمرؓ کو مال غنیمت کی چادروں کی تقسیم کے سلسلے میں دربار خلافت میں احتساب کا سامنا کرنا پڑا۔ جب بھی بھی آپؓ پر تنقید کی گئی آپؓ نے ہمیشہ خدا کا شکر ادا کیا۔

حضرت عمرؓ نہ صرف عوام بلکہ اللہ کے سامنے بھی اپنے اعمال کے لیے جوابدہ تھے اس لیے وہ فرمایا کرتے تھے اگر دریائے دجلہ کے کنارے کوئی کتا بھی بھوکا مر گیا۔ تو وہ قیامت کے دن اس کے لیے جواب دہ ہوں گے۔ جوابدہی کے اصول کو مزید اجاگر کرنے کے لیے شورائی نظام کو منظم کیا گیا۔ اسلامی نظام حکومت میں اس کو زبردست اہمیت حاصل ہے۔ یہ نظام بھی حضرت عمرؓ کا منظم کیا ہوا ہے تاکہ خلیفہ اپنی من مانی نہ کر سکے بلکہ مشورے سے حکومتی امور کو سرانجام دے سکے۔ مجلس شوریٰ میں متقی اور صاحب الرائے افراد شامل ہوتے تھے۔ اس لیے دل و جان سے لوگ ان کے فیصلے کو مان لیتے تھے۔ مجلس شوریٰ ہمیشہ قرآن وسنت کے مطابق انتظامی امور اور قانون سازی میں بھی مشورے دینے کی مجاز تھی۔ قرآن پاک میں بھی مشاورت کو خاص اہمیت دی گئی۔

حضرت عائشہؓ نے فرمایا: ''حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زندگی بھر کوئی کام بغیر مشورے کے نہیں کیا''۔ اس لیے حضور پاک ﷺ نے مسلمانوں کی تعریف کرتے ہوئے کہا: ''ان کے امور باہمی مشاورت سے طے پاتے ہیں''۔ مغربی ریاستوں میں بھی انتظامیہ کے سربراہوں کا احتساب مواخذہ کے ذریعے ممکن ہے اور وزیراعظم کو عدم اعتماد کی تحریک کے ذریعے ہٹایا جا سکتا ہے۔ بعض امور میں عدالت بھی سربراہ کے احکامات کو کالعدم قرار دے سکتی ہے لہٰذا جوابدہی کی اہمیت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

سوالات

حصہ اول

1- مختصر جوابات دیجئے۔

☆ حکومت کا مفہوم بیان کریں۔

☆ ارسطو نے حکومت کی درجہ بندی کن اصولوں پر کی ہے؟

☆ جمہوریت سے کیا مراد ہے؟

☆ آمریت کس قسم کی حکومت کو کہتے ہیں؟

☆ ڈائسی نے وفاق کی کیا تعریف کی ہے؟

☆ وفاق اور نیم وفاق میں کیا مشابہت ہے؟

☆ پارلیمانی طرز حکومت کی پانچ خصوصیات بیان کریں۔

☆ انتظامیہ کی کون کون سے اقسام ہیں؟

☆ خلافت سے کیا مراد ہے؟

☆ پارلیمانی طرزِ حکومت میں حزبِ مخالف کا کیا کردار ہوتا ہے؟

☆ صدارتی طرزِ حکومت کی پانچ خصوصیات بیان کریں۔

☆ اچھا تصورِ حکمرانی سے کیا مراد ہے؟

☆ احتساب و توازن کا عمل حکمران اور انتظامیہ کو راہِ راست پر لانے کے لیے کیا کردار ادا کرتا ہے؟

☆ آمریت کی اقسام بیان کریں۔

☆ جمہوریت کی کون کون سی اقسام ہیں؟

حصہ دوم

2- جمہوریت کی تعریف کیجیے نیز اس کی خوبیاں اور خامیاں بیان کیجیے۔

3- آمریت سے کیا مراد ہے۔ اس نظام کا تنقیدی تجزیہ کیجیے۔

4- وفاق سے کیا مراد ہے۔ وفاق اور نیم وفاق میں کیا فرق ہے؟

5- وفاقی نظامِ حکومت کی خوبیاں اور خامیاں بیان کیجیے۔

6- صدارتی نظام سے کیا مراد ہے؟ اس نظامِ حکومت کی خوبیاں اور خامیاں بیان کیجیے۔

7- پارلیمانی نظامِ حکومت کی خوبیوں اور خامیوں پر بحث کیجیے۔

8- موجودہ جمہوری ریاست میں انتظامیہ کے فرائض بیان کیجیے۔

9- مندرجہ ذیل پر نوٹ لکھیے۔

(الف) پارلیمانی طرزِ حکومت کی خصوصیات (ب) عدلیہ کے فرائض

10- اسلامی طرزِ حکومت کے بنیادی خدوخال بیان کیجیے۔

11- اچھی حکمرانی کی خصوصیات تحریر کیجیے۔

حصہ سوم

■ ہر سوال کے چار جوابات دیے گئے ہیں درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

1- برطانیہ میں نظامِ حکومت ہے۔

(الف) صدارتی (ب) وفاقی (ج) پارلیمانی (د) وحدانی

2- عدلیہ ملک میں قائم کرتی ہے۔

(الف) عدل و انصاف (ب) نظم و نسق (ج) حکومت (د) جمہوریت

3- ارسطو نے اپنی کس کتاب میں ریاست کی مختلف اقسام کو بیان کیا ہے؟

(الف) مقدمہ (ب) پولیٹکس (ج) جمہوریہ (د) سول گورنمنٹ

4. کس مفکر نے حکومت کی درجہ بندی بہتر طریقے سے کی ہے؟

(الف) ہالینڈ (ب) ارسطو (ج) لیکاک (د) لاسکی

5. جمہوریت کی یہ تعریف کس نے کی ہے؟ ''عوام کی حکومت، عوام کے لیے اور عوام کے ذریعے''۔

(الف) برجیس (ب) ابراہام لنکن (ج) سیلے (د) ہال

6۔یہ عدم استحکام اور جمود کی حوصلہ افزائی کرتی ہیں۔

(الف) سیاسی جماعتیں (ب) عدالتیں (ج) حکومتیں (د) وزارتیں

7۔یہ نظام حکومت غیر یقینی ہے۔

(الف) آمریت (ب) صدارتی (ج) پارلیمانی (د) وفاقی

8. اس نظام میں ضروری نہیں کہ آئین تحریری اور استوار ہو۔

(الف) وفاقی (ب) پارلیمانی (ج) وحدانی (د) جمہوری

9. سوئٹزرلینڈ میں وفاقی اکائی کو کس نام سے پکارا جاتا ہے؟

(الف) صوبہ (ب) ریاست (ج) کینٹن (د) ریپبلک

10- امریکہ میں کون سا نظام حکومت رائج ہے؟

(الف) بادشاہت (ب) وفاقی (ج) وحدانی (د) پارلیمانی

11- پارلیمانی طرز حکومت میں کس کو بہت اہم حیثیت حاصل ہوتی ہے؟

(الف) صدر (ب) سپیکر (ج) اٹارنی جنرل (د) وزیر اعظم

12- کس طرز حکومت میں حکومت کے تینوں شعبے ایک دوسرے سے آزاد ہوتے ہیں؟

(الف) وحدانی (ب) بادشاہت (ج) صدارتی (د) پارلیمانی

13- کس کا سب سے اہم، بنیادی اور اولین فرض قانون سازی ہے؟

(الف) عدلیہ (ب) انتظامیہ (ج) مقننہ (د) کابینہ

14- 1962ء کا دستور کس کے دور میں وضع کیا گیا تھا؟

(الف) سکندر مرزا (ب) غلام محمد (ج) ایوب خاں (د) چوہدری محمد علی

15- سوئٹزر لینڈ میں کون سی انتظامیہ ہے؟

(الف) واحد (ب) کثیری (ج) پارلیمانی (د) صدارتی

16- کس طرز حکومت میں شورائی نظام کو زبردست اہمیت حاصل ہے؟

(الف) پارلیمانی (ب) دستوری (ج) اسلامی (د) وفاقی

17- گورنینس (Governance) کا لفظی معنی ہے۔

(الف) حکومت (ب) نظم و نسق (ج) حکمرانی (د) کارکردگی

18- کس نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے؟

(الف) حکومت (ب) بادشاہ (ج) اللہ تعالیٰ (د) خلیفہ

19- کس کا قول ہے کہ "میں کسی شخص کو اس کا موقع نہ دوں گا کہ وہ کسی کی حق تلفی کرے"۔

(الف) حضرت ابوبکرؓ (ب) حضرت عمرؓ (ج) حضرت عثمانؓ (د) حضرت علیؓ

20- کس نے خلافت کی ذمہ داری سنبھالتے ہوئے کہا تھا "لوگو! اگر میں نبی کی راہ پر چلوں تو میری پیروی کرنا، اگر اس سے ہٹ جاؤں تو مجھے راہ راست پر لے آنا"۔

(الف) حضرت ابوبکرؓ (ب) حضرت عمرؓ (ج) حضرت عثمانؓ (د) حضرت علیؓ

باب6

قانون

(LAW)

انسان فطری طور پر مدنی الطبع ہے وہ معاشرے کے اندر رہتا ہے آپس کے میل جول سے جہاں بھائی چارے اور یگانگت کے جذبات پروان چڑھتے ہیں وہاں انسانی مفادات کا ٹکراؤ بھی ہوتا ہے جس کی وجہ سے معاشرے کے افراد کے مابین تصادم ناگزیر ہو جاتا ہے اس تصادم کو روکنے کے لیے ہر معاشرے کے اندر چند اصول و قواعد پائے جاتے ہیں تاکہ ان پر عمل کر کے افراد پرامن بقائے باہمی کے تحت رہ سکیں۔ ان قواعد وضوابط کے پس پشت اگر حکومت کی طاقت کارفرما ہو اور وہ اس کا نفاذ کرے تو اسے ہم قانون کا نام دیتے ہیں گویا حکومتی طاقت کے ذریعے افراد کے افعال کو منضبط کرنے کا نام قانون ہے۔

قانون کا مفہوم (Meaning of Law)

انگریزی لفظ (Law) قدیم جرمن لفظ (Lag) سے ماخوذ ہے جس کے معنی ایسی شے کے ہیں جو جامد ہموار اور یکساں ہو۔ انگریزی میں اس سے مراد اصول وقواعد کی یکسانیت ہے۔ لفظ "قانون" عربی زبان کا لفظ ہے جو قدیم یونانی لفظ (Kanon) سے اخذ کیا گیا اور اس سے مراد دستور یا قاعدہ ہے۔

قدرتی یا طبعی علوم میں قانون سے مراد وہ اصول ہے جو سبب اور نتیجہ یعنی (Cause and effect) کے باہمی اتصال سے وضع کیا جاتا ہے۔ تمام سائنسی علوم میں اصول خاصی چھان بین کے بعد وضع کیے جاتے ہیں مثلاً کشش ثقل کا قانون یا چیزوں کا حرارت سے پھیلنا وغیرہ۔

علم شہریت کی رو سے قانون کا مفہوم

علم شہریت میں قانون سے مراد وہ اصول یا ضابطے ہیں جنہیں حکومت ریاست کے اندر امن وامان کے قیام کے لیے وضع کرتی ہے اور جن پر عمل درآمد ریاست کی ذمہ داری ہے گویا ایسے قواعد وضوابط جنہیں حکومت ریاست کی بقاء اور امن وامان کے قیام کی خاطر بزور طاقت نافذ کرے قانون کہلاتے ہیں۔

قانون کی تعریف (Definition)

علم شہریت کی طرح قانون کی تعریف کے بارے میں بھی مفکرین نے مختلف آراء دی ہیں جن میں سے چند اہم حسب ذیل ہیں۔

1- جان آسٹن (John Austin)

جان آسٹن نے قانون کی یہ تعریف کی ہے "قانون ایک برتر کا کمتر کو دیا گیا حکم ہوتا ہے۔" یہ تعریف نامکمل اور ناقص ہے آسٹن نے رسم ورواج کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔

2- ٹی۔ایچ۔گرین (T.H.Green)

ٹی ایچ گرین نے قانون کی وضاحت کرتے ہوئے کہا "قانون حقوق وفرائض کا ایسا نظام ہے جسے ریاست نافذ کرتی ہے"۔ گرین کا

خیال ہے کہ قانون صرف اپنے شہریوں کے حقوق و فرائض کا تعین کرتا ہے۔

3- سالمنڈ (Salmond)

سالمنڈ کے مطابق قانون "اصولوں کا ایسا مجموعہ ہے جسے ریاست نافذ کرتی ہے اور ان کے مطابق مقدمات کے فیصلے کیے جاتے ہیں"۔

4- وڈرو ولسن (Woodrow Wilson)

وڈرو ولسن نے قانون کے بارے میں کہا ہے۔ "قانون تسلیم شدہ افکار و عادات کا وہ مجموعہ ہوتا ہے جو یکساں قواعد و ضوابط کی صورت میں باقاعدہ واضح طور پر تسلیم کر لیا گیا ہو اور جس کو حکومت کے اختیار اور طاقت کی پشت پناہی حاصل ہو"۔ یہ تعریف کافی جامع اور مکمل ہے اس سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ قانون رسم و رواج اور عادات پر مبنی ہوتے ہیں۔ ریاست ان رسم و رواج کو تسلیم کرتی ہے اور ان کو قوانین کی شکل دے دیتی ہے۔

5- پروفیسر ہالینڈ (Prof. Holland)

پروفیسر نے قانون کی وضاحت یوں کی ہے" قانون ظاہری افعال کا وہ عام قاعدہ ہے جسے سیاسی مقتدر اعلیٰ نے وضع کیا ہو" قانون کی تعریف کے بارے میں پروفیسر ہالینڈ کی رائے بڑی مستند سمجھی جاتی ہے کیونکہ وہ وضاحت سے بیان کر دیتا ہے کہ قانون کا تعلق انسان کے ظاہری افعال سے ہے اور ان افعال کو منضبط کرنے کے لیے جو قواعد وضع کیے جاتے ہیں جب حکومت ان کو تسلیم کر کے نافذ کرے تو وہ قانون کہلاتا ہے۔

سادہ الفاظ میں ہم قانون کی تعریف یوں کر سکتے ہیں کہ قانون سے مراد وہ اصول و ضوابط ہیں جو انسان کے خارجی افعال سے متعلق ہوتے ہیں اور جنھیں وضع کر کے ریاست اپنی طاقت کی بنا پر نافذ کرتی ہے۔

قانون کے مقاصد (Aims of Law)

معاشرہ میں نظم و ضبط کے قیام اور افراد کے باہمی تعلقات میں تعاون کو فروغ دینے کی ذمہ داری قانون پر عائد ہوتی ہے۔ اس کے مقاصد کے متعلق مشہور فلسفی پاؤنڈ کہتا ہے کہ ریاست عوام کے مختلف گروہوں میں بہتر تعلقات کے قیام اور امن سے بھرپور زندگی کے لیے قوانین کا نفاذ عمل میں لاتی ہے اور یہ عوام کو آگے بڑھنے اور اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے مواقع فراہم کرتی ہے۔ قانون کے ذریعے عوام کی زندگی متوازن ہوتی ہے۔ اگر عوام کے اُوپر کوئی روک ٹوک کا نظام نہ ہو تو تنظیم قائم نہیں ہو سکتی۔ قانون کے بغیر افراتفری اور بے یقینی کا عالم ہوگا۔ قانون اگرچہ پابندی کا دوسرا نام ہے مگر اس کا مقصد یہ ہے کہ وہ ایسی پابندیاں عوام پر عائد کرے جو عوام کی آزادی سلب نہ کریں بلکہ اُن کی آزادی میں اضافہ کریں۔

معاشرہ میں طاقتور اور کمزور افراد (معاشی اور جسمانی طور) پر اکٹھے بستے ہیں۔ قانون کا اولین مقصد یہی ہے کہ وہ کمزوروں کے حقوق کا تحفظ کرے اور اُن کی آزادی کو طاقتور لوگ سلب نہ کریں۔ اگر ایسا ہو تو قانون اُن کو سزا دیتا ہے۔ قانون کا مقصد افراد میں تعاون اور باہمی مروت کے جذبات کو فروغ دیتا ہے۔ قانون ہی تہذیب و تمدن اور تعلیمی و سائنسی ترقی کا ضامن ہے۔ موجودہ فلاحی ریاست کے تصور نے قانون کو [illegible]

کے ساتھ ساتھ انھیں زندگی کو خوشحال بنانے کے مواقع بھی فراہم کرتا ہے۔

قانون کے ماخذ (Sources of Law)

آج ہمیں قوانین کی جو صورت نظر آتی ہے وہ ایک دم معرض وجود میں نہیں آئی بلکہ ریاست کی طرح قانون نے بھی مختلف ارتقائی منازل طے کی ہیں۔ قانون کے درج ذیل ماخذ ہیں۔

1- رسم ورواج (Customs)

قانون کی سب سے قدیم اور ابتدائی شکل رسم ورواج ہیں رسوم سے مراد وہ طریقہ کار اور ضوابط ہیں جو لوگوں میں نسل در نسل خود بخود منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ قدیم زمانے میں معاشرے کے اندر افراد کے تعلقات کو منضبط اور منظم کرنیوالی کوئی سیاسی تنظیم نہ تھی۔ اس زمانے میں یہ کام رسم ورواج انجام دیتے تھے۔ جب ریاست وجود میں آئی تو بہت سے رسم ورواج جو معاشرے کی فلاح و بہبود کے لیے مفید سمجھے گئے انھیں قانون کی شکل دی گئی اور ریاست کے اندر ان کا نفاذ کر دیا گیا۔ اس طرح یہ عمل جاری رہا اور وقت کے ساتھ ساتھ بہت سے رسم و رواج کو قانون کی شکل دے دی گئی مثلاً انگلستان کا قانون عامہ (Common law) رسم ورواج پر مبنی ہے واضح رہے کہ جابر سے جابر حکومت بھی قوانین وضع کرتے وقت رسم ورواج کو نظر انداز نہیں کر سکتی۔

2- مذہب (Religion)

مذہب اور انسان کا تعلق زمانہ قدیم سے ہے۔ پرانے زمانے میں مذہب صرف عقائد و عبادات تک محدود نہ تھا بلکہ اس کا دائرہ کار انسان کی پوری معاشرتی زندگی پر محیط تھا۔ آج کی نسبت پرانے دور میں مذہب کا اثر بہت نمایاں تھا۔ مذہب اور سیاست میں تمیز نہ کی جاتی تھی۔ بادشاہ روحانی اور دنیاوی دونوں حیثیتوں سے حکمرانی کرتا تھا۔

3- عدالتی فیصلے (Judicial Decisions)

قانون سازی کا کام مقننہ سرانجام دیتی ہے اور عدلیہ قانون کا تحفظ کر کے عدل و انصاف فراہم کرتی ہے۔ گویا عدلیہ کا کام قانون وضع کرنا نہیں ہے تاہم بعض اوقات قانون کسی خاص معاملے کے بارے میں مبہم اور غیر واضح ہوتا ہے یا انصاف کے تقاضے پورے نہیں کرتا تو ایسے حالات میں جج صاحبان اپنی بصیرت سے کام لے کر قانون کی تشریح کر دیتے ہیں اور فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔ یہ فیصلہ وقت کے ساتھ ساتھ ایک نظیر کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔ ماتحت عدالتیں مبہم قوانین کی صورت میں انھی نظائر سے راہنمائی حاصل کرتی ہیں اور یوں یہ فیصلے قانون کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔ ان کو عموماً ججوں کے وضع کردہ قوانین (Judge made law) کہا جاتا ہے امریکہ میں عدالتی نظرثانی (Judicial review) کا اختیار چیف جسٹس مارشل نے اسی طرح حاصل کیا تھا۔

4- ماہرین قانون کی علمی تشریحات (Legal Commentaries of Jurists)

قانون کا چوتھا اہم ماخذ ماہرین قانون کی علمی تشریحات ہیں۔ یہ لوگ براہ راست قانون سازی میں حصہ نہیں لیتے۔ ہر حکومت قوانین وضع کرتے وقت ان ماہرین کی تشریحات کو پیش نظر رکھتی ہے۔ مثال کے طور پر انگلستان میں انگریز ماہرین قوانین بلیک سٹون اور کوک وغیرہ کی تشریحات انگریزی قانون کا اہم ماخذ تصور کی جاتی ہیں۔ اسلامی ممالک میں قوانین مرتب کرتے وقت فقہا کی آرا کا خیال رکھا جاتا ہے۔

امام مالکؒ، امام ابوحنیفہؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام شافعیؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام جعفر صادقؒ جیسے عظیم فقہاء نے اسلامی قانون کو فقہی بنیادوں پر استوار کرنے میں بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔

5- قانون سازی (Legislation)

دور حاضر میں ریاستیں بہت وسعت پا گئی ہیں۔ آئے دن نئے نئے قوانین کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے سب سے اہم اور جدید ذریعہ مقننہ کے ذریعے قانون وضع کرنا ہے جو عوام کے منتخب کردہ نمائندوں پر مشتمل ہوتی ہے جس کا کام نہ صرف ملک کا آئین مرتب کرنا ہے بلکہ روزمرہ کے حالات کے لیے قوانین وضع کرنا بھی ہوتا ہے۔ آمریتوں میں قانون سازی کا فرض آمر (Dictator) سرانجام دیتا ہے۔ تاہم دکھاوے کے لیے وہ بھی ایک کونسل ضرور بناتا ہے جبکہ جمہوری ممالک میں مقننہ یہ کام سرانجام دیتی ہے۔ ان قوانین کو انگریزی میں Act یا Statutes یعنی مقننہ کے قوانین کہا جاتا ہے۔ دور حاضر میں دیگر ماخذوں کی اہمیت کافی حد تک کم ہو چکی ہے۔ مشہور مفکر گلکرائسٹ کے بقول قانون کا اہم ماخذ اسمبلی ہی قانون سازی ہے۔

قانون کی اقسام (Kinds of Law)

قانون کی اقسام درج ذیل ہیں۔

1- قومی قانون (National Law)

2- بین الاقوامی قانون (International Law)

1- قومی قانون (National Law)

ایک ملک کے اندر جتنے بھی قوانین نافذ کیے جاتے ہیں ان کو قومی قانون کہا جاتا ہے۔ ان کی اطاعت ریاست کے ہر شہری پر فرض ہوتی ہے۔ میک آئیور قومی قانون کی مزید اقسام بیان کرتا ہے جن کا تعلق براہ راست ریاست کے شہریوں سے ہوتا ہے جبکہ بین الاقوامی قانون کا تعلق نہ صرف ریاست کے عوام بلکہ دیگر ممالک سے بھی ہوتا ہے۔

قومی قانون کی اقسام

قومی قانون کی اقسام مندرجہ ذیل ہیں۔

1- آئینی یا دستوری قانون (Constitutional Law)

قواعد و ضوابط کا وہ مجموعہ جو ریاست کے ڈھانچے کے مختلف شعبوں کے مابین تعلقات اور ان کے اختیارات، ریاست اور عوام کے مابین تعلقات کی تشریح کرتا ہے وہ دستوری یا آئینی قانون کہلاتا ہے۔ یہ تحریری اور غیر تحریری دونوں صورتوں میں پایا جاتا ہے۔ دنیا میں برطانیہ کا آئین کافی حد تک غیر تحریری ہے اور روایات پر مبنی ہے ہر ریاست میں دستور کو ایک مقدس دستاویز خیال کیا جاتا ہے۔

2- مقننہ کے وضع کردہ قوانین

آئینی قوانین کے علاوہ حکومت روزمرہ کے حالات سے عہدہ برآ ہونے کے لیے عوامی خواہشات کے مطابق جو قوانین وضع کرتی ہے

ان کو مقننہ کے وضع کردہ قوانین یا عام قانون کہا جاتا ہے عام قانون کو وضع کرنے کا اختیار ملکی مقننہ کو حاصل ہوتا ہے۔ عام قانون (Common Law) ریاست کی اپنی تشکیل اور اختیارات کے بارے میں نہیں ہوتے بلکہ عوام کی روزمرہ زندگی سے تعلق رکھتے ہیں۔ بقول ایک مفکر" ریاست قانون سے پیدا بھی ہوتی ہے اور اس کو پیدا بھی کرتی ہے"۔یعنی ریاست کا وجود آئینی قوانین سے معرض وجود میں آتا ہے اور عام قوانین کو ریاست وضع کرتی ہے امریکہ میں قانون سازی کا کام کانگرس سرانجام دیتی ہے جب کہ برطانیہ پاکستان اور بھارت میں پارلیمنٹ یہ فریضہ سرانجام دیتی ہے۔ عام قانون کی مزید درج ذیل اقسام ہیں:

(i) نجی قانون (Private Law)

نجی یا پرائیویٹ قانون سے مراد ایسے قوانین ہیں جو فرد کی شخصی زندگی سے متعلق ہوتے ہیں زمین جائیداد کاروبار وراثت شادی بیاہ اور طلاق جیسے معاملات نجی قانون کے زمرے میں آتے ہیں۔

(ii) قانون عامہ (Public Law)

قوانین عامہ سے مراد ایسے قوانین ہیں جو افراد کے مابین نہیں بلکہ فرد اور ریاست کے مابین ہوتے ہیں ان قوانین کا مقصد شہری کو ریاست کی بے جا مداخلت سے تحفظ فراہم کرتا ہے۔ٹیکسوں کی ادائیگی اور امن وامان کے قیام وغیرہ جیسے معاملات پبلک لا کے ذریعے سر انجام پاتے ہیں بعض ماہرین قانون عامہ کو آئینی یا دستوری قانون کا حصہ سمجھتے ہیں۔

(iii) انتظامی قانون (Administrative Law)

انتظامی قانون دنیا کے تمام ممالک میں رائج نہیں ہے بلکہ صرف چند ممالک میں رائج ہے اس قانون کے تحت سرکاری اہلکاروں کے معاملات کے مقدمات الگ عدالتوں میں دائر کیے جاتے ہیں اور عام شہریوں سے ان کو انتظامی قانون کی بنا پر ممیز کیا جاتا ہے یہ قانون فرانس اور دیگر چند یورپی ممالک میں رائج ہے۔

(iv) دیوانی قانون (Civil law)

دیوانی قانون سے مراد وہ قانون ہے جس کے تحت شہریوں کی جائیداد وراثت شراکتی کاروبار اور لین دین جیسے معاملات طے کیے جاتے ہیں۔ان کے لیے علیحدہ سول عدالتیں قائم کی جاتی ہیں۔

(v) فوجداری قانون (Criminal Law)

فوجداری قانون سے مراد ایسے قوانین ہیں جو ریاست میں امن وامان اور نظم ونسق کے قیام کے لیے وضع کیے جاتے ہیں اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو جسمانی ایذا مثلاً قتل قاتلانہ حملہ یا ڈاکہ ڈالے تو ایسے مقدمات فوجداری قانون کے زمرے میں آتے ہیں۔فوجداری معاملات فوجداری عدالت کے ذریعے طے کیے جاتے ہیں اگر کوئی شخص ریاست کو نقصان پہنچائے تو وہ بھی فوجداری قانون کے زمرے میں آئے گا۔

(vi) حکم نامے (Ordinances)

جیسا کہ اس سے قبل بھی ذکر ہو چکا ہے کہ عام قوانین ملک کی مقننہ وضع کرتی ہے۔ سال میں مقننہ کا اجلاس مخصوص مدت کے لیے ہوتا ہے۔ بعض اوقات فوری طور پر قوانین وضع کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔اس وقت اگر مقننہ کا اجلاس نہ ہو رہا ہو تو حکومت ان حالات

سے عہدہ برآ ہونے کے لیے آرڈیننس جاری کرتی ہے۔جس کی مدت چند ماہ ہوتی ہے۔آرڈیننس سربراہ مملکت جاری کرتا ہے۔مقننہ کے آنے والے اجلاس میں آرڈیننس کی اگر ضرورت ہوتو توثیق کے لیے پیش کیا جاتا ہے اگر مقننہ اس کی منظوری دے دے تو یہ قانون بن جاتا ہے بصورت دیگر وہ مخصوص مدت گذرنے کے بعد منسوخ ہوجاتا ہے۔

(vii) رسمی قانون (Customary or Common Law)

رسمی قانون سے مراد ایسا قانون ہے جسے عوام کی مروجہ روایات اور رسومات پر استوار کیا گیا ہو۔اگرچہ ان کو باقاعدہ قانونی شکل نہیں دی جاتی لیکن عدالتیں ان کا احترام اسی طرح کرتی ہیں جیسے دیگر تحریری قوانین کا، برطانیہ کے قانون کا تین چوتھائی حصہ رسمی قانون پرمبنی ہے۔

(viii) عدلیہ کے وضع کردہ قوانین (Adjudication)

بعض اوقات عدلیہ بھی قانون سازی کا کام کرتی ہے۔بعض اوقات کسی خاص معاملے میں قانون خاموش ہوتا ہے یا مبہم ہوتا ہے ایسی صورت میں جج صاحبان اپنی بصیرت سے کام لے کر فیصلہ کردیتے ہیں بعد میں یہ فیصلہ ماتحت عدالتوں کے لیے قانون ہی کا درجہ رکھتا ہے۔

اسلامی قانون (Islamic Law)

اللہ تعالی نے اپنے بندوں کی رہنمائی کے لیے سرور دو عالم حضرت محمد ﷺ کے ذریعے رشد و ہدایت کا پیغام قرآن کی صورت میں بھیجا یہ اللہ تعالی کا بنایا ہوا قانون ہے جو غلطیوں سے مبرا ہے۔اسلام ایک مکمل نظام حیات پیش کرتا ہے جس میں انسانوں کے لیے اچھائی اور برائی کے راستے کی نشاندہی کردی گئی ہے۔

اسلامی قانون کی چند خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں۔

1-دائرہ کار کی وسعت و جامعیت

اسلامی قانون کا دائرہ کار انسانی قانون کے مقابلے میں بہت وسیع ہے۔یہ انسانی زندگی کے ہر پہلو کا احاطہ کرتا ہے یہ نہ صرف دنیا بلکہ آخرت کے لیے بھی انسان کو راہنمائی دیتا ہے۔

2-انسانی فطرت کے عین مطابق ہے

یہ قانون انسانی فطرت کے عین مطابق ہے یہ انسان کے ظاہری افعال کا ہی نہیں بلکہ باطن کا بھی احاطہ کرتا ہے فرد کو نہ صرف ظاہری طور پر بلکہ باطنی طور پر بھی قانون کی پابندی سکھاتا ہے۔

3-وحدانی قوت

دور حاضر میں قانون سازی انسانوں کے بنائے ہوئے ادارے کرتے ہیں جس کی وجہ سے متضاد آراء سامنے آتی ہیں۔جبکہ اسلامی قانون اللہ کی ذات کا مرتب کردہ ہے اور اس میں غلطی کا احتمال نہیں ہے۔

4- نظم وضبط کا فروغ

اسلامی قانون سے افراد کے اندر نظم وضبط پیدا ہوتا ہے کیونکہ اسلام کے تمام احکامات افراد کو نظم وضبط سکھاتے ہیں۔

5- خوشحالی کی ضمانت

اسلامی قانون خوشحالی کی ضمانت دیتا ہے اور وسیع حقوق دیتا ہے۔ وہ صرف پابندیاں عائد نہیں کرتا بلکہ ایک ایسا مثالی معاشرہ پیدا کرتا ہے جہاں سب افراد خوشحال زندگی بسر کرتے ہیں۔

6- قطعیت وہمہ گیری

اسلامی قانون اللہ کی حاکمیت کا اظہار ہے۔ اللہ تعالیٰ مقتدر اعلیٰ ہے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کا فرمان قانون کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں تبدیلی کی گنجائش نہیں ہے بلکہ یہ قطعی اور اٹل ہے۔

7- زمانے کے حالات کے مطابق

ترمیم نہ ہونے کی وجہ سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ اسلامی قانون بدلتے ہوئے حالات کا ساتھ نہیں دے سکتا یہ تصور غلط ہے۔ اسلام سب سے زیادہ حالات کا ساتھ دینے والا قانون ہے اور ہر زمانے کے لیے یکساں مفید وموثر ہے۔ اسلام نے اس کے لیے اجتہاد کا راستہ اختیار کر رکھا ہے۔ علما قرآن وسنت کی روشنی میں اجتہاد یعنی اپنی عقل وفہم کے ذریعے قانون وضع کرتے ہیں۔

8- انسان کی جبری حاکمیت کا خاتمہ

اسلامی قانون فرد کی فرد پر حاکمیت ختم کر کے اللہ کی حاکمیت قائم کرتا ہے اور کسی کو دوسرے فرد سے برتر قرار نہیں دیتا۔

اسلامی قانون کے ماخذ

1- قرآن مجید

اسلامی قانون کا سب سے اولین اور بنیادی ماخذ قرآن مجید ہے جو کہ تمام قوانین کا سرچشمہ ہے۔ قرآن مجید خدا کی نازل کردہ سب سے آخری اور مکمل ترین الہامی کتاب ہے۔ مسلمان یوں تو تمام الہامی کتابوں کو مانتے ہیں لیکن ان کے لیے قانون، ہدایت اور آئینِ زندگی صرف قرآن مجید ہے اور یہی اصل ماخذ ہدایت ہے۔ واضح ہو کہ قرآن پاک میں قوانین کو باقاعدہ مرتب شدہ صورت میں پیش نہیں کیا گیا بلکہ بنیادی اصول دیے گئے ہیں جن سے ہم اسلامی قانون کے دوسرے ماخذوں کے ذریعے استفادہ کر سکتے ہیں۔

2- حدیث وسنت

اسلامی قانون کا دوسرا اہم ماخذ حدیث وسنت ہے۔ سنت کے معنی طریقہ اور قاعدہ ہے۔ سنت تین طرح کی ہوتی ہے۔

1۔ سنت قولی 2- سنت فعلی 3- سنت تقریری

1۔ سنت قولی سے مراد ایسی باتیں جو حضورؐ نے فرمائی ہوں یعنی حدیث۔

2- سنت فعلی سے مراد ایسے کام جو حضورؐ نے خود کیے ہوں۔

3- سنت تقریری سے مراد ایسے عمل جن کے کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں حضورؐ نے منع نہیں فرمایا۔

حدیث کی اہم کتابیں مندرجہ ذیل ہیں۔

1- صحیح بخاری 2- صحیح مسلم 3- سنن ابی داؤد 4- سنن ابن ماجہ 5- سنن نسائی 6- جامع ترمذی

3- اجماع

مجتہدین امت کا کسی مسئلہ پر اتفاق اور اتحاد کر لینا اجماع ہے۔ حضورؐ نے فرمایا میری امت کبھی کسی غلط کام پر متفق نہیں ہوگی۔

گویا آنحضورؐ نے اپنی امت پر مکمل اعتماد کا اظہار کر دیا تھا۔ خلفائے راشدین کے دور میں باقاعدہ شورائی نظام قائم تھا لہٰذا خلفائے راشدین اور صحابہ کرامؓ کے اجماعی فیصلے محترم ہیں ان پر اتفاق ضروری ہے۔ البتہ بعد کے علماء کے اجماع کے بارے میں اختلاف ہے اس بارے میں امام کرخیؒ نے کہا ہے کہ صحابہ کرامؓ کا اجماع سب مسلمانوں پر واجب ہے۔

4- قیاس

قیاس کا لغوی مفہوم ہے کسی چیز سے موازنہ کرنا یا ناپنا فقہ کی اصطلاح میں دو مسائل میں اتحاد علت کی وجہ سے ایک حکم کو دوسرے پر لگا دینے کا نام قیاس ہے مثال کے طور پر قرآن مجید میں شراب کو حرام قرار دیا گیا ہے اور حرام قرار دینے کی وجہ نشہ ہے۔ قیاس یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو نشہ لائے وہ حرام ہوگی لہٰذا بہت سے ایسے مسائل جن کے بارے میں قرآن وحدیث میں واضح حکم موجود نہیں ہے۔ وہاں پر علماء اپنے عقل وعلم سے قیاس کرتے ہیں۔

5- فقہ اسلامی

اسلامی قانون باقاعدہ طور پر جس مرتب شدہ صورت میں ہمیں ملتا ہے وہ فقہائے کرام کا مرتب کردہ ہے اور اسلامی قانون کا اہم ترین اور آخری ماخذ ہے فقہ سے مراد وہ علم ہے جیسے امام احمد بن حنبلؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام ابو حنیفہؒ اور امام جعفر صادقؒ نے مرتب کیا ہو۔ ان آئمہ کرام نے اسلامی قانون کو باقاعدہ فقہی قواعد کی رو سے مختلف موضوعات رکھتے ہوئے باقاعدہ ہم عصر حالات کی روشنی میں مدون کیا جن کی مدد سے ایک ایسا اسلامی ضابطہ قانون تیار ہو گیا جو آنے والے ادوار کے لیے روشنی کا مینار ہے۔

6- خلفائے راشدین کا طرز عمل

اسلامی قانون کا ایک اہم ماخذ خلفائے راشدین کا طرز عمل ہے۔ صحابہ کرامؓ، نبی کریمؐ کی طرز زندگی کے گواہ تھے لہٰذا جہاں قرآن وحدیث میں حکم نہ ملے وہاں صحابہ کرامؓ کا طرز عمل دیکھا جا سکتا ہے مثلاً حضرت عمرؓ کو جب کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو سب سے پہلے وہ قرآن مجید سے رہنمائی حاصل کرتے اگر وہاں کوئی واضح حکم نہ ملتا تو سنت اور حدیث سے معلوم کرتے بصورت دیگر وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے طرز عمل کا جائزہ لیتے اور اس کے بعد اپنی عقل وفہم کے ذریعے درست فیصلہ کرتے۔ لہٰذا خلفائے راشدین کا طرز عمل بھی اسلامی قانون کا اہم ماخذ ہے۔

آزادی (LIBERTY)

آزادی کا مفہوم (Meaning of Liberty)

عام مفہوم میں آزادی (Liberty) سے مراد ہر قسم کی پابندیوں سے آزاد ہونا ہے۔ آزادی کا یہ مفہوم گمراہ کن ہے۔ فطری دور میں ایسی آزادی (Liberty) کا تصور ممکن ہے لیکن دورِ حاضر میں ایسی آزادی کا تصور محال ہے کیونکہ لامحدود آزادی سے صرف طاقتور ہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں جبکہ آزادی کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ ہر شخص اپنے حقوق کو اس طرح استعمال کرے کہ دوسروں کے حقوق غصب نہ ہو سکیں۔ یعنی ہر فرد جو آزادی سے مستفید ہونے کا حق رکھتا ہو وہ دوسروں کی آزادی کا احترام کرنے کا فرض بھی ادا کرے۔ گویا حقوق و فرائض کے مجموعے کا نام آزادی ہے۔

1789ء کے منشور حقوق انسانی میں کہا گیا ہے۔ ''آزادی سے مراد ایسا کام کرنے کی آزادی ہے جس سے دوسروں کے مفادات کو ضرر نہ پہنچے''۔

دوسروں کے مفادات کا تحفظ اسی صورت ممکن ہے جب ہر فرد کی آزادی پر کچھ حدود و قیود عائد ہوں۔ اس کے لیے قانون لازمی شرط ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ریاست افراد پر صرف پابندیاں ہی عائد کرے کیونکہ فرد کی زندگی کے ہر پہلو میں ریاست کی مداخلت کا مطلب آزادی کا خاتمہ ہے۔ جدید تصورِ آزادی کے مطابق آزادی کے دو پہلو ہیں۔

i- منفی پہلو (Negative Aspect)

آزادی کے منفی پہلو سے مراد یہ ہے کہ ریاست افراد کی آزادیوں پر کچھ پابندیاں شہریوں کی فلاح و بہبود اور پرامن زندگی گذارنے کے لیے لگاتی ہے۔ یہ پابندیاں شہریوں کی پرامن زندگی گذارنے کے لیے لازم ہیں۔ لیکن یہ پابندیاں غیر منصفانہ نہیں ہونی چاہیئیں کیونکہ اس طرح کی پابندیوں سے افراد کی صلاحیتیں پروان چڑھنے کی بجائے دب جائیں گی۔ گویا آزادی کا منفی پہلو یہ ہے کہ عوام کی آزادیوں کے تحفظ کے لیے ان کے افعال پر جائز پابندیاں لگائی جائیں۔ نقصان دہ اور غیر منصفانہ پابندیاں نہ لگائی جائیں اور اگر ایسی کوئی پابندیاں موجود ہوں تو ان کو ختم کر دیا جائے۔

ii- مثبت پہلو (Positive Aspect)

آزادی کے مثبت پہلو سے مراد یہ ہے کہ ریاست صرف پابندیاں ہی عائد نہ کرے بلکہ وہ لوگوں کو ایسے مواقع فراہم کرے جن سے وہ اپنے حقوق سے بھرپور فائدہ اٹھا سکیں۔ یہ مواقع مساوی طور پر فراہم کرنا ضروری ہے آج کی فلاحی ریاست کا تو مقصد ہی یہ ہے کہ افراد کو معاشی، سیاسی، مذہبی اور معاشرتی سہولتیں مساوی طور پر فراہم ہوں تاکہ وہ اپنی شخصیت کی تعمیر و تکمیل کر سکیں۔

آزادی کی تعریف (Definition)

لفظ آزادی (liberty) لاطینی زبان کے لفظ (Liber) سے اخذ کیا گیا ہے۔ جس کا مطلب ہے ''آزاد''۔ مختلف مفکرین نے آزادی کی تعریف اس طرح کی ہے۔

ہربرٹ سپنسر کے مطابق

''ہرفرد کو اپنی منشاء کے مطابق عمل کرنے کی اجازت ہو بشرطیکہ اس سے کسی دوسرے شخص کی آزادی کو نقصان نہ پہنچتا ہو''۔

پروفیسر لاسکی کے مطابق

''آزادی ایسی فضا ہے جو حقوق کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے''۔

گیٹل کے مطابق

''آزادی سے مراد ریاست کی طرف سے فراہم کردہ حقوق اور مراعات سے پیدا شدہ وہ ماحول ہے جس میں افراد کو اپنی صلاحیتوں کو نکھارنے کا موقع ملتا ہے''۔

اصول معدلت یا عدل وانصاف

(Principle of Equity or Justice)

معدلت عربی زبان کا لفظ ہے جس کا لغوی مفہوم عدل وانصاف کی رو سے فیصلہ کرنا ہے علم قانون کی رو سے معدلت کا مطلب جج کا وہ اختیار ہے جس کی بنا پر وہ کسی مقدمے کا فیصلہ انصاف کے مطابق کرتا ہے۔ بعض اوقات جج کے سامنے ایسا مقدمہ پیش ہو جاتا ہے جس کے بارے میں سرے سے کوئی قانون نہیں ہوتا ہے یا معاشرتی حالات میں اس قدر تبدیلی آ چکی ہوتی ہے کہ پرانے قوانین انصاف کے تقاضے پورے نہیں کر سکتے تب جج اپنے علم، تجربے اور قانونی اختیارات کو بروئے کار لا کر فیصلہ کر دیتا ہے عدالتی فیصلے اور اصول معدلت میں یہ فرق ہے کہ عدالتی فیصلہ جج پہلے سے موجود قانون کی تعبیر وتشریح کر کے دیتا ہے جبکہ اصول معدلت کے تحت وہ انصاف کی رو سے فیصلہ کرتا ہے۔ انگلستان میں ایک خاص عدالت ایسی قائم ہے جو صرف عدل وانصاف کی بنیاد پر مقدمات کا فیصلہ کرتی ہے واضح ہو کہ معدلت کے اختیارات عام طور پر اعلیٰ عدالتوں کو حاصل ہوتے ہیں۔

آزادی اور قانون

(LAW AND LIBERTY)

آزادی اور قانون کے مابین تعلق کے بارے میں مفکرین نے متضاد آراء پیش کی ہیں۔ بظاہر آزادی اور قانون دو متضاد الفاظ ہیں کیونکہ آزادی سے مراد عدم پابندی لی جاتی ہے۔ جب کہ قانون افراد کی آزادی پر حدود عائد کرتا ہے۔ قبل اس کے کہ ہم آزادی اور قانون کے تعلق کے بارے میں تحریر کریں بہتر ہوگا کہ اس سلسلے میں مختلف مکتبہ ہائے نگاہ کو مدنظر رکھا جائے۔

انفرادیت پسند (Individualists)

قانون اور آزادی کے باہمی تعلق کے بارے میں انفرادیت پسندوں کا نظریہ یہ ہے کہ آزادی اور قانون ایک دوسرے سے بالکل الگ اور متضاد ہیں۔ ان کے مطابق جتنے قوانین ہوں گے آزادی اسی تناسب سے کم ہو جائے گی اور جتنے قوانین کم ہوں گے اتنی ہی آزادی

بڑھ جائے گی۔ لہٰذا قوانین کا ہونا ضروری نہیں ۔ یہ گروہ اس انتہا پر چلا جاتا ہے کہ ریاست کے وجود کو غیر ضروری قرار دے دیتا ہے۔

مثالیت پسند (Idealists)

انفرادیت پسند فرد کی مکمل آزادی کے حامی ہیں تو مثالیت پسند دوسری انتہا پر چلے جاتے ہیں۔ ان کے مطابق ریاست کے ہر قانون سے افراد کی آزادیوں میں کمی کی بجائے اضافہ ہوتا ہے۔ وہ قانون کو آزادی کی لازمی شرط قرار دیتے ہیں۔ مثالیت پسند ریاست کے زیادہ سے زیادہ دائرہ کار کے حامی ہیں یعنی مداخلت کو جائز قرار دیتے ہیں۔

صحیح نقطہ نظر (Correct Point of view)

مندرجہ بالا دونوں نظریات قانون اور آزادی کے باہمی تعلق کی صحیح وضاحت نہیں کرتے نہ ہی فرد کی بے لگام آزادی مناسب ہے اور نہ ہی ریاست کی طرف سے فرد پر حد سے زیادہ بندشیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر قانون اور آزادی کا باہمی تعلق کیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ دونوں کا وجود باہم متصل ہے۔ آزادی قانون کے تحفظ کے تحت قائم رہ سکتی ہے۔ قانون کے بغیر پر امن اور خوشگوار معاشرے کا قیام ممکن نہیں ہے۔ دراصل قوانین کا انحصار قوانین بنانے والی حکومت پر بھی ہے اگر جابرانہ حکومت قوانین وضع کرتی ہے تو وہ آزادی کے منافی ہوں گے بصورت دیگر قوانین افراد کی آزادی میں اضافے کا موجب ہوں گے۔

حقوق کی موثر حفاظت

قوانین افراد کے حقوق کی موثر طور پر حفاظت کرتے ہیں وہ شہریوں کو حکومت کی بے جا مداخلت سے تحفظ فراہم کرتے ہیں۔

فلاحی معاشرہ

قوانین کے ذریعے لوگوں کو بہت سی سہولتیں بہم پہنچائی جاتی ہیں جس میں تعلیم، روزگار کی سہولتیں، علاج معالجہ کی سہولتیں وغیرہ جس کی وجہ سے ایک فلاحی معاشرے کا قیام ممکن ہو جاتا ہے۔

دستوری تحفظ

افراد کے بنیادی حقوق کے تحفظ کے لیے ان کا دستوری تحفظ بہت ضروری ہے۔ یہ کام حکومت کے وضع کردہ قوانین کے ذریعے کیا جاتا ہے۔

حاصل بحث

ہم کہہ سکتے ہیں کہ آزادی اور قانون کا باہمی تعلق اس صورت میں ہوتا ہے جب ایک جمہوری حکومت ان کو وضع کرے۔ آمرانہ حکومتوں میں بعض غیر منصفانہ قوانین آزادیوں کو سلب کر لیتے ہیں اور ایک مخصوص طبقہ کی خواہشات اور نظریات کی عکاسی کرتے ہیں اس طرح کے قانون عام لوگوں کی آزادی کے لیے مضر ہوتے ہیں۔

سوالات

حصہ اول

-1 مختصر جوابات دیجئے۔

☆ قانون کا مفہوم بیان کریں۔

☆ وڈرو ولسن نے ''قانون'' کی کیا تعریف کی ہے؟

☆ قانون کے مقاصد کے حوالے سے مشہور فلسفی پاؤنڈ کیا کہتا ہے؟

☆ قانون کے ماخذ کے حوالے سے ماہرین قانون کی علمی تشریحات سے کیا مراد ہے؟

☆ آزادی سے کیا مراد ہے؟

☆ نجی قانون سے کیا مراد ہے؟

☆ حدیث کی اہم کتابوں کے نام تحریر کریں۔

☆ آزادی اور قانون کے باہمی تعلق کے بارے میں انفرادیت پسندوں کا کیا نظریہ ہے؟

☆ آزادی کے مثبت پہلو سے کیا مراد ہے؟

☆ ''حکم نامے'' کیا ہوتے ہیں؟

حصہ دوم

-2 قانون سے کیا مراد ہے؟ قانون کے ماخذ بیان کیجئے۔

-3 قانون کی کون کون سی اقسام ہیں؟ وضاحت کیجئے۔

-4 اسلامی قانون کی خصوصیات کا جائزہ لیجئے۔

-5 اسلامی قانون کے ماخذ تفصیل سے بیان کیجئے۔

-6 آزادی کی تعریف کیجئے نیز آزادی اور قانون کا تعلق واضح کیجئے۔

حصہ سوم

■ ہر سوال کے چار جوابات دیئے گئے ہیں درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

-1 انگریزی کا لفظ Law قدیم لفظ Lag سے ماخوذ ہے۔ Lag کس زبان کا لفظ ہے؟

(الف) جرمن (ب) فرانسیسی (ج) یونانی (د) چینی

-2 یہ تعریف کس مفکر کی ہے؟ ''قانونی ظاہری افعال کا وہ عام قاعدہ ہے جسے سیاسی مقتدر اعلیٰ نے وضع کیا ہو۔''

(الف) وڈرو ولسن (ب) پروفیسر ہالینڈ (ج) لاسکی (د) ژاں بوداں

-3 قانون کے حوالے سے غیر ضروری ماخذ کی نشاندہی کیجئے۔

(الف) رسم و رواج (ب) علمی تشریحات (ج) عدالتی فیصلے (د) تقسیم اختیارات

-4 قانون سازی کا کام کون سرانجام دیتی ہے؟

(الف) عدلیہ (ب) کابینہ (ج) انتظامیہ (د) مقننہ

-5 آرڈیننس (Ordinance) کون جاری کرتا ہے؟

(الف) اٹارنی جنرل (ب) سپریم کورٹ (ج) چیف جسٹس (د) سربراہ مملکت

-6 اسلامی قانون کے ماخذوں میں کون سا ماخذ بنیادی ہے؟

(الف) حدیث و سنت (ب) اجماع (ج) قرآن مجید (د) قیاس

-7 جدید تصور آزادی کے مطابق آزادی کے کتنے پہلو ہیں؟

(الف) دو (ب) تین (ج) چار (د) پانچ

-8 لفظ آزادی (Liberty) کس زبان کے لفظ Liber سے اخذ کیا گی ہے؟

(الف) جاپانی (ب) انگریزی (ج) لاطینی (د) یونانی

-9 ''قانون'' کس زبان کا لفظ ہے؟

(الف) اردو (ب) یونانی (ج) جاپانی (د) عربی

-10 کس مفکر کا قول ہے کہ'' قانون کا اہم ماخذ اسمبلی کی قانون سازی ہے''

(الف) لاسکی (ب) گلکرائسٹ (ج) گیٹل (د) فائنر

-11 قانون کی اقسام ہیں۔

(الف) دو (ب) تین (ج) چار (د) پانچ

-12 سنت کا معنی ہے۔

(الف) ترتیب دینا (ب) ہدایت (ج) طریقہ اور قاعدہ (د) مراعات

-13 کس ملک کے قانون کا تین چوتھائی حصہ رسمی قانون پر مبنی ہے؟

(الف) امریکہ (ب) فرانس (ج) چین (د) برطانیہ

14- انسان فطری طور پر ہے۔

(الف) مدنی الطبع (ب) طاقتور (ج) جنگجو (د) خودغرض

15- قانون کی سب سے قدیم اور ابتدائی شکل

(الف) ماہرین کی رائے (ب) رسم ورواج (ج) مذہب (د) عدالتی فیصلے

16- آزادی کی یہ تعریف کس نے کی ہے؟ ''آزادی ایسی فضا ہے جو حقوق کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے''۔

(الف) ہربرٹ سپنسر (ب) گیٹل (ج) پروفیسر لاسکی (د) پروفیسر سیلے

17- کس نظریہ کے مطابق آزادی اور قانون ایک دوسرے سے بالکل متضاد ہیں؟

(الف) مثالیت پسند (ب) جمہوریت پسند (ج) انفرادیت پسند (د) آمریت پسند

18- کس کے بغیر پرامن اور خوشگوار معاشرے کا قیام ممکن نہیں ہے؟

(الف) رسم ورواج (ب) مال ودولت (ج) سیروتفریح (د) قانون

باب 7

شہری اور شہریت
(Citizen and Citizenship)

شہری کا مفہوم اور تعریف

شہری ایسے باشندے کو کہتے ہیں جو کسی مملکت میں مستقل طور پر رہ رہا ہو اور اسے مملکت کی طرف سے سیاسی، معاشرتی، معاشی اور دیگر حقوق حاصل ہوں۔ ایسا فرد اگر عارضی طور پر کسی دوسری مملکت میں چلا جائے تو اس کی اپنی مملکت اسے حقوق عطا کرتی ہے۔ شہری کو حقوق ملتے ہیں تو ان کے بدلے وہ متعدد فرائض بھی ادا کرتا ہے۔ یوں سمجھ لیجئے کہ فرد کے حقوق ریاست کے فرائض اور ریاست کے حقوق فرد کے فرائض ہوتے ہیں۔ ایک ریاست کے حقوق حاصل کرنے والے تمام شہریوں کا درجہ مساوی ہوتا ہے اور وہ برابر انداز میں اپنے حقوق سے مستفید ہوتے ہیں۔

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ عام لوگ شہری سے مراد وہ فرد لیتے ہیں جو شہر میں رہتا ہو اور جو شہر میں رہائش پذیر نہ ہو اسے دیہاتی کہتے ہیں۔ علم شہریت کی رو سے شہروں اور دیہاتوں میں رہنے والے تمام افراد ریاست کے شہری شمار ہوتے ہیں۔

قدیم یونان میں ہر ریاست ایک شہر کے برابر تھی اور اسے شہری ریاست (City State) کہا جاتا تھا۔ شہری ریاست میں بسنے اور حقوق پانے والے شہری کہلاتے تھے۔ وقت کے ساتھ ساتھ ریاستیں رقبے کے لحاظ سے بڑی ہوتی گئیں لیکن بڑی ریاستوں کے باشندوں کو بھی شہری پکارا جاتا تھا۔ یہی سلسلہ اب تک رائج ہے قدیم یونان کے باشندوں میں تمیز روا رکھی جاتی تھی۔ باشندے دو اقسام کے تھے شہری اور غلام۔ غلاموں کو حقوق حاصل نہیں ہوتے تھے۔ حقوق صرف شہریوں کو ملتے تھے۔

ارسطو نے 'شہری' کی تعریف درج ذیل الفاظ میں کی ہے۔

''کسی شہری ریاست کے سیاسی وعدالتی معاملات میں حصہ لینے والے فرد کو شہری کہتے ہیں''

شہری کا موجودہ تصور

ارسطو کی تعریف کو پیش نظر رکھیں تو یونانی دور کے غلاموں کو سیاسی وعدالتی معاملات میں حصہ لینے کی اجازت نہیں تھی اس لیے وہ شہری شمار نہیں ہوتے تھے۔ ارسطو کی تعریف پر آج کی بڑی بڑی ریاستوں کے بہت سے باشندے پورے نہیں اترتے کیونکہ وہ براہ راست حکومت کے سیاسی وعدالتی امور میں عمل دخل نہیں رکھتے۔ آج کل بالواسطہ طریقہ کار ہے۔ عوام کی نمائندگی کا حق جن افراد کو انتخابات کے ذریعے حاصل ہو جاتا ہے صرف وہی براہ راست ملکی، سیاسی اور عدالتی امور کو چلاتے ہیں۔ بالواسطہ طرز جمہوریت نے کثیر آبادی کی ریاستوں میں نظام عوام کی منشاء کے مطابق چلانے کی سہولت پیدا کر دی ہے اس لیے ہم آج کی ریاست کے تمام باشندوں کو شہری کہہ سکتے ہیں۔ آج تو ووٹ کا حق جنس، دولت اور نسل کا لحاظ رکھے بغیر تمام شہریوں کو دیا جا رہا ہے۔ عورتیں اور محنت کش بھی ووٹ دے کر اپنی مرضی کا اظہار کرتے ہیں اور حکومت سازی میں حصہ لیتے ہیں آج ہم شہری کی تعریف ان الفاظ میں کر سکتے ہیں۔

''شہری ایسا ہر فرد ہے جو کسی ریاست کے احکام کی پیروی کرتا ہو' سیاسی شعور رکھتا ہو اور ریاست اسے سیاسی' معاشرتی اور اقتصادی حقوق عطا کر رہی ہو نیز وہ اپنی ریاست سے محبت کرتا ہو اور اس کی بہتری کے لیے جذبات رکھتا ہو''

شہریت کا مفہوم (Meaning of Citizenship)

شہریت (Citizenship) فرد کی وہ حیثیت ہے جس کی بنیاد پر وہ اقتصادی، معاشرتی اور سیاسی حقوق حاصل کرتا ہے۔ اور جب حقوق ملتے ہیں تو ان کے بدلے وہ فرائض اور ذمہ داری بھی نبھاتا ہے۔ وہ بحیثیت شہری ریاست کی مدد سے ترقی کرتا ہے اور اسی حیثیت میں وہ ریاست کی ترقی اور استحکام کے لیے کام کرتا ہے۔ جب ریاست کسی شہری کو حقوق دینے کا فیصلہ کر لیتی ہے تو اس کے تحفظ کی ذمہ داری قبول کر لیتی ہے۔ شہریت کا حصول فرد کا حق ہے جسے حاصل کرنے کے بعد وہ ریاست سے وابستہ ہو جاتا ہے۔ یہ وابستگی جذباتی نوعیت اختیار کر لیتی ہے۔ ریاست شہری کو اپنا حصہ بناتی ہے تو شہری بھی اس کی حفاظت کے لیے تن من دھن کی بازی لگانے کو تیار رہتا ہے۔ حقوق شہریت حب الوطنی کی بنیاد دیتے ہیں۔ ریاست اور شہری میں جو تعلق استوار ہوتا ہے اسے قانونی تحفظ مل جاتا ہے۔

اچھے شہری کے اوصاف

(Qualities of Good Citizen)

اچھی شہریت مہذب معاشرے اور پرامن و خوشگوار ماحول کے لیے بنیاد فراہم کرتی ہے۔ فرد اور ریاست میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اگر شہری اچھے ہوں تو ریاست بھی اچھی پہچان رکھتی ہے۔ اچھے شہری کے حوالے سے متعدد خوبیاں گنوائی جا سکتی ہیں۔ لارڈ برائس نے تین بنیادی خوبیوں کا ذکر کیا ہے۔

1- ذہانت

شعور اور آگہی کی بدولت افراد میں ذہانت ابھرتی ہے۔ اگر شہری اپنے مسائل سے آگاہ ہوں' انہیں اپنے ہاں کام کرنے والے اداروں کی اہمیت اور کارکردگی کا علم ہو تو وہ اپنا کردار عمدہ طریقے سے نبھا سکتے ہیں۔ آج کے جمہوری اداروں کی کامیابی کا دارومدار شہریوں کے رویے پر ہوتا ہے۔ شہری اپنے ووٹ کا استعمال صحیح طور پر کرتا ہے' اپنے حلقے سے بہتر نمائندے کا انتخاب عمل میں لاتا ہے' اپنے نمائندے سے اپنے علاقے کے مسائل کے حل کے لیے رابطے قائم رکھتا ہے اور اپنے حقوق کے حصول کے لیے سرگرم عمل رہتا ہے۔ ذہین اور باشعور شہریوں کی موجودگی میں برسر اقتدار لوگ من مانی نہیں کر سکتے اور نہ شہریوں کے حقوق کو ان تک پہنچنے سے روک سکتے ہیں۔ وہ ایک ذمہ دار معاشرے کو تخلیق کرتے ہیں اور ایک ریاست قائم کر کے اسے کامیابیوں سے ہمکنار کرتے ہیں۔ وہ بین الاقوامی معاشرے کو بھی بہتر بنیادیں فراہم کرتے ہیں۔

2- ضبط نفس

شہری میں ضبط نفس کی خوبی جمہوریت کی کامیابی کے لیے بنیادی شرط ہے۔ لازم ہے کہ ہر شہری اپنی رائے سوچ سمجھ کر اختیار کرے۔ وہ اپنی رائے ترتیب دیتے وقت اپنی ذات اور خاندان پر ریاست اور قوم کے مفادات کو ترجیح دے۔ وہ اپنی رائے دوسروں پر ٹھونسنے کی بجائے ان کی آراء کا احترام کرے۔ ضبط نفس کو ہم رواداری کے معنوں میں بھی لے سکتے ہیں۔ رواداری نام ہے دوسروں کے احترام کا'

دوسروں کے حقوق اور آراء کے احترام کا۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے "میں آپ کی رائے سے متفق نہیں ہوں لیکن آپ کی رائے کا احترام کرتا ہوں"۔ اگر یہ جذبہ موجود ہو تو مثالی شہریت کا وجود پوری طرح ممکن ہوتا ہے۔ ورنہ بدانتظامی، انتشار اور من مانی جیسی کیفیت جنم لے لیتی ہے۔

3- دیانت

ایک اچھا شہری اپنے فرائض دیانت داری سے ادا کرتا ہے۔ وہ دوسروں کے حقوق سلب نہیں کرتا اور نہ کسی کی جائیداد ہڑپ کرتا ہے۔ وہ حکومت کی طرف سے نافذ کیے گئے محصولات کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کرتا۔ وہ خود غرضی سے کام نہیں لیتا اور دوسروں کی خوشیوں میں اپنی خوشی تلاش کرتا ہے۔ ایک اچھا شہری انفرادی بھلائی پر اجتماعی بھلائی کو ترجیح دیتا ہے۔ وہ اپنی ذمہ داریاں بخوبی نبھاتا ہے۔ جو بھی کام اس کے حصے میں آتا ہے وہ اسے دیانت داری اور فرض شناسی کے ساتھ نبھاتا ہے۔ اپنے ذہن اور ضمیر پر کوئی بوجھ نہیں رکھتا۔ اچھا شہری دکاندار ہے تو مناسب قیمت وصول کرتا ہے اور پورا تول دیتا ہے۔ اگر سرکاری ملازم ہے تو رشوت خوری سے پرہیز کرتا ہے اور سرکاری اوقات کار میں صرف سرکاری فرائض ادا کرتا ہے۔ اسی طرح ہر شعبہ سے منسلک فرد اپنے پیشے سے انصاف کرتا اور دیانت داری سے ذمہ داریاں پوری کرتا ہے۔

4- سیاسی و معاشرتی شعور

اچھے شہری میں سیاسی و معاشرتی معاملات کے بارے میں شعور و آگہی ہوتی ہے۔ وہ اپنے مسئلوں کو سمجھتا ہے۔ اپنی اور دوسروں کی ذمہ داریوں سے آگاہ ہوتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اس کا ووٹ قوم کی قسمت کا فیصلہ کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ وہ مقامی، قومی اور بین الاقوامی تنازعات کا ادراک رکھتا ہے اور اپنی ریاست کے مفادات کو اچھی طرح پہچانتا ہے۔ وہ علاقائی، نسلی، لسانی اور دیگر تعصبات سے بالاتر رہتے ہوئے اپنے فیصلے مرتب کرتا ہے۔ وہ نہ صرف خود بلکہ دوسروں کو بھی غیر جذباتی طور پر سوچنے اور فیصلوں پر پہنچنے کی تلقین کرتا ہے۔ اچھا شہری حکومت کی کارکردگی کا بنظر غائر جائزہ لیتا رہتا ہے۔ برسر اقتدار جماعت کے اچھے کاموں کی تعریف کرتا ہے اور غلط اقدام پر تنقید کرتا ہے۔ وہ تنقید برائے تنقید اور مخالفت برائے مخالفت کا قائل نہیں ہوتا۔ وہ علم و آگہی کی بنیاد پر کام کرتا ہے اور جذباتی فیصلوں سے گریز کرتا ہے۔ وہ سیاستدانوں کے خود غرضانہ مقاصد کی تکمیل میں معاون نہیں ہوتا اور قومی مفادات کے لیے دیگر مفادات کو قربان کرنے پر آمادہ رہتا ہے۔

5- وطن سے محبت

وطن سے محبت ایک فطری امر ہے۔ ہر اچھا انسان جس زمین کا اُگا ہوا کھاتا ہے اس سے محبت کرتا ہے۔ اپنے وطن کے ذرے ذرے سے اسے پیار ہوتا ہے اور اس کے رہنے وطن کی بہبود کے پیش نظر مرتب ہوتے ہیں۔ اسے وطن کی وجہ سے تحفظ ملتا ہے۔ اس کے بدلے میں ضروری ہے کہ وہ وطن کی حفاظت کرے۔ اگر کوئی دوسری ریاست اس کے وطن کے بارے میں منفی عزائم رکھتی ہو تو وہ اپنی ریاست کی سرحدوں کی حفاظت کے لیے اپنے آپ کو پیش کر دے۔ وطن کی آن پر جان دینے والے شہریوں کی ریاست کی طرف کوئی میلی آنکھ سے دیکھنے کی جرات نہیں کر سکتا۔ وطن کی خاطر جان دینے والوں کو ہیرو کا درجہ حاصل ہوتا ہے اور ریاست ان کو خصوصی تمغوں سے نوازتی ہے۔

6- وفاداریوں میں تناسب

ایک فرد ایک وقت میں کئی اداروں سے وابستہ ہوتا ہے اور ان سے مفادات حاصل کرتا ہے۔ خاندان، قبیلہ، سیاسی جماعت، مذہبی گروہ اور ریاست ایسے ہی ادارے ہیں۔ ان سب سے تعلق رکھنا اور ان سے وفاداری نبھانا ضروری ہے۔ اگر مختلف اداروں سے وفاداریوں میں ٹکراؤ پیدا ہو جائے تو اسے ایک پر دوسرے اداروں کو ترجیح دینا پڑتی ہے۔ اسے چاہیے کہ اپنی ذات پر اپنے خاندان کو، اپنے خاندان پر اپنی

سیاسی جماعت کو اور اپنی سیاسی جماعت پر اپنی ریاست کو ترجیح دے۔ اس سے توقع کی جاتی ہے کہ عالمگیر انسانی برادری کو باقی سب اداروں پر ترجیح دے تاکہ انسانی قدروں کو فروغ حاصل ہو۔ دنیا بھر میں امن و آشتی رہے اور اقوام ایک دوسرے سے تعاون کی راہ اپنا کر عالم انسانیت کو ترقی دے سکیں۔

7- قانون کا احترام

ایک اچھا شہری اپنی ریاست میں رائج قوانین کا احترام کرتا ہے۔ قوانین شہریوں کے تحفظ اور ترقی کے لیے بنائے جاتے ہیں۔ اچھا شہری قانون کے ہاتھوں کو مضبوط کرتا ہے۔ وہ قانون نافذ کرنے والے اداروں سے تعاون کرتا ہے۔ وہ دوسروں کو بھی قوانین پر عمل درآمد کرنے کی تلقین کرتا رہتا ہے۔ سماج دشمن عناصر کے خلاف مہم میں حکومت اور پولیس کا ساتھ دیتا ہے۔ قوانین پابندیاں بھی عائد کرتے ہیں اور سہولتیں بھی مہیا کرتے ہیں۔ اچھا شہری قانون کی پابندیوں کو روا رکھتا ہے۔ کیونکہ اس میں اس کا اور دوسرے تمام شہریوں کا بھلا ہوتا ہے۔ قانون شکنی کرنے والے شہری اچھے ماحول کی تخلیق میں رکاوٹ بنتے ہیں۔ وہ خود بھی نقصان اٹھاتے ہیں اور دوسروں کو بھی نقصان پہنچاتے ہیں مثلاً ٹریفک قوانین کی خلاف ورزی کرنے والے نہ صرف دوسروں کی بلکہ اپنی جان کے لیے بھی خطرہ بنتے ہیں۔

8- خدا تعالیٰ کا خوف

شہریوں کے دلوں میں خدا تعالیٰ کا خوف ہو تو جنت نما معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔ شہری بنیادی طور پر انسان ہے اور اسے اپنے اعمال کے لیے نہ صرف اس دنیا میں بلکہ آنے والے جہاں میں بھی جواب دہ ہونا ہے۔ یوم محشر کو باری تعالیٰ کے روبرو اس نے بتانا ہے کہ اس نے دوسروں کے حقوق کا کس حد تک خیال رکھا۔ چوروں، ڈاکوؤں، ذخیرہ اندوزوں، رشوت خوروں، یتیموں اور بیواؤں کا مال کھانے والوں کی باز پرس ہو گی۔ اگر ہم سب شہری یوم آخرت کو اپنے ذہن میں رکھیں تو ہم بہت سی برائیوں سے بچ سکتے ہیں۔ خوف خدا انسان کو بہتر راستوں پر چلنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ انفرادی طور پر اگر تمام لوگ یہ احساس اپنے ذہنوں میں جاگزیں کر لیں تو اجتماعی زندگی رنگوں، روشنیوں اور خوشبوؤں سے بس سکتی ہے۔ خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ جس کے پاس وافر مال ہے وہ اس میں سے غریبوں اور ناداروں کا حصہ نکالے۔ اسلام میں زکوٰۃ اور صدقات کا تصور اسی لیے شامل کیا گیا ہے کہ غریبوں کی ضرورتیں پوری کرنے کی ذمہ داری امیر قبول کریں۔

9- ذمہ داری کا احساس

شہری کا کردار بڑا متنوع ہوتا ہے۔ اپنے خاندان، معاشرے اور ریاست کی طرف سے اس پر بہت سی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ وہ خاندان میں اپنے والدین اور بیوی بچوں کی ضروریات پوری کرنے کا پابند ہے اور ریاست و معاشرے میں دوسروں کے ہم رکاب ترقی کی طرف سفر کرتا ہے۔ اگر احساس ذمہ داری موجود ہو تو شہری اپنے لیے بھی اور معاشرہ و ملک کے دوسرے افراد کے لیے مفید مطلوبہ نتائج اخذ کر سکتا ہے۔ احساس ذمہ داری سے عاری شہری مسائل کو جنم دینے کا باعث بنتے ہیں۔ ملازم، تاجر، فوجی، سیاستدان، کسان، مزدور یہ سب شہری ہیں۔ اگر یہ تمام اپنی اپنی ذمہ داری پوری کریں تو اجتماعی طور پر خوشگوار جہاں بنا لینے میں کامیاب رہیں گے۔

10- تعلیم یافتہ

علم کے بغیر انسان کو اچھے برے کی تمیز نہیں ہوتی۔ ہمارے پیارے رسول اکرم ﷺ نے تعلیم کے حصول پر بہت زور دیا ہے۔ عورت اور مرد دونوں کو ہدایت کی ہے کہ وہ علم حاصل کریں۔ مہد سے لحد تک علم حاصل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ تعلیم انسانوں کو ذمہ داریوں کا

احساس بھی دلاتی ہے اور انہیں پورا کرنے میں بھی مدد دیتی ہے۔ وہ بدی کی راہوں کو ترک کر کے نیکیوں کی طرف راغب ہوتے ہیں۔ روزمرہ ضرورتوں کی تکمیل' سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی کا راز تعلیم میں ہی مضمر ہے۔ پاکستان میں خواندگی کی شرح کم ہے اس لیے یہاں معاشی ترقی بھی تیزی سے حاصل نہیں ہو رہی۔ شعور آدمیت' حقوق و فرائض کی آگہی اور اجتماعی بہبود کے لیے اگر کوئی بنیادی عنصر ہے تو تعلیم ہے۔ اچھے شہری تعلیم کے زیور سے خود بھی آراستہ ہوتے ہیں اور اپنی اولاد کو بھی تعلیم کے زیور سے سنوارتے ہیں۔ تعلیم انسانوں کو تعصبات' تنگ نظری اور اوہام سے بچاتی ہے۔ انسانوں میں اعلیٰ اقدار کے فروغ کے لیے تعلیم کا حصول بنیادی شرط ہے۔

11- صحت مند

اچھا شہری اپنی جسمانی اور ذہنی صحت کا خیال رکھتا ہے۔ وہ خود حفظان صحت کے اصولوں سے آشنا ہوتا ہے اور اپنے اہل خاندان کو بھی آگاہ کرتا ہے۔ وہ مناسب خوراک اور صحت بخش ماحول کی اہمیت جانتا ہے۔ وہ اپنے گھر اور خاندان کو ہی نہیں آس پاس کے ماحول کو بھی صاف ستھرا رکھتا ہے۔ ماحولیاتی آلودگی کو دور کرنے کے لیے انفرادی اور اجتماعی کوششیں کرتا ہے۔ سیر و تفریح' کھیل کود اور دوسری صحت بخش سرگرمیوں کو نظرانداز نہیں کرتا۔

12- خود اعتمادی

اچھا شہری پر اعتماد ہوتا ہے۔ وہ اپنے مسائل اور ان کے حل جانتا ہے۔ احساس کمتری میں مبتلا نہیں ہوتا۔ خود اعتمادی، تعلیم اور سیاسی شعور سے آتی ہے۔ محنت اور جستجو شہری کے اعتماد میں اضافہ کرتی ہے اور قابلیت و صلاحیت سے وہ بھرپور کام لیتا ہے۔

شہریت کے حصول کے طریقے
(Methods of Acquiring Citizenship)

بنیادی طور پر کسی ریاست کی شہریت کے حقوق حاصل کرنے کے دو طریقے ہیں۔

1- پیدائشی طریقہ (By Birth)

2- قومیت یافتہ (By Naturalization)

1- پیدائشی طریقہ

افراد کو عموماً پیدائش کی بنیاد پر شہریت کے حقوق دیئے جاتے ہیں۔ پیدائش کے حوالے سے طریقہ کو تین ذیلی طریقوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

i- والدین کی شہریت

والدین کی ریاست کے حقوق شہریت پیدا ہونے والے بچے کو از خود مل جاتے ہیں۔ فرانسیسی والدین کے ہاں پیدا ہونے والا بچہ قدرتی طور پر فرانس کا پیدائشی شہری شمار ہوتا ہے یہی اصول پاکستان' بھارت' اٹلی' جرمنی' ناروے' ڈنمارک اور سویڈن میں تسلیم کیا جاتا ہے۔ والدہ بچے کی پیدائش کے وقت اپنے ملک میں رہائش پذیر ہو یا کسی غیر ملک میں رہ رہی ہو' بچے کو والدین کی ریاست کی شہریت مل جاتی ہے۔ اسے آبائی شہریت بھی کہتے ہیں۔

ii- جائے پیدائش کی شہریت

ارجنٹائن میں حقوق شہریت کی بنیاد جائے پیدائش کو مانا جاتا ہے۔ بچہ جس سرزمین پر پیدا ہوتا ہے ارجنٹائن کے قانون کے مطابق اسے اسی ریاست کا شہری سمجھا جاتا ہے۔ یعنی اگر ارجنٹائن کے والدین کے ہاں بچہ ارجنٹائن کے علاقے میں جنم لیتا ہے تو وہ ارجنٹائن کا شہری مانا جاتا ہے اور اگر وہ کسی دوسرے ملک کی سرزمین پر پیدا ہوتا ہے تو ارجنٹائن کا قانون اسے اپنا شہری نہیں مانتا۔ اگر غیر ملکی والدین کے ہاں بچہ ارجنٹائن کے علاقے میں جنم لے تو وہ بچہ ارجنٹائن کے قانون کے مطابق ارجنٹائن کا شہری قرار پاتا ہے۔ جائے پیدائش کا یہ اصول محض ارجنٹائن تک محدود ہے۔ دنیا بھر کے ممالک پہلے طریقے یعنی والدین کی شہریت کے اصول کو مانتے ہیں۔

iii- دوہرا اصول

بعض ممالک اوپر دیئے گئے دونوں طریقوں کو قبول کرتے ہیں۔ امریکہ اور برطانیہ میں یہی اصول رائج ہے۔ برطانوی یا امریکی والدین کے ہاں بچہ امریکہ کی سرزمین پر پیدا ہو یا کسی غیر ملک میں وہ امریکہ کی شہریت کے پیدائشی حقوق پا لیتا ہے۔ اسی طرح امریکہ یا برطانیہ کے علاقے میں کسی غیر ملکی جوڑے کے ہاں بچہ تولد ہو تو اسے پیدائشی شہریت کے حقوق مل جاتے ہیں۔ برطانیہ اور امریکہ آبائی شہریت اور جائے پیدائش کی شہریت کے دونوں اصولوں کو تسلیم کرتے ہیں۔

کبھی کبھی بڑی دلچسپ صورت حال جنم لے لیتی ہے۔ جب بچہ دوہری شہریت حاصل کر لیتا ہے مثلاً ارجنٹائن کی سرزمین پر امریکی جوڑے کے ہاں بچے کی پیدائش ہو تو اس بچے کو دونوں ممالک اپنی شہریت کے پیدائشی حقوق دیتے ہیں۔ یوں دوہری شہریت بچے کو حاصل ہو جاتی ہے۔

دوہری شہریت (Double Citizenship) ہونے کی صورت میں بین الاقوامی قانون کے مطابق بچہ بڑا ہو کر دونوں میں سے جس ملک کا شہری بننا پسند کرتا ہے درخواست دے کر ایسا کر سکتا ہے۔ عملاً کوئی شہری بیک وقت دو ریاستوں کا پیدائشی شہری نہیں رہ سکتا۔ اسے دونوں میں سے ایک کو اختیار کرنا پڑتا ہے۔

2- قومیت یافتہ

اگر ایک ریاست کا پیدائشی شہری کسی دوسری ریاست کا شہری بننا چاہے تو ایسا ہو سکتا ہے وہ درخواست دے کر نئی ریاست کی شہریت مانگ سکتا ہے۔ لازم ہے کہ یہ حق مانگنے کے لیے اس کے پاس مضبوط سبب موجود ہو۔ اگر درخواست پر غور کرنے کے بعد دوسری ریاست کسی فرد کو اپنا شہری بنانے پر متفق ہو جاتی ہے تو وہ فرد پیدائشی شہری نہیں مانا جاتا۔ وہ قومیت یافتہ شہری (Naturalized Citizen) کہلاتا ہے۔ وہ اسباب درج ذیل ہیں جن کی بنیاد پر دوسری ریاست کی شہریت کے حقوق حاصل کرنے کے لیے کوئی فرد درخواست دیتا ہے۔

i- طویل رہائش

اگر کوئی فرد اپنی آبائی ریاست سے ترک سکونت کر کے کسی دوسری ریاست میں طویل عرصے تک رہائش پذیر رہتا ہے تو وہ اس ریاست کی حکومت سے حقوق شہریت کے لیے درخواست کر سکتا ہے۔ برطانیہ اور امریکہ سمیت کئی ممالک میں کم از کم پانچ سال کی مسلسل رہائش کا اصول مانا جاتا ہے۔ پاکستان کے بہت سے شہری برطانیہ اور دیگر ممالک میں طویل عرصہ گزارنے کے بعد وہاں کی شہریت کے حقوق حاصل کر چکے ہیں۔

ii-الحاق

ایک ریاست کا کوئی حصہ کسی دوسری ریاست سے الحاق کر لیتا ہے اور اس کا جغرافیائی حصہ بن جاتا ہے تو اس علاقے میں رہنے والے افراد کو دوسری ریاست کی شہریت کے حقوق مل جاتے ہیں۔ اگر ریاست جموں وکشمیر میں ریفرینڈم ہو اور عوام پاکستان سے الحاق کا فیصلہ کریں تو کشمیریوں کو پاکستان کے حقوق شہریت مل جائیں گے۔ الاسکا امریکہ کی ایک ریاست ہے۔ الاسکا کو روس نے امریکہ کے ہاتھوں فروخت کر دیا تھا۔ الاسکا کے باشندے اس خرید کے بعد خود بخود امریکہ کے شہری مان لیے گئے۔

iii-غیر ملکی سے شادی

اگر ایک ملک کا شہری چاہے عورت ہو یا مرد اگر دوسرے ملک کے باشندے سے شادی کرلے تو وہ اپنے ازدواجی ساتھی کی ریاست کے حقوق شہریت کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ اگر کوئی امریکی خاتون کسی پاکستانی مرد سے بیاہ رچالیتی ہے تو وہ اپنے خاوند کے ملک کی شہری بن سکتی ہے۔ خاوند بھی اگر چاہے تو اپنی غیر ملکی بیگم کی ریاست کا شہری بننے کے لیے درخواست دے سکتا ہے۔

iv-سرکاری ملازمت

ایک ریاست کا شہری دوسری ریاست کا سرکاری ملازم ہو جائے تو سمجھا جاتا ہے کہ اس نے اپنی وفاداریاں تبدیل کر لی ہیں۔ وہ دوسری ریاست کو حقوق شہریت عطا کرنے کے لیے درخواست کر سکتا ہے۔ کینیڈا میں سرکاری ملازمت اختیار کرنے والوں کو شہریت حاصل کرنے میں سہولت ملتی ہے۔

v-جائیداد کی خرید

اگر ایک ریاست کا شہری کسی دوسری ریاست میں جا کر جائیداد خرید لے تو وہ دوسری ریاست سے حقوق شہریت کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ جائیداد خریدنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ فرد نے ریاست میں اپنے قدم جما لیے ہیں۔ اس کی دلچسپی کا یہ ثبوت بن جاتا ہے۔ مغربی ممالک میں بے شمار ایشیائی باشندوں نے جائیداد کی خرید کی بنیاد پر وہاں کی شہریت حاصل کی ہوئی ہے۔

vi-تجارتی کاروبار

اگر ایک ملک کا باشندہ دوسرے ملک میں کاروبار کرتا ہے۔ رقم تجارت میں لگاتا ہے۔ اور سرمایہ کاری کے ذریعے اس ملک کی معیشت کے لیے معاون بنتا ہے تو وہ اگر چاہے تو اس ملک کی شہریت کے حقوق طلب کر سکتا ہے۔

vii-متبنٰی بنانا

ایک ملک کا شہری کسی دوسرے ملک کے فرد کو اپنا متبنٰی بنالے تو وہ اس کے لیے اپنے ملک کی شہریت کے حقوق مانگنے کے لیے درخواست گزار سکتا ہے مثلاً کسی غیر ملکی کو کوئی پاکستانی شہری اپنا متبنٰی بنالے اور عدالتی کارروائی کے بعد ضروری دستاویزات تیار کر کے ثبوت پیش کر دے تو غیر ملکی متبنٰی کو پاکستان کی شہریت کے حقوق حاصل ہو جائیں گے۔

حقوق شہریت کا چھن جانا

(Loss of Citizenship)

اگر حقوق شہریت فرد کو ایک ریاست کے حاصل ہو سکتے ہیں تو دوسری جانب ان کا ضائع ہونا بھی ممکن ہوتا ہے۔ حقوق شہریت سلب کیے جانے کے اسباب درج ذیل ہیں۔

1- طویل غیر حاضری

اگر کوئی شہری اپنی ریاست سے کسی دوسری ریاست میں شفٹ ہو جائے اور لمبے عرصے تک اپنی آبائی ریاست سے رابطہ نہ رکھے تو اس کا رشتہ کٹ سکتا ہے۔ آبائی ریاست کی حکومت اس کے حقوق سلب کر سکتی ہے۔ جرمنی اور فرانس میں اگر کوئی شہری کسی دوسرے ملک میں دس سال تک رہائش پذیر رہے اور اپنے ملک سے کوئی واسطہ نہ رکھے تو اس کی شہریت کے حقوق ختم ہو سکتے ہیں۔

2- دوسری ریاست کی شہریت کا حصول

اگر ایک ریاست کا شہری کسی دوسری ریاست میں درخواست دے کر اس کے حقوق شہریت حاصل کر لیتا ہے تو اس کی پہلی ریاست کے حقوق ختم ہو جاتے ہیں۔ عام طور پر ایک وقت میں وہ صرف ایک ہی ریاست کا شہری رہ سکتا ہے۔ بعض ریاستوں کی جانب سے شہری کو دوہری شہریت کے حقوق بھی حاصل ہو سکتے ہیں کئی پاکستانیوں نے برطانیہ کی شہریت بھی حاصل کر رکھی ہے۔

3- سرمایہ کاری

کوئی شہری اپنی ریاست کی اجازت کے بغیر اگر کسی دوسرے ملک میں سرمایہ کاری کرتا ہے اور اپنی دلچسپی مستقل کر لیتا ہے تو اس کی آبائی ریاست اس کے حقوق شہریت سلب کر سکتی ہے۔

4- سرکاری ملازمت

اگر کوئی فرد اپنی آبائی ریاست کی اجازت کے بغیر کسی دوسری ریاست میں سرکاری اور خصوصاً فوجی ملازمت اختیار کر لیتا ہے تو ایسے فرد کی اپنی ریاست کی شہریت کے حقوق چھن جاتے ہیں۔

5- غیر ملکی سے شادی

اگر کوئی مرد یا عورت کسی دوسری ریاست کے باشندے سے شادی کر لے تو وہ اس کی ریاست کی شہریت حاصل کر سکتا ہے۔ اسی طرح جب وہ دوسری ریاست کا شہری بنتا ہے تو اس کی آبائی ریاست کی شہریت سلب ہو سکتی ہے۔

6- سنگین جرائم

کوئی شہری کسی سنگین جرم یا جرائم کا ارتکاب کرے تو عدلیہ دوسری سزاؤں کے علاوہ اس کو حقوق شہریت سے بھی محروم کر سکتی ہے۔ اگر ریاست چاہے تو اسے اپنے علاقے سے نکل جانے کی سزا بھی دے سکتی ہے۔

7- فرار

اگر کوئی شہری اپنی ریاست میں کوئی جرم کر کے کسی دوسرے ملک میں فرار ہو جائے یا وہ بغیر سرکاری اجازت نامے کے اپنی ریاست کی حدود کو عبور کر جائے تو اسے سزا کے طور پر اپنی ریاست کے حقوق شہریت سے محروم کر دیا جاتا ہے۔

8- غیر ملکی اعزازات

اگر ایک ریاست کے شہری کو کوئی دوسری ریاست اپنے کسی اعزاز سے نوازے اور اس اقدام میں شہری کی ریاست کی مرضی شامل نہ ہو تو ایسے فرد کو وہ ریاست اپنی شہریت سے محروم کر سکتی ہے۔

9- الحاق یا فتح

کسی ریاست کے علاقے پر کوئی دوسری ریاست بزور طاقت قبضہ کر لے یا اس علاقہ کا الحاق دوسری ریاست سے ہو جائے تو وہاں رہنے والے تمام افراد نئی ریاست کی شہریت کے حقوق حاصل کر لیتے ہیں۔ یوں ہو جائے تو وہ افراد پہلی ریاست کے شہری نہیں رہتے۔

شہری کے حقوق

حقوق کا مفہوم (Meaning of Rights)

انسان اشرف المخلوقات ہے۔ انسانی زندگی دیگر جانداروں سے اہم تر ہے۔ انسان خوب سے خوب تر کی تلاش میں رہتا ہے۔ مل جل کر رہنا اس کی فطرت میں ہے۔ انسان اکٹھے رہتے ہیں تو فوائد کے ساتھ ساتھ انہیں باہمی تنازعات کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے۔ خوش حال اور محفوظ زندگی گزارنے کے لیے انسانوں نے ریاست تخلیق کی ہے۔ ریاست افراد پر پابندیاں عائد کرتی ہے جو قوانین کہلاتے ہیں۔ بہت سی ذمہ داریاں بھی انسانوں کو اٹھانا پڑتی ہیں۔ ان ذمہ داریوں کے بدلے انہیں بہت سی سہولتیں حاصل ہوتی ہیں۔ ریاست اور دوسرے انسانوں کی طرف سے ملنے والی یہ سہولتیں حقوق کہلاتی ہیں۔

حقوق، آزادی مہیا کرتے ہیں اور اس آزادی کی حفاظت ریاست کرتی ہے حقوق اور آزادی انسانی صلاحیتوں کو ابھارتی ہے۔ وہ اپنے آپ کو محفوظ اور مطمئن محسوس کرتے ہیں۔ حقوق کو ریاست قبول کرتی اور ان کی حفاظت کرتی ہے۔ جمہوریت اور حقوق کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ جدید دور کی ہر ریاست میں حقوق پر بڑا زور دیا جاتا ہے۔ دستور ساز حقوق کی فہرست دستور میں شامل کرتے ہیں۔ دستور کے ذریعے حقوق کی حفاظت کا عدالتوں کے ذریعے خصوصی بندوبست کیا جاتا ہے۔

ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے انسانوں کے حقوق آزادی اور مساوات کا اعلان حجۃ الوداع میں فرمایا اور ان کے تحفظ کی ذمہ داری اسلامی ریاست پر عائد کی۔ یہ اعلان جس دور میں کیا گیا وہ مغرب میں تاریکیوں کا دور تھا۔ حقوق کے تصور سے بھی مغربی دنیا پوری طرح آشنا نہیں تھی۔ یہ 1215ء کی بات ہے کہ برطانیہ میں میگنا کارٹا (Magna Carta) نام کی ایک دستاویز پر شاہ نے دستخط کیے۔ برطانوی دستور کا ارتقاء ہوتا رہا اور دستور میں مسودہ حقوق اور عرضداشت حقوق بھی شامل کیے گئے۔ فرانس اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ نے اٹھارہویں صدی کے آخر میں اپنے ہاں حقوق کو رائج کیا۔ وقت کے ساتھ ساتھ جمہوریت آزادی اور حقوق کے حوالے سے بڑی پیش رفت

ہوئی۔ 1945ء میں اقوام متحدہ نے انسانی بنیادی حقوق کا چارٹر ترتیب دیا۔

حقوق کی تعریف (Definition)

☆ہاب ہاؤس (Hobhouse)

''حقوق وہ توقعات ہیں جو ہم دوسروں سے اور دوسرے ہم سے کرتے ہیں''۔

☆ٹی۔ایچ۔گرین (T.H.Green)

''افراد کی زندگی اور شخصیت کی تکمیل حقوق سے ہوتی ہے''

☆ارسطو (Aristotle)

'حقوق ریاست کی بنیاد ہوتے ہیں اور انصاف کا دارو مدار حقوق پر ہوتا ہے''۔

''سماجی زندگی کی ان شرائط کو حقوق کہتے ہیں جن کے بغیر کوئی فرد اپنی زندگی کی تکمیل نہیں کر سکتا''۔

☆ہالینڈ (Holland)

''حق کسی فرد کی اس صلاحیت کو کہتے ہیں جس کے ذریعے وہ دوسروں کے افعال پر اپنی ذاتی قوت کی بجائے معاشرے کی قوت یا رائے عامہ سے اثر انداز ہوتا ہے۔''

انسانی حقوق کا عالمی اعلان
(U.N. Declaration of Human Rights)

اقوام متحدہ 24 اکتوبر 1945ء کو وجود میں لائی گئی۔ اقوام متحدہ نے دنیا بھر کی اقوام سے تعلق رکھنے والے عوام کے حقوق کے بارے میں مکمل غور و خوض کے بعد 10 دسمبر 1948ء کو ایک عالمی چارٹر کو منظور کرالیا۔ اقوام متحدہ نے اپنے رکن ممالک کی حکومتوں کو کہا کہ وہ اپنے شہریوں کو بنیادی حقوق اور سہولتوں کی فراہمی کو یقینی بنائیں۔ اقوام متحدہ نے انہیں قانون کی مدد کے ساتھ حقوق کی نگہداشت کرنے کی ہدایت کی۔ اقوام متحدہ کی رکنیت حاصل کرنے والا ہر ملک انسانی حقوق کے اس چارٹر کو تسلیم کرتا ہے اور اپنے شہریوں کو حقوق دینے کا عہد کرتا ہے۔ وہ یہ بھی وعدہ کرتا ہے کہ اپنے شہریوں کو کسی تفریق کے بغیر حقوق مہیا کرے گا۔ اس ضمن میں رنگ و نسل، دولت، مذہب اور دیگر بنیادوں پر کوئی فرق روا نہ رکھا جائے گا۔ حقوق کے اس چارٹر نے دنیا بھر کے انسانوں کو اعلیٰ مقام دیا اور اقوام متحدہ نے عالمی انسانی برادری میں قریبی تعاون، محبت اور ہم آہنگی کے لیے اہم قدم اٹھایا۔ اقوام متحدہ نے رکن ممالک سے یہ بھی کہا کہ عوام کو ان کے حقوق سے بہرہ ور کرنے کے لیے خصوصی تشہیر کریں اور اپنی عدالتوں کے ذریعے شہریوں کے حقوق کی حفاظت کا معقول بندوبست کریں۔ حقوق کے حوالے سے یہ اہم پیش رفت انسانیت کی عظمت اور امن کے قیام کے لیے بھی بہت مفید ثابت ہو سکتی ہے۔

اقوام متحدہ کے چارٹر کے تحت ملنے والے انسانی حقوق

شہری حقوق

- ☆ شہریوں کو بلا امتیاز مساوی حقوق دیے جائیں گے۔ مساوات قائم کرتے ہوئے قانون کی نظر میں غریب و امیر اور کالے و گورے کی تمیز نہیں کی جائے گی۔
- ☆ شہریوں کو اختیار ہوگا کہ وہ اپنے حقوق کے حصول کے لیے مناسب قانونی کاروائی کر سکیں۔
- ☆ تمام شہریوں سے برابر سطح پر انسانی سلوک ہوگا اور غیر انسانی رویے سے پرہیز کرتے ہوئے افراد کو جسمانی سزا اور اذیت سے محفوظ رکھا جائے گا۔
- ☆ ریاست کے علاقے میں ہر شہری کو نقل و حرکت کی مکمل آزادی ہوگی۔
- ☆ شہریوں کو پیغام رسانی کی سہولتیں مہیا کی جائیں گی اور خط و کتابت وغیرہ خفیہ انداز میں کرنے کا حق حاصل ہوگا۔
- ☆ انفرادی اور گھریلو آزادی کو یقینی بنایا جائے گا۔
- ☆ کوئی شہری اگر اپنی ریاست کی شہریت کو چھوڑ کر کسی دوسری ریاست کے حقوق شہریت حاصل کرنا چاہے گا تو اسے اس امر کا مکمل حق ہو گا۔
- ☆ کسی شہری کو اس کے حقوق شہریت سے محروم نہیں کیا جائے گا اور نہ ایسے اقدام اٹھائے جائیں گے کہ وہ اپنی قومی حیثیت بدلنے پر مجبور ہو جائے۔
- ☆ تمام شہری اپنی آراء کا اظہار کر سکیں گے۔ انہیں تقریر یا تحریر کے ذریعے اپنی آراء پیش کرنے کے مواقع فراہم کیے جائیں گے۔
- ☆ تعلیم کے دروازے تمام شہریوں پر یکساں طور پر کھولے جائیں گے۔ ہر بچے کے لیے مفت پرائمری تعلیم فراہم کرنے کا بندوبست کیا جائے گا۔ پرائمری تعلیم مفت اور لازمی ہوگی۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے مساوی بنیادوں پر سوچ رکھتے ہوئے اہلیت اور میرٹ پر داخلے دیے جائیں گے۔
- ☆ انجمن بنانے، جلسے اور جلوس منظم کرکے اپنے جملہ حقوق کا دفاع کرنا شہریوں کا حق ہوگا۔ وہ مشترکہ کوششیں کر سکیں گے۔
- ☆ شہری کے حقوق کے حوالے سے حکومت اگر کوئی قانونی کارروائی کرے گی تو سماعت اور فیصلے کھلے اجلاس میں ہوں گے تاکہ انصاف کے تقاضے پورے ہو سکیں۔
- ☆ فرد کو اپنی تہذیب، ثقافت اور ادب کو فروغ دینے کی آزادی دی جائے گی۔
- ☆ کسی شہری کو بلا اجازت گرفتار یا جلاوطن نہیں کیا جا سکے گا۔

مذہبی حقوق

شہریوں کو ضمیر کی آزادی حاصل ہوگی۔ ان کے فکر پر پہرے نہیں بٹھائے جائیں گے۔ شہریوں کو مذہبی آزادیاں ملیں گی اور وہ اپنی

پسند کے مذاہب اپنا سکیں گے۔ انہیں اپنے مذہب کے مطابق زندگی گزارنے کا حق حاصل ہوگا۔

سیاسی حقوق

☆ ہر شہری اپنی ریاست کی حکومت کو بنانے میں شریک ہوگا اور یہ حق وہ ووٹ کی مدد سے استعمال کرے گا۔
☆ شہری اپنی حکومت پر تنقید کر سکے گا۔ اسے حکومت کی غلط پالیسیوں کے خلاف احتجاج کرنے کا مکمل حق دیا جائے گا۔
☆ انتخابات کے ذریعے حکومت سازی ہوگی۔ انتخابی عمل میں شہری اپنا ووٹ خفیہ طور پر دے سکیں گے۔ تمام بالغ شہریوں کو ووٹ دینے کا اختیار ہوگا۔
☆ سیاسی جماعتیں اور ادارے بنانے میں شہری آزاد ہوں گے۔
☆ سرکاری ملازمت کا حاصل کرنا ہر شہری کا حق تسلیم کیا جائے گا اور اس حوالے سے میرٹ کو بنیاد بنایا جائے گا۔

معاشی حقوق

☆ مزدوروں اور محنت کشوں کے لیے مناسب اجرت کا تعین کیا جائے گا تا کہ وہ باعزت زندگی گزار سکیں۔
☆ محنت کشوں کے لیے اوقات کار، قانون کے تحت مقرر ہوں گے۔ کسی شہری کو ان اوقات کے بعد کام کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکے گا۔
☆ مختلف ملازمتوں کے لیے مناسب شرائط ترتیب دی جائیں گی۔
☆ ٹریڈ یونین بنانے پر پابندی نہ ہوگی۔ شہری ٹریڈ یونین سرگرمیوں میں حصہ لے سکیں گے۔

عالمی انسانی حقوق کا اعلان و اہمیت

☆ ہر سال 10 دسمبر کو اقوام متحدہ کے حقوق کے بارے میں اعلان کی سالگرہ منائی جاتی ہے۔ ٹی وی اور ریڈیو پر خصوصی پروگرام پیش کیے جاتے ہیں۔ تعلیمی اداروں اور ثقافتی انجمنوں میں حقوق کی اہمیت کے بارے میں خصوصی اجلاس منعقد کیے جاتے ہیں۔ اقوام متحدہ نے انسانیت کی عظمت کے لیے یہ اہم اعلان کر کے بہت بڑی خدمت انجام دی ہے۔
☆ دنیا میں کہیں بھی انسانی حقوق کی نفی کی جا رہی ہو اقوام متحدہ کے ادارے اس کا جائزہ لیتے ہیں اور اپنی سفارشات پیش کرتے ہیں۔ اقوام متحدہ انسانی حقوق کے متعلق آواز اٹھانے والے رضا کارانہ اداروں کی حوصلہ افزائی کرتی ہے۔ خود اقوام متحدہ کا ایک ادارہ ''ایمنسٹی انٹرنیشنل'' کے نام سے حقوق کے تحفظ کے لیے کام کر رہا ہے۔ اس کی شاخیں اور کارکن دنیا بھر میں اپنے فرائض ادا کر رہے ہیں۔
☆ بھارت، فلسطین، افغانستان اور بوسنیا سمیت کئی دوسرے ممالک میں عوام کے حقوق کو غصب کرتے ہوئے انہیں ظلم کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ قتل و غارت کا بازار گرم ہے۔ خواتین کی بے حرمتی کی جا رہی ہے۔ ان کے متعلق ''ایمنسٹی انٹرنیشنل'' اپنی رپورٹیں شائع کرتی اور عالمی رائے عامہ کو بیدار کرتی رہتی ہے۔
☆ عوامی حقوق کو دبانے والی حکومتوں کے خلاف عالمی سطح پر شور مچایا جاتا ہے۔ مختلف حکومتیں باہم مل کر ناروا سلوک کرنے والی حکومت کو

حقوق بحال کرنے پر مجبور کرتی ہیں۔ کشمیر میں بھارتی رویے کے خلاف بھی حقوق کے لیے کام کرنے والی تنظیموں نے بہت سی کوششیں کی ہیں۔

☆ انسانی حقوق کے منافی حرکات و اقدامات کے بارے میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی اور سلامتی کونسل میں بھی بحث کی جاتی ہے اور متعلقہ ریاستوں کو اچھا رویہ اختیار کرنے کی تلقین کی جاتی ہے۔ اقوام متحدہ اپنی قراردادوں کے ذریعے حقوق کی بازیابی کی کوششیں کرتی ہے۔

☆ انسانی حقوق اگر شہریوں کو بھرپور طور پر ملنے لگیں تو تہذیب اور ثقافت، جمہوریت اور آزادی نیز مساوات کے اصولوں کی ترقی کے دروازے کھل جائیں گے۔ عالمی ادارے نے اس سمت میں بڑی موثر کارروائیاں کی ہیں۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کے مستقل ارکان حقوق کے حوالے سے جو قراردادیں منظور کرتے ہیں ان میں ان ارکان کے قومی مفادات بھی مضمر ہوتے ہیں وہ بعض اوقات حقوق کی نفی کرنے والی اقوام سے چشم پوشی بھی کر جاتے ہیں جیسے بھارت کے مظالم پر وہ دھیان نہیں دے رہے جو وہ کشمیر، آسام اور اپنے کئی علاقوں میں روا رکھے ہوئے ہیں۔ اسی طرح انہیں یہودیوں کے ہاتھوں فلسطینیوں پر ہونے والے مظالم نظر نہیں آتے۔ اگر اقوام متحدہ کے بنیادی حقوق کے اعلان کو بہت موثر اور کامیاب بنانا ہے تو بڑی قوتوں کو بلا امتیاز ہر ظالم کے خلاف اقدام اٹھانا ہوں گے۔

اسلامی ریاست اور شہریوں کے حقوق

حقوق پر اسلام میں بہت زور دیا گیا ہے اور اسلامی ریاست شہریوں کے حقوق کے تحفظ کی ذمہ دار قرار دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اور حضور پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنی احادیث مبارکہ میں شہریوں کے حقوق کے حوالے سے بڑی واضح ہدایات فرمائی ہیں۔

حقوق العباد

بندوں کے حقوق کو اللہ کے حقوق پر ترجیح دی گئی ہے۔ اللہ بزرگ و برتر نے فرمایا ہے کہ میں حقوق اللہ کی عدم ادائیگی کو تو معاف کر سکتا ہوں لیکن حقوق العباد یعنی انسانوں کے حقوق کی نفی کرنے والے کو بخش نہیں سکتا۔ انسانوں کو پابند کیا گیا ہے کہ وہ اسلام میں داخل ہو کر وہ فرائض ادا کریں جو ان پر اللہ تعالیٰ نے عائد کیے ہیں اور اسی طرح اپنے ساتھی انسانوں کے حقوق کا خصوصی لحاظ و دھیان رکھیں۔ اللہ نے پڑوسیوں، ناداروں، بیواؤں، یتیموں، رشتہ داروں اور قرابت داروں کے حقوق کو بڑی اہمیت دی ہے۔ اگر ہر فرد ان فرائض کی ادائیگی کرتا رہے جو اس پر دوسرے افراد کی طرف سے عائد ہوتے ہیں تو انسانی زندگی جنت کا نمونہ بن سکتی ہے۔

خطبہ حجۃ الوداع

فتح مکہ کے بعد آخری خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے حضور پاک حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے واضح کیا کہ 'عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی فوقیت حاصل نہیں ہے اور اگر ہے تو صرف تقویٰ کی بنیاد پر۔ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنے خطبے میں سود جیسی انسان دشمن لعنت کو ختم کرنے کا اعلان کیا۔ انہوں نے انسانی بھائی چارے پر خصوصی زور دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا خطبہ حجۃ الوداع انسانی حقوق کا عظیم ترین چارٹر ہے جس کی مثال اقوام متحدہ کا 1948ء کا اعلان بھی نہیں دے سکتا۔

ہر پہلو پر محیط

اسلامی ریاست میں قرآن وسنت کی روشنی میں نافذ ہونے والا قانون انسانی حقوق کی مکمل حفاظت کرتا ہے۔ یہ تمام انسانی پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے۔ فرد کی آزادی' غلامی کے خاتمے' خاندان کے تقدس' خواتین کے مقام' بزرگوں کے تحفظ اور ناداروں کی دیکھ بھال کا جو نظام اسلام میں موجود ہے وہ مکمل اور وسیع ہے۔ اسلامی نظام میں شادی و نکاح' طلاق و خلع' وراثت و جائیداد کے متعلق بڑے ٹھوس اور واضح قوانین تسلیم کیے گئے ہیں اور جن کی مدد سے شہریوں کے حقوق کو محفوظ بنایا گیا ہے۔ کوئی شہری بھی اپنے آپ کو بے بس اور بے کس محسوس نہیں کر سکتا۔ اسلامی ریاست میں مظلوم کو جابر کے ظلم سے بچانا ریاست کی ذمہ داری ہے۔

شہریوں کے حقوق

1- زندگی کا تحفظ

انسانی زندگی کے تحفظ پر اسلام میں بہت کچھ کہا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتے ہیں "جس کسی نے ایک انسان کو قتل کیا اس نے تمام بنی نوع انسان کو قتل کیا اور جس نے ایک انسان کی جان بچائی اس نے تمام بنی نوع انسان کو بچایا" یہ تحفظ فسادی اور قاتل کے لیے نہیں ہے۔

قاتل کو سخت ترین سزا دینے کا حکم ہے تاکہ دوسرے عبرت حاصل کریں۔۔ اگر کسی شخص کی جان' آنکھ' کان' ناک یا کوئی عضو کسی دوسرے شخص کے ہاتھوں ضائع ہوتا ہے تو حکم ہے۔ جان کے بدلے جان' کان کے بدلے کان' ناک کے بدلے ناک اور آنکھ کے بدلے آنکھ۔ ظالم کو صرف دنیا میں ہی سزا نہیں ملتی۔ وہ اگلے جہان میں بھی سزا کا مستوجب قرار پاتا ہے۔

اسلام تو کسی فرد کو خود اپنی جان لینے یعنی خودکشی کرنے کی بھی اجازت نہیں دیتا۔ خودکشی اسلام میں حرام ہے اور حرام موت مرنے والا اگلے جہان جا کر سزا بھگتے گا۔

2- آبرو کا حق

ہر خاتون اور مرد کی عزت کا تحفظ ضروری ہے۔ کوئی فرد اپنی طاقت کے بل بوتے پر کسی دوسرے فرد کی اہانت کرے' اس کے عقائد کا مذاق اڑائے یا کسی عورت کی عزت و آبرو کو داغ دار کرے تو وہ سخت سزا پانے کا حقدار ہے۔ اسلام ہر فرد کو توقیر و عزت دیتا ہے۔ اسلام بہتان تراشی اور غیبت کرنے سے سخت منع کرتا ہے۔ کسی کی پیٹھ پیچھے اس کی برائی کو اپنے مردہ بھائی کے گوشت کھانے سے تشبیہ دی گئی ہے۔

3- خاندان اور نکاح کا حق

ہر مرد و زن کو اپنا گھر بسانے' نکاح کرنے اور اولاد کی خواہش کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔ نکاح سنت رسول ﷺ ہے۔ قرآن پاک اور احادیث میں خاوند اور بیوی کے ایک دوسرے سے وابستہ حقوق کا ذکر موجود ہے۔ نکاح، طلاق، خلع اور آبائی وراثت کے بارے میں قوانین بنا کر خاندان کے ادارے کو مضبوط اور بنیادی بنایا گیا ہے۔ ماں باپ کا احترام اور بچوں سے شفقت کی تلقین کی گئی ہے۔ ماں جیسی بھی ہو اولاد کو اس کے پاؤں تلے جنت تلاش کرنے کو کہا گیا ہے۔

4-غلامی کا خاتمہ

اسلام غلامی کی نفی کرتا ہے۔ ایک انسان پر دوسرے انسان کے کنٹرول کو ناپسند کرتا ہے۔ کوئی فرد یا ادارہ کسی دوسرے فرد کو ریاستی قانون کی اجازت کے بغیر قید میں نہیں رکھ سکتا اور نہ قانون کی مرضی کے بغیر کوئی سزا دے سکتا ہے۔ انسان کو آزادی کی نعمت سے مالا مال کرنے والے اسلام کو ماننے والے خلیفہ ثانیؓ نے انسانوں کی آزادی کے حوالے سے حکمرانوں کو سخت تنبیہ کی اور کہا کہ "ماؤں نے انہیں آزاد جنا اور تم نے انہیں غلام کیسے بنا لیا"۔

5-خواتین کا درجہ

اسلامی ریاست اور معاشرہ خواتین کو عزت و وقار دیتا ہے انہیں ہر طرح تحفظ فراہم کرتا ہے۔ خواتین کی عزت و آبرو کی حفاظت کرنا اسلامی ریاست کا بڑا اہم فرض قرار پایا ہے۔ اسلام نے وراثت میں عورت کا حصہ مقرر کر کے اسے معاشی و معاشرتی طور پر اونچا درجہ دیا ہے۔

6-رائے کی آزادی

اسلام میں ہر شہری کو اپنی رائے دینے، حکومت پر تنقید کرنے اور غلط فیصلوں کے خلاف احتجاج کرنے کا حق ملا ہے۔ اسلام میں بیعت کا تصور ووٹ دینے کے مساوی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ نے اپنے آپ کو عوامی احتساب کے لیے پیش کیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے خلافت کا بوجھ اس وقت قبول کیا جب امت مسلمہ کے بہت سے ارکان مسجد میں اکٹھے ہوئے اور انہیں اپنا خلیفہ چنا۔ عوام کی رائے کو اسلام میں بڑا احترام دیا گیا ہے۔ مسلمان کو برائی سے روکنے اور نیکی کی تلقین کرنے کی نصیحت کی گئی ہے۔

7-مذہبی آزادیاں

اسلامی ریاست میں مذہبی آزادیاں دی جاتی ہیں۔ غیر مسلموں کو بھی اپنے اپنے مذاہب کے مطابق زندگی بسر کرنے کا موقع فراہم کیا جاتا ہے۔ حکم ہے کہ "دین کے امور میں کوئی جبر نہیں"۔ غیر مسلم اپنی عبادت گاہیں تعمیر کر سکتے ہیں اور عبادت کرنے میں ان پر کوئی پابندی نہیں۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے مسلمانوں کو تاکید فرمائی کہ وہ کفار کے جھوٹے خداؤں کو برا نہ کہیں مبادا وہ خدائے برحق کی شان میں کوئی گستاخی نہ کریں۔ حضرت عمرؓ نے غیر مسلموں کی عبادت گاہ میں نماز کی ادائیگی سے اسی لیے گریز کیا کہ اس طرح بعد میں آنے والے ادوار میں مسلمان ان کی عبادت گاہوں کو اپنے تصرف میں ہی نہ لے آئیں۔

8-جائیداد کے حقوق

اسلامی ریاست میں شہریوں کو جائیداد بنانے اور نجی جائیداد رکھنے کا حق دیا گیا ہے۔ انسانی زندگی کی طرح انسانوں کی جائیدادوں کی حفاظت بھی ریاست کی ذمہ داری ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا "خبردار! آپ کی زندگیاں اور آپ کے مال اسی طرح قابل احترام ہیں جس طرح آج کا دن قابل احترام ہے"

نجی جائیداد کا حق دیتے ہوئے اسلام واضح کرتا ہے کہ یہ حلال اور جائز آمدن سے خریدی گئی ہو۔ جائیداد کی وراثت کے حوالے سے اسلام میں بڑے واضح اصول مرتب کیے گئے ہیں۔ زکوٰۃ، عشر اور وراثت کے ذریعے دولت کے ارتکاز کو روکنے کا بھی اہتمام کیا گیا ہے۔

9-سیاسی حقوق

افراد کو حق دیا گیا ہے کہ اپنی حکومت کی تشکیل میں حصہ لیں' حکومت کی خامیوں کی نشان دہی کریں اور حکومتی پالیسیوں میں خرابیوں کے خلاف اگر ضرورت سمجھیں تو احتجاج کریں۔ اسلام میں جمہوریت کو رائج کیا گیا ہے۔ خلیفہ کو منتخب کرنا ایک اہم اسلامی اصول ہے۔ خلفائے راشدین نے اختیارات سنبھالے تو اس میں عوامی منشاء کا واضح اظہار پہلے کیا گیا تھا۔

10-معاشی حقوق

مزدور کو اسلامی ریاست عزت دیتی ہے' تحفظ دیتی ہے اور اس کے کام کی عظمت کو تسلیم کرتی ہے۔ محنت میں عظمت کا اصول اسلام نے پوری طرح قبول کیا ہے۔ وہ سارے حقوق جو معاشی شعبے میں جدید دور میں عوام کو دیئے گئے ہیں' اسلامی نظام کے تحت ان کی یقین دہانی صدیوں پہلے کرادی گئی تھی۔ مزدور کو اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے مزدوری دینے کا اصول حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے وضع کیا۔

11-مساوات اور یکساں قانون کا اطلاق

اسلام بغیر کوئی تمیز روا رکھے تمام افراد سے یکساں سلوک کی ہدایت کرتا ہے۔ عجمی و عربی اور کالے و گورے کی تمیز کے بغیر مساوات کے اصول کو اپنانا ضروری ہے۔ قانون میں تمام افراد کو مساوی درجہ دیا گیا ہے۔ قانون کی نظر میں کوئی برتر یا کمتر نہیں۔ نسل' رنگ اور ذات کے فرق کو اسلامی ریاست میں تسلیم نہیں کیا گیا۔ مجرموں کے ساتھ ایک جیسا سلوک کیا جانا لازم ہے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ "خدا کی قسم اگر میری بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرتی تو میں یہی سزا دیتا"

شہری کے فرائض

فرائض بڑی اہمیت رکھتے ہیں کیونکہ ایک فرد کا فرض دوسرے افراد کا حق سمجھا جاتا ہے۔ فرد اچھا وہ ہے جو اپنے فرائض کو پوری طرح نبھائے۔ اعلیٰ و مثالی ریاست کی عمارت اسی صورت میں اچھی بن سکتی ہے اگر تمام افراد اپنی ذمہ داریوں کو پہچانیں اور پورا کریں۔ شہری کے فرائض درج ذیل ہیں۔

1-اخلاقی فرائض

معاشرہ کے اندر انسان مل جل کر رہتے ہیں اور ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ یہ مدد رضا کارانہ بنیاد پر کی جاتی ہے۔ اگر کوئی فرد ایسا نہیں کرتا تو اسے کسی عدالت میں نہیں لایا جا سکتا اور نہ ایسا کرنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے۔ وہ خود اپنی بھلائی کے لیے دوسروں کی مدد کرتا ہے کیونکہ وہ دوسروں کا بھلا چاہتا ہے تو دوسرے اس کی اچھائی کے بارے میں سوچتے ہیں۔ اسلام میں بزرگوں اور خواتین کا احترام کرنا ضروری ہے۔ اخلاقی فرائض معاشرہ کی طرف سے عائد ہوتے ہیں اور ان کے بدلے جو حقوق فرد کو ملتے ہیں وہ بھی معاشرہ ہی دیتا ہے۔ معاشرہ اپنے ارکان کو فرائض کی ادائیگی پر اپنے انداز میں مجبور کرتا ہے مثلاً معاشرتی فرائض کا دھیان نہ کرنے والے فرد کا بائیکاٹ کر کے اسے راہ راست پر لایا جاتا ہے۔ چند اخلاقی فرائض درج ذیل ہیں۔

- ☆ بزرگوں اور خواتین کا احترام
- ☆ اساتذہ کا احترام

☆ بچوں کے ساتھ شفقت سے پیش آنا

☆ مریض کو ایمرجنسی میں ہسپتال تک پہنچانا

☆ پڑوسیوں کو ضرورت کے وقت مدد دینا

☆ بیماروں کی تیمارداری کرنا وغیرہ

2- قانونی فرائض

ریاست شہریوں کو بہت سے شہری' سیاسی' معاشی اور مذہبی حقوق دیتی ہے اور ان کے بدلے میں ان پر بہت سے فرائض بھی عائد کرتی ہے۔ اگر کوئی فرد قانونی فرائض سے پہلو تہی کرتا ہے تو حکومت کی مشینری اس کے خلاف حرکت میں آتی ہے اور اسے فرائض کی ادائیگی پر مجبور کرسکتی ہے نیز اسے سزا دینے کا بھی اختیار ہوتا ہے۔ قانونی فرائض کی درج ذیل اقسام ہیں۔

فرائض متعلقہ ذات

ہر شہری پر کچھ فرائض عائد کیے گئے ہیں جو اس کی اپنی ذات سے تعلق رکھتے ہیں مثلاً

i- تعلیم کا حصول تاکہ صلاحیتوں کی نشوونما ہو

ii- صحت کا خیال رکھنا تاکہ خوش گوار معاشرہ وجود پائے

iii- نشہ آور اشیاء سے پرہیز کرنا

iv- اپنے حقوق سے آگہی حاصل کرنا

فرائض متعلقہ افراد

ہر شہری دوسروں کو دکھ بھی دے سکتا ہے اور سکھ بھی' اس لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے اعمال ایسے رکھے کہ دوسرے شہری اس کی زیادتیوں سے محفوظ رہیں۔ اسے دوسروں کی مدد کر کے خوشی محسوس کرنی چاہیے۔ جب انسان دوسرے انسانوں کے ساتھ مل کر رہتا ہے تو لین دین کا سلسلہ چل پڑتا ہے۔ وہ دوسروں کی بھلائی چاہتا ہے تو دوسرے اس کی بہبود کا دھیان کرتے ہیں۔ اسلام بھی فرد کو نصیحت کرتا ہے کہ وہ دوسرے افراد کو ان کی مصیبت کے اوقات میں مدد دے۔ بیمار ہوں تو مزاج پرسی کرے' ضرورت مند ہو تو ان کی کفالت کرے اور ظلم کا شکار ہو تو انصاف کے حصول میں ان کا ساتھ دے۔

فرائض متعلقہ ریاست

ریاست کے حوالے سے فرد پر درج ذیل فرائض عائد ہوتے ہیں۔ یہ فرائض ادا کر کے وہ ریاست سے حقوق کا مطالبہ کرسکتا ہے۔

قانون کی اطاعت

شہری کا فرض ہے کہ وہ اپنی ریاست کے قوانین کا احترام کرے وہ اصولوں کی پیروی کرے اور جب وہ قانون پر عمل درآمد کرے گا تو باقی لوگ اس کے ہاتھوں زیادتی سے محفوظ ہو جائیں گے مثلاً ٹریفک قوانین کی اطاعت سے سڑکوں پر جانے والے دوسرے شہری حادثوں سے بچ سکتے ہیں۔ اگر تمام شہری قانون کے مطابق زندگی گزارنے لگیں تو جرائم اور خرابیوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔

ووٹ کا صحیح استعمال

ووٹ دینا فرد کا حق بھی ہے اور ایک بڑا اہم فرض بھی۔ ووٹ دیتے وقت قومی مفادات کو پیش نظر رکھے تو ریاست کی ترقی کی راہیں کھل جاتی ہیں۔ ووٹ کا صحیح استعمال شہری کا بہت بڑا فرض ہے۔ اچھی حکومت کا قیام ووٹ کے صحیح استعمال کے بدولت ہی ممکن ہوتا ہے۔

محصولات کی ادائیگی

ریاست شہریوں کو مشترکہ طور پر ترقی کے لیے جدوجہد کرنے میں مدد دیتی ہے۔ حکومت شہریوں سے انفرادی طور پر محصولات وصول کرتی ہے۔ ٹیکس عائد ہوتے ہیں اور ان سے حاصل ہونے والی آمدن حکومت اجتماعی ترقی اور بہبود کے کاموں پر خرچ کرتی ہے۔ ریاست کے اندر سڑکوں کا جال بچھ جاتا ہے۔ ریلوے لائنیں گاڑیوں کی آمدورفت کے لیے ہزاروں کلومیٹر لمبی بچھا دی جاتی ہیں' ایئرپورٹ تعمیر کیے جاتے ہیں' ہسپتال اور سکول و کالج بنائے جاتے ہیں۔ ملکی دفاع کے لیے افواج منظم کی جاتی ہیں۔ یہ سارے منصوبے پیسے کے سوا مکمل نہیں ہو پاتے۔ لازم ہے کہ شہری اپنے حصے کا ٹیکس دیں تا کہ قومی سطح پر بڑے بڑے کام ہو سکیں۔

ریاست کا تحفظ

ریاست افراد کو بہت سی نعمتیں اور سہولتیں دیتی ہے۔ انہیں پہچان دیتی ہے' حفاظت کرتی ہے اور بنیادی ضرورتیں مہیا کرتی ہے۔ اس کا جواب شہریوں کو دینا چاہیے اور وہ یوں کہ جب ریاست کی آزادی اور خودمختاری پر آنچ آنے کا خطرہ ہو' دشمن اپنے مکروہ عزائم لیے بیٹھا ہو تو ریاست کے شہری اس کے ایک ایک انچ کا دفاع کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوں۔ جان و مال کا نذرانہ پیش کریں۔ وہ ریاست جس نے انہیں ماں بن کر پالا ہو' اس کی حفاظت کے لیے سینہ سپر ہو جائیں۔

انتظامیہ سے تعاون

پولیس اور دوسرے سرکاری محکمے جرائم کو ختم کرنے اور مجرموں کو ٹھکانے لگانے میں مصروف ہوں تو شہریوں کا فرض ہے کہ وہ ان کے ساتھ پورا پورا تعاون کریں۔ انتظامیہ اور شہریوں میں رابطے اور تعاون کے بغیر مجرموں سے نپٹا نہیں جا سکتا۔ معاشرہ کے اندر پھیلی ہوئی خرابیوں کی نشان دہی کرنا ضروری ہے۔ وہ ذخیرہ اندوزوں' جوابازوں' دھوکہ بازوں' ہیروئن فروشوں اور دیگر جرائم پیشہ عناصر کی خبر پولیس کو دے کر منفی عناصر کو پکڑوا سکتے ہیں۔ سرکاری ادارے عوام سے مدد مانگتے ہیں۔ مدد مل جائے تو ان کی کامیابی کے قوی امکان ہوتے ہیں۔

جائز آمدن کا حصول

شہری رشوت خوری' ذخیرہ اندوزی' ڈاکہ زنی' منشیات فروشی اور ایسے دیگر پیشوں سے دور رہ کر اور قانونی طور پر منظور شدہ پیشوں کو اپنا کر ریاست کو مثبت ڈگر پر ڈال سکتے ہیں۔ ناجائز آمدن سے پرہیز کر کے شہری بہت بڑی خدمت انجام دے سکتے ہیں۔

صحیح تناسب اطاعت

شہری بیک وقت اپنی ذات' اپنے خاندان' اپنی سیاسی جماعت اپنی ریاست اور معاشرے سے وفاداری قائم کیے ہوئے ہوتا ہے۔ اسے چاہیے کہ وہ ان تمام سے اطاعت میں تناسب کو ملحوظ رکھے۔ گروہ بندی سے دور رہے۔ فرقہ بندیوں میں ملوث نہ ہو۔ رواداری' وطن دوستی اور انسان دوستی کا ثبوت دے۔ وہ تمام انسانوں کی بہبود کے لیے کوشاں ہو۔

سوالات

حصہ اول

1- مختصر جوابات دیجیے۔

☆ شہری کی تعریف کیجیے۔

☆ شہریت کا مفہوم لکھیے۔

☆ پانچ اخلاقی فرائض بیان کریں۔

☆ دو قانونی فرائض تحریر کریں۔

☆ حقوق العباد سے کیا مراد ہے؟

☆ شہریوں کے تین معاشی حقوق بیان کیجیے۔

☆ ہالینڈ نے حقوق کی کیا تعریف کی ہے؟

☆ قومیت یافتہ شہری سے کیا مراد ہے؟

☆ شہری کا موجودہ تصور کیا ہے؟

☆ شہری میں عزت نفس کی خوبی جمہوریت کی کامیابی کے لیے بنیادی شرط کیوں ہے؟

حصہ دوم

2- شہری کا مفہوم بیان کیجیے نیز اچھے شہری کے اوصاف کا احاطہ کیجیے۔

3- شہریت کے حصول کے کون کون سے طریقے ہیں؟ وضاحت کیجیے۔

4- حقوق شہریت کے سلب کیے جانے کے اسباب تحریر کیجیے۔

5- حقوق کی تعریف کیجیے نیز اقوام متحدہ کے چارٹر کے تحت شہریوں کو ملنے والے حقوق کا جائزہ لیجیے۔

6- شہریوں کے فرائض بیان کیجیے۔

7- اسلامی ریاست میں شہریوں کو کون کون سے حقوق حاصل ہوتے ہیں؟ وضاحت کیجیے۔

حصہ سوم

■ ہر سوال کے چار جوابات دیے گئے ہیں درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

1- ایسے باشندے کو کیا کہتے ہیں جو کسی مملکت میں مستقل طور پر رہ رہا ہو؟

(الف) فرد (ب) انسان (ج) غیر ملکی (د) شہری

2- قدیم یونان میں ریاست کو کیا کہا جاتا تھا؟

(الف) چھوٹی ریاست (ب) ملکی ریاست (ج) شہری ریاست (د) صوبائی ریاست

3- یونانی دور کے کن لوگوں کو سیاسی و عدالتی معاملات میں حصہ لینے کی اجازت نہیں تھی؟

(الف) بیمار (ب) بے روزگار (ج) مفلس (د) غلاموں

4- لارڈ برائس نے اچھے شہری کی کتنی خوبیوں کا ذکر کیا ہے؟

(الف) دو (ب) تین (ج) چار (د) پانچ

5- قوانین کن کے تحفظ اور ترقی کے لیے بنائے جاتے ہیں؟

(الف) دکانداروں (ب) اساتذہ (ج) صنعت کاروں (د) شہریوں

6- کس کے بغیر انسان کو اچھے برے کی تمیز نہیں ہوتی؟

(الف) علم (ب) موسیقی (ج) سیاحت (د) دولت

7- بنیادی طور پر کسی ریاست کی شہریت کے حقوق حاصل کرنے کے کتنے طریقے ہیں؟

(الف) ایک (ب) دو (ج) تین (د) پانچ

8- محفوظ اور خوشحال زندگی گزارنے کے لیے انسانوں نے کس کو تخلیق کیا ہے؟

(الف) پنچایت (ب) مجلس شوریٰ (ج) ریاست (د) عدالتی نظام

9- کس کی زندگی اور شخصیت کی تکمیل حقوق سے ہوتی ہے؟

(الف) افراد (ب) قوم (ج) معاشرے (د) سیاسی رہنما

10- الاسکا کس ملک کی ریاست ہے؟

(الف) ملائشیا (ب) یونان (ج) امریکہ (د) برطانیہ

11- شہری کی یہ تعریف کس مشہور یونانی مفکر نے کی ہے؟ "کسی شہری ریاست کے سیاسی و عدالتی معاملات میں حصہ لینے والے افراد کو شہری کہتے ہیں"۔

(الف) ارسطو (ب) افلاطون (ج) سقراط (د) ہیگل

12- اچھے شہری کی ایک خوبی ہے۔

(الف) ذمہ داری کا احساس (ب) احساس کمتری (ج) تنگ نظری (د) قانون شکنی

13- برطانیہ میں میگنا کارٹا نام کی ایک دستاویز پر شاہ نے کب دستخط کیے؟

(الف) 1115ء (ب) 1215ء (ج) 1315ء (د) 1415ء

14- "افراد کی زندگی اور شخصیت کی تکمیل حقوق سے ہوتی ہے۔" یہ الفاظ کس مفکر کے ہیں؟

(الف) ہالینڈ (ب) لاسکی (ج) ارسطو (د) ٹی۔ایچ۔گرین

15- اقوام متحدہ کب وجود میں آئی؟

(الف) 24 اکتوبر 1939ء (ب) 24 اکتوبر 1941ء (ج) 24 اکتوبر 1945ء (د) 24 اکتوبر 1949ء

16- بنیادی انسانی حقوق کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے کب انسانی حقوق کے عالمی منشور کی شکل میں منظور کیا؟

(الف) 10 دسمبر 1948ء (ب) 10 دسمبر 1945ء (ج) 10 دسمبر 1943ء (د) 10 دسمبر 1940ء

باب 8

دستور

(Constitution)

دستور کا مفہوم (Meaning)

ریاست ایک اعلیٰ انسانی سیاسی ادارہ ہے جس کا نظام چلانے کے لیے اصول وضوابط کی ضرورت ہوتی ہے۔ چنانچہ برتر بنیادی اصولوں اور ضابطوں کا وہ مجموعہ جس کے مطابق جمہوری ریاست کا نظام چلایا جائے دستور کہلاتا ہے۔

دستور یا آئین ریاست کے لیے ایک نصب العین کا تعین کرتا ہے۔ اس سے ملک میں نظام حکومت کا اندازہ ہوتا ہے۔ حکومت کی تنظیم، اختیارات کی تقسیم، فرد اور ریاست کے تعلقات اور شہریوں کے بنیادی حقوق کے تحفظ کے طریقہ کار کا تعین دستور کے ذریعے ہی کیا جاتا ہے۔ یہ بھی واضح کیا جاتا ہے کہ حکومت کے تینوں شعبوں مقننہ، انتظامیہ اور عدلیہ کے اختیارات و فرائض کیا ہوں گے اور ان کی تشکیل کیسے کی جائے گی۔ ایک جمہوری ملک میں عدلیہ آئین کی حفاظت کرتی ہے۔ جس کی وجہ سے کوئی اعلیٰ سے اعلیٰ عہدیدار یا ادارہ شہری کے حقوق سلب نہیں کر سکتا۔ ملک میں منصفانہ انتخابات سے عوام کی اکثریت جس سیاسی پارٹی کو کامیابی سے ہمکنار کرتی ہے وہ حکومت کی تشکیل کے وقت دستور کی پابندی کا حلف اٹھاتی ہے۔ جدید دور میں ریاست میں دستور کی برتری شہریوں کی اجتماعی ترقی، فلاح و بہبود اور ملکی استحکام کی ضامن ہے۔

آئین تحریری یا غیر تحریری بھی ہو سکتا ہے۔ آج اکثر ریاستیں تحریری آئین کے حق میں ہیں کیونکہ یہ واضح اور متعین ہوتا ہے۔ برطانیہ میں دستور غیر تحریری ہے جب کہ پاکستان، بھارت، ریاست ہائے متحدہ امریکہ سمیت بہت سی ریاستوں میں تحریری دستور موجود ہے۔ دستور ریاست کے نظام اور شہریوں کو مخصوص اصولوں کا پابند بناتا ہے۔

دستور کی تعریف (Definition of Constitution)

☆ ارسطو (Aristotle)

''دستور ایسا ضابطہ حیات ہے جو ریاست نے اپنے لیے منتخب کیا ہو۔''

☆ آسٹن (Austin)

''ریاست میں با اختیار حکومت کی ساخت اور اختیارات کا تعین دستور کرتا ہے۔''

☆ فائنر (Finer)

''بنیادی سیاسی اداروں کا نظام دستور کہلاتا ہے۔''

☆ لارڈ برائس (Lord Bryce)

''ریاستی نظام کو جاری رکھنے والے قوانین اور رسومات کا مجموعہ دستور کہلاتا ہے۔''

☆ گلکرائسٹ (Gilchrist)

''دستور تحریری یا غیر تحریری اصولوں کا ایسا مجموعہ ہے جو حکومت کی تنظیم، مختلف شعبوں میں اختیارات کی تقسیم اور ان تمام اصولوں کا تعین کرتا ہے جن کے مطابق یہ اختیارات استعمال کیے جاتے ہیں۔''

اچھے دستور کی خصوصیات

(Characteristics of a Good Constitution)

1- تحریری دستور

دستور ریاست اور عوام کے تعلقات، عوام کے حقوق اور خصوصاً حکومت کے تینوں شعبوں مقننہ، انتظامیہ اور عدلیہ کی ساخت اور باہم تعلقات کی وضاحت کرتا ہے۔ وفاقی نظام حکومت میں اختیارات دستور کی رو سے مرکزی اور صوبائی حکومتوں میں تقسیم کیے جاتے ہیں۔ ان امور کو اگر ضبط تحریر میں نہ لایا جائے تو الجھنیں پیدا ہوتی ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ دستور تحریری شکل میں موجود ہو اور ضرورت پڑنے پر اس کی روشنی میں بآسانی رہنمائی حاصل کی جا سکے۔

2- جمہوری دستور

طرز حکومت بادشاہت ہو، آمریت یا جمہوریت، دستور کا وجود ضروری سمجھا گیا ہے۔ اچھا دستور جمہوری ہوتا ہے جس میں اختیارات کا سرچشمہ کسی فرد کی ذات نہیں بلکہ عوام ہوتے ہیں۔ پورا نظام حکومت عوام کی منشاء کے تحت چلایا جاتا ہے۔ اس نظام میں عوام کا تحفظ، آزادی اور حقوق حاصل ہوتے ہیں۔ وہ بے بس نہیں ہوتے۔ بہت ضروری ہے کہ دستور جمہوری قدروں پر مشتمل ہو۔

3- مختصر اور جامع

دستور مختصر ہونا چاہیے تاکہ حالات کے مطابق ارتقاء کی صورت موجود رہے۔ بہت طویل دستور بدلتے ہوئے حالات کے تقاضے پورے نہیں کر سکتا اور نت نئی پیدا ہونے والی پیچیدگیوں کو دور کرنے میں دشواری رہتی ہے۔ وفاقی نظام حکومت ہونے کے باوجود امریکی دستور کو مختصر رکھا گیا یہی وجہ ہے کہ امریکی دستور کو ایک جامع اور زندہ دستور کا نام دیا گیا ہے۔

دستور مختصر ہو لیکن ساتھ ساتھ اسے جامع بھی بنایا جانا چاہیے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ تمام اہم پہلوؤں کو دستور کا حصہ بنایا جائے تاکہ کوئی مسئلہ پیدا ہو تو جامع دستور کی موجودگی میں بآسانی حل کیا جا سکے۔ دستور جامع اور تقاضوں کے مطابق ہونا چاہیے۔

4- غیر لچک دار دستور

دستور میں آسانی سے ترمیم کرنا ممکن نہ ہو تو نظام صحیح ڈگر پر چلتا رہتا ہے۔ اگر دستور میں تبدیلیاں لانے میں حکمران جماعت کو سہولت ہو تو وہ اسے اپنے مفادات کے تحت ڈھالتی رہے گی۔ ہر آنے والی حکومت دستور کو اپنی پسند کے مطابق ترتیب دیتی رہے گی۔ دستور بنیادی برتر قانون ہے۔ اسے پائیدار ہونا چاہیے اور اس میں ترمیم وہی ہو جو عوامی امنگوں سے ہم آہنگ ہو۔ غیر لچک دار دستور حقوق اور آزادی کے تحفظ کا ضامن رہتا ہے۔ برطانیہ کا دستور لچک دار سمجھا جاتا ہے۔ بہتر ہے کہ دستور میں تبدیلی قومی مفاد کے مطابق ہو۔

5-حالات سے ہم آہنگ

دستور کو قوم کے بدلتے ہوئے حالات اور ضرورتوں کے مطابق ہونا چاہیے۔ ہر قوم کے حالات اور ضرورتیں مختلف ہوتی ہیں۔ دوسری اقوام کی اندھا دھند نقل کرنا نقصان کا باعث بن سکتا ہے۔ ایک ریاست میں دستور کی ساخت قومی خصوصیات کی روشنی میں ہو اور تبدیلیاں بھی اسی اصول کے تحت لائی جائیں تو بہت مفید سیاسی' معاشی اور معاشرتی ماحول پیدا ہو سکتا ہے۔

6-عوام کے حقوق کا تحفظ

اچھے دستور میں شہریوں کے حقوق کی فہرست شامل کی جاتی ہے اور انہیں اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ اپنے حقوق کی بازیابی کے لیے دستور کی رو سے عدالتوں کی مدد حاصل کر سکیں۔ جس دستور میں حقوق شامل نہ کیے گئے ہوں' جمہوری دستور نہیں سمجھا جاتا۔ ہر جمہوری ملک میں حقوق کی حفاظت کی ذمہ داری دستور اور عدلیہ پر عائد ہوتی ہے۔ یوں شخصی آزادی محفوظ رہتی ہے۔

7-عوام کی پسند

دستور کی تیاری میں اگر عوام اور ان کے نمائندوں کو شامل کیا گیا ہو تو یہ پائیدار ہوتا ہے۔ 1973ء کے پاکستانی دستور کی تشکیل عوام کے منتخب نمائندوں نے کی اور اس دور کی دستور ساز اسمبلی کے کسی رکن کی طرف سے کبھی منفی رائے نہیں آئی تھی اس لیے دستور عوامی کہلایا۔

8-آزاد عدلیہ

دستور کے تحت عدلیہ کو آزاد اور بااختیار بنایا گیا ہو اور یہ ہر قسم کے دباؤ سے آزاد ہو کر اپنی ذمہ داریاں نبھا سکے تو ایک جمہوری اور فلاحی ریاست قائم رہتی ہے۔ آزاد عدلیہ شہریوں اور معاشرے کی آزادی کے لیے بنیادی شرط مانی گئی ہے۔ ہر اچھے دستور میں عدلیہ کی آزادی اور خود مختاری کو تسلیم کیا جاتا ہے۔

9-احتساب و توازن

حکومت کے تین شعبے مقننہ' انتظامیہ اور عدلیہ ہیں۔ یہ معاشرے میں بڑی اہمیت رکھتے ہے۔ تینوں اداروں کا آزادی سے کام کرنا ضروری ہے کہ یہ آزادی احتساب اور توازن کے اصول کو اپنا کر دی جائے تو شہریوں کو بہتر سیاسی و معاشی فضا مہیا ہوتی ہے۔ یہ اصول تینوں شعبوں کو اپنے اپنے دائرے میں کام کرنے کا پابند بناتا ہے۔ امریکہ میں روک ٹوک' احتساب اور توازن کا نظام رائج ہے۔

دستور کی اقسام
(Kinds of Constitution)

تحریری و غیر تحریری دستور (Written and Unwritten Constitution)

دستور، تحریری، غیر تحریری، لچکدار اور غیر لچکدار صورت میں ہو سکتا ہے۔

1- تحریری دستور (Written Constitution)

تحریری دستور باقاعدہ کتابی شکل میں پایا جاتا ہے۔ تحریری دستور، دستور ساز اسمبلی یا کوئی آئینی کمیشن تخلیق کرتا ہے۔ دستور کی تفصیلات

باقاعدہ ایک مخصوص عرصے میں تیار کی جاتی ہیں اور مکمل غور و فکر اور بحث و تمحیص کے نتیجہ میں وجود پاتی ہیں۔ تحریری دستور میں تبدیلی آسانی سے نہیں کی جا سکتی۔ دستور میں تبدیلی کے لیے ایک مخصوص طریقہ کار پر عمل کیا جاتا ہے۔ امریکہ کا دستور 1789ء میں نافذ ہوا اور اتنی لمبی مدت کے دوران دستور میں بہت کم ترامیم ہو پائی ہیں۔ پاکستان میں تیسرا دستور رائج ہے اور تمام دساتیر تحریری صورت میں رہے ہیں۔ تحریری دستور مکمل طور پر تحریری نہیں ہوتا۔ اس دستور کا بہت بڑا حصہ تحریری ہوتا ہے اور اس کا کچھ حصہ محض رسوم و روایات اور رواجوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ رواجات دستور کا حصہ بنتے چلے جاتے ہیں اور اس عمل میں شعوری کوشش بہت ہی کم ہوتی ہے۔

-2 غیر تحریری دستور (Unwritten Constitution)

غیر تحریری دستور کا زیادہ حصہ محض روایات پر مشتمل ہوتا ہے۔ رسوم و روایات وقت کے ساتھ ساتھ تشکیل پاتی رہتی ہیں۔ یہ رسوم و روایات دراصل قوم کی وہ عادات ہوتی ہیں جنہیں عوام کی بہت بڑی اکثریت دل سے پسند کرتی اور ان پر عمل پیرا رہنے میں خوشی محسوس کرتی ہے۔ برطانوی قوم نے جو دستور اپنایا ہوا ہے اس کا بہت بڑا حصہ غیر تحریری ہے۔ اس کے اصول سینہ بہ سینہ چلے آ رہے ہیں۔ غیر تحریری دستور ارتقائی انداز میں بڑھتا ہے اور شعوری کوشش کا اس میں عمل دخل کم ہوتا ہے۔

غیر تحریری دستور میں بعض تحریری حصے اور کچھ دستاویزات بھی شامل ہوتی ہیں۔ برطانوی دستور میں بھی میگنا کارٹا 1215ء مسودہ حقوق اور عرضداشت حقوق جیسی دستاویزات موجود ہیں۔ چونکہ زیادہ حصہ غیر تحریری ہے اس لیے برطانوی دستور بنیادی طور پر غیر تحریری ہی تسلیم کیا گیا ہے۔ غیر تحریری دستور کسی قانون ساز اسمبلی یا کسی فرد واحد نے کسی ایک معینہ مدت میں تشکیل نہیں دیا ہوتا بلکہ یہ مسلسل ارتقائی منازل طے کرتا ہے اور عصری تقاضوں کے مطابق خود بخود ڈھلتا چلا جاتا ہے۔

تحریری اور غیر تحریری دستور میں فرق

(Difference Between Written and Unwritten Constitution)

-1 تحریری دستور ایک مخصوص دور اور ایک معینہ مدت میں تشکیل دیا جاتا ہے جبکہ غیر تحریری دستور سال ہا سال ہی کیا صدیوں کے عمل کا نتیجہ ہوتا ہے۔

-2 تحریری دستور باقاعدہ منصوبہ بندی اور شعوری کوشش کا نتیجہ ہوتا ہے جبکہ غیر تحریری دستور خودرو پودے کی طرح ابھرتا اور پروان چڑھتا ہے۔

-3 تحریری دستور زیادہ واضح اور غیر مبہم ہوتا ہے جبکہ غیر تحریری ایسا نہیں ہوتا۔

-4 تحریری دستور باقاعدہ دستاویزات کی شکل میں ہوتا ہے۔ غیر تحریری دستور باقاعدہ کتابی شکل میں موجود نہیں ہوتا۔ ضروری ہے کہ تحریری دستور مکمل طور پر دستاویزی ہو۔ اس کے کچھ حصے رسوم و رواج پر مشتمل بھی ہو سکتے ہیں۔

-5 تحریری دستور میں ترمیم کا ایک مخصوص طریقہ کار درج ہوتا ہے۔ غیر تحریری دستور میں حالات کے مطابق آسانی سے تبدیلی ہو سکتی ہے۔

6- تحریری دستور غیر لچک دار ہوتا ہے جب کہ غیر تحریری دستور میں لچک پائی جاتی ہے۔

7- تحریری دستور کسی بھی مملکت میں کامیابی سے رائج ہوسکتا ہے لیکن غیر تحریری دستور کے لیے قوم میں اپنی روایات سے پیار اور قدامت پسندی کا عنصر موجود ہونا ضروری ہے۔ برطانوی قوم کا دستور اس کی بہترین مثال ہے۔

تحریری دستور کی خوبیاں (Merits Of Written Constitution)

1-پائیدار

تحریری دستور میں تبدیلی بڑی مشکل سے ہوتی ہے اس لیے یہ مستقل اور پائیدار رہتا ہے۔ ہر آنے والی حکومت اپنی پسند کی تبدیلیاں لا کر اسے اپنے مفادات کے مطابق ڈھال نہیں سکتی۔ اگر غیر تحریری دستور ہو تو حکومت وقت اپنی ضرورتوں کے مطابق کر سکتی ہے۔

2-وفاقی ریاست کی ضرورت

وفاقی مملکت جو دو سے زیادہ صوبوں پر مشتمل ہوتی ہے اختیارات مرکزی اور صوبائی حکومتوں میں تقسیم کیے جاتے ہیں۔ اختیارات کے حوالے سے مرکز اور صوبوں میں اختلاف رائے پیدا ہوسکتا ہے۔ اگر تحریری دستور ہو تو اختلاف کو دستور کی روشنی میں دور کیا جا سکتا ہے۔ غیر تحریری دستور وفاقی نظام میں قطعاً کامیاب ثابت نہیں ہوسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے کسی وفاقی ملک میں غیر تحریری دستور رائج نہیں ہے۔

3-واضح اور غیر مبہم

جو فیصلے تحریری شکل میں کیے جائیں بالکل واضح اور غیر مبہم ہوتے ہیں۔ اگر کوئی الجھن پیدا ہو تو تحریری دستور کی صورت میں اسے بآسانی حل کیا جا سکتا ہے۔ تحریر میں اصولوں اور قانون کی بنیاد پر تمام امور طے پاجاتے ہیں۔ اگر دستور تحریری نہ ہو تو ہر کوئی اپنی پسند اور مفادات کے مطابق اس کی تشریح کر سکتا ہے۔ تحریری بنیادی قواعد مفقود ہوں تو دستوری مسائل آئے دن پیدا ہوتے رہتے ہیں جس سے مملکت کے وجود کو بھی خطرہ لاحق رہتا ہے۔

4-بنیادی انسانی حقوق کا تحفظ

جدید دور میں ریاست کو عوامی مفادات اور حقوق کے تحفظ کا ذمہ دار سمجھا جاتا ہے۔ دستور عوام کے بنیادی حقوق کی حفاظت کرتا ہے اور انتظامیہ پر فرض عائد کیا جاتا ہے کہ وہ شہریوں کے بنیادی حقوق کی ضمانت دے بلکہ انہیں یقینی بنانے کی کوشش میں لگی رہے۔ غیر تحریری دستور پوری طرح حقوق کی حفاظت کی ضمانت نہیں دے سکتا۔

5-آزاد عدلیہ

تحریری دستور کے لیے لازمی شرط ہے کہ ملک میں عدالتیں آزاد اور خودمختار ہوں۔ دستور کی تشریح کی ضرورت پڑتی ہے نیز مرکز اور صوبوں میں اختیارات کے حوالے سے اختلاف ہوسکتا ہے تو تحریری دستور کی روشنی میں آزاد عدلیہ معاملے کا فیصلہ کر دیتی ہے۔ اعلیٰ ترین ملکی عدالت کا فیصلہ حتمی ہوتا ہے۔ آزاد عدلیہ نہ صرف دستور کی حفاظت کرتی ہے بلکہ عوام کو بھی پورا پورا تحفظ فراہم کرتی ہے۔ پاکستان میں سپریم

کورٹ اور ہائی کورٹوں کو وفاقی نظام حکومت کی وجہ سے اہم مقام حاصل ہے۔

تحریری دستور کی خامیاں (Demerits Of Written Constitution)

1-فرسودہ دستور

تحریری دستور جب منظر عام پر آتا ہے تو حالات کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہوتا ہے لیکن جوں جوں وقت گزرتا ہے دستور پرانا اور فرسودہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہ نئے حالات اور تقاضوں پر پورا نہیں اُترتا۔ دستور میں تبدیلی لانا بہت مشکل ہوتا ہے اس لیے قومی ضرورتوں کے مطابق نہیں چل پاتا۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ ایک بہت بڑی جمہوریت ہے۔ اس کا تحریری دستور 1789ء میں ترتیب دیا گیا۔ ظاہر ہے وہ دو سو سال سے زیادہ عرصہ پہلے کے حالات کے تحت مرتب کیا گیا۔ یوں ہم اس کو فرسودہ اور پرانی سیاسی قدروں پر مبنی دستور کہہ سکتے ہیں۔ اس کے مقابل برطانوی دستور کو دیکھا جائے تو اس میں بآسانی ترمیم کرنے کے پارلیمانی اختیار نے ہمیشہ زندہ رکھا ہے۔ یہ آج بھی جدید ترین ضرورتوں کی تکمیل کرتا دکھائی دیتا ہے۔

2-حکومت پر پابندیاں

تحریری دستور میں حکومت اور اس کے شعبوں کے اختیارات کا دائرہ کار متعین کر دیا جاتا ہے۔ حکومت کو دستوری اصولوں کے تحت لگائے گئے دائروں میں رہنا پڑتا ہے۔ جس سے حکومت کی کارکردگی متاثر ہوتی ہے اور یہ اپنے کئی ترقیاتی منصوبوں پر عمل پیرا نہیں ہو سکتی۔ اس کے برعکس غیر تحریری دستور میں حکومت کو اپنی کارکردگی بہتر بنانے اور ہر مناسب قدم اٹھانے کی بہتر آزادی ہوتی ہے۔ حکومت کو بعض نئے مسائل اور حالات سے عہدہ برآ ہونے میں مشکل پیش آتی ہے کہ وہ اپنی کوششوں سے قوم و ملک کو جدید ترقی سے ہمکنار کر دے۔ تحریری دستور میں اپوزیشن کو موقع ملتا ہے کہ وہ حکومتی جماعت کی اچھی تجاویز کو بھی دستور کے حوالے سے ناکام بنا دے۔

3-عدلیہ کی آمریت

تحریری اور استوار دستور میں عدلیہ کو آئین کی تشریح کے اختیارات ملنے کی وجہ سے مقننہ اور انتظامیہ پر برتری حاصل ہو جاتی ہے اور بعض اوقات عدلیہ کی آمریت قائم ہو جاتی ہے۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں صدر اور سپریم کورٹ کے درمیان تناؤ کی کیفیت پیدا ہوتی رہی۔ اب بھی ایسا ہوتا ہے۔ امریکہ کی مقننہ جو قانون بڑے غور و فکر اور بحث کے بعد بناتی ہے، سپریم کورٹ کے اکثریتی جج اسے مسترد کر دینے کا اختیار رکھتے ہیں۔ جس وجہ سے سپریم کورٹ کو کانگرس کے تیسرے ایوان کا نام دیا جاتا ہے۔ عدلیہ کا آمرانہ انداز جمہوری اداروں کی کارکردگی کو متاثر کرتا ہے۔

4-بنیادی حقوق کی حفاظت

تحریری دستور کے حوالے سے کہا جاتا ہے کہ یہ عوام کے بنیادی حقوق کی حفاظت کا ضامن ہوتا ہے۔ لیکن اس بات کی کوئی ضمانت نہیں ہوتی کہ ان کا ضرور احترام بھی کیا جائے گا۔ دراصل افراد کی آزادی کا انحصار زیادہ تر آزاد عدلیہ پر ہوتا ہے۔ یہ شرط تو غیر تحریری دستور میں بھی پوری کی جا سکتی ہے مثلاً برطانوی دستور غیر تحریری ہے لیکن وہاں حقوق کے تحفظ کے حوالے سے برطانیہ کو ایک

درخشاں مثال سمجھا جاتا ہے۔

5-ہنگامی حالات میں غیر مؤثر

تحریری دستور ہنگامی حالات میں غیر مؤثر ہو جاتا ہے۔ فوری اقدامات کے لیے آئین میں جلد ترمیم نہیں کی جا سکتی جو قوم اور ملک کی ترقی میں رکاوٹ کا باعث بنتا ہے۔ حکومت کی مفید پالیسیاں بھی رائج نہیں ہو پاتیں۔ اپوزیشن دستور کا سہارا لے کر حکومتی جماعت کو بہتر فیصلے کرنے میں مشکلات پیدا کر سکتی ہے۔

غیر تحریری دستور میں حکومت فوراً مناسب اقدام اٹھا کر حالات کا مقابلہ کر لیتی ہے اور قوم کو فیصلوں میں تاخیر سے بچا کر اسے ترقی کی طرف لے جانے میں کامیابی حاصل کر لیتی ہے۔

6-انقلاب کا خطرہ

تحریری دستور میں جب اکثر لوگوں کی خواہش اور بدلتی ہوئی ضروریات کے مطابق ترمیم نہ ہو سکے تو قدامت پسند عوام پورے نظام کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ وہ دستور کو ختم کر کے نیا دستور بنانے کا مطالبہ کر دیتے ہیں۔ اس طرح داخلی انتشار پھیلتا ہے۔ امن و امان تہہ و بالا ہو جاتا ہے اور انقلاب برپا ہونے کا خطرہ پیدا ہو سکتا ہے۔ حکومت کا تختہ الٹ کر نئی قوتیں سامنے آتی ہیں اور قوم کو بڑے چیلنج کا سامنا ہو سکتا ہے۔

لچک دار اور غیر لچک دار دستور

(Flexible and Rigid Constitution)

-1 لچک دار دستور (Flexible Constitution)

لچک دار دستور وہ دستور ہے جس میں ترمیم آسانی ہو سکے۔ برطانوی دستور اس کی نمایاں مثال ہے۔ برطانوی پارلیمنٹ جب چاہے دستور میں ترمیم لا سکتی ہے اور اس کا طریقہ عام قانون سازی جیسا ہی ہوتا ہے یعنی حاضر ارکان کی اکثریت اگر آئینی ترمیم کے مسودہ کی حمایت کر دے تو آئین میں ترمیم ہو جاتی ہے۔ لچک دار دستور میں ترمیم کی منظوری کو اعلیٰ عدالت میں چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔ پارلیمنٹ دستور میں ترمیم کے حوالے سے مکمل طور پر با اختیار ہوتی ہے۔

-2 غیر لچکدار دستور (Rigid Constitution)

غیر لچک دار دستور کو استوار دستور بھی کہا جاتا ہے۔ غیر لچک دار دستور ایسا دستور ہے جس میں ترمیم آسانی سے نہیں ہو سکتی اور ترمیم کا طریقہ کار کافی مشکل ہوتا ہے۔ وفاقی نظام حکومت میں غیر لچک دار دستور بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ وفاقی نظام میں اختیارات مرکزی اور صوبائی حکومتوں میں تقسیم کیے جاتے ہیں۔ دستور استوار ہوتا ہے تاکہ مرکزی حکومت مقننہ کے ذریعے دستور میں اپنی پسند کی تبدیلیاں نہ کر سکے۔ پاکستان، ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور بھارت میں دستور غیر لچکدار ہے۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں آئینی ترمیم کا طریقہ سب سے مشکل ہے۔ وہاں آئینی ترمیم کانگرس کے دونوں ایوانوں کی دو تہائی اکثریت منظور کرتی ہے پھر پچاس ریاستوں میں سے تین

چوتھائی ریاستوں کی اکثریت دستور میں ترمیم کی توثیق کردے تو آئین میں ترمیم ہوجاتی ہے۔

لچکدار اور غیر لچکدار دستور میں فرق

(Difference Between Flexible and Rigid Constitution)

1- غیر لچک دار دستور وفاقی نظام میں رائج کیا جاتا ہے جبکہ وحدانی نظام حکومت میں لچکدار آئین بھی قابل عمل ہوتا ہے۔

2- غیر لچک دار دستور ہو تو دستور میں ترمیم کا طریق کار مشکل اور عام قانون کی منظوری سے ہٹ کر ہوتا ہے جو عام طریقہ قانون سازی سے کہیں دشوار ہوتا ہے۔ لچک دار دستور میں قانون سازی اور دستور میں ترمیم کا طریقہ ایک ہی رکھا جاتا ہے۔ مقننہ سادہ اکثریت سے عام قانون کی طرح آئین میں بھی ترمیم کرسکتی ہے۔

3- لچک دار دستور کے تحت مقننہ کے قانون سازی اور دستور میں ترمیم کے اختیارات بے پایاں ہوتے ہیں جب کہ غیر لچکدار دستور میں تبدیلی کے اختیارات محدود ہوتے ہیں۔

4- استوار دستور ہمیشہ تحریری ہوتا ہے البتہ لچکدار دستور تحریری اور غیر تحریری بھی ہوسکتا ہے۔

5- لچک دار دستور عام طور پر ایسے ملک میں نافذ کیا جاتا ہے جہاں عوام روایت پسند، باشعور اور اخلاقی اور جمہوری اقدار کی پابندی کرنے والے ہوں آزادی حاصل کرنے والی نئی ریاست میں استوار آئین نافذ کیا جاتا ہے تاکہ شہری دستور کے اصولوں کی پابندی کریں۔

لچک دار دستور کی خوبیاں (Merits Of Flexible Constitution)

لچک دار اور غیر لچک دار دستور میں فرق پایا جاتا ہے۔ لچک دار دستور کی خوبیاں غیر لچک دار دستور کی خامیاں اور غیر لچک دار دستور کی خوبیاں، لچک دار دستور کی خامیاں شمار ہوتی ہیں۔ ذیل میں لچک دار دستور کی خوبیاں اور خامیاں بیان کی جاتی ہیں۔ غیر لچک دار دستور کی خامیوں اور خوبیوں کی وضاحت خود بخود ہوجائے گی۔

1- جمہوری اقدار کی پابندی

لچک دار دستور میں جمہوری قدروں کی صحیح پاسداری ہوتی ہے۔ دستور ہمیشہ عوام کی امنگوں کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ جب قوم کی ضرورتیں بدلتی ہیں تو دستور میں ان کے مطابق تبدیلیاں لانا پڑتی ہیں۔ اگر نہ لائی جائیں تو دستور پرانا متصور ہوتا ہے اور اسے عوامی پسند کے منافی گردانا جاتا ہے۔ لچکدار دستور ہو تو یہ وقت کے ساتھ ساتھ بدلتا رہتا ہے اور جمہوری قدروں پر عمل جاری رہتا ہے۔ غیر لچکدار دستور بدلتے ہوئے حالات اور قدروں کو اپنانے میں بعض اوقات کامیاب نہیں ہوتا۔

2- ہنگامی حالات میں مؤثر دستور

لچکدار دستور میں یہ خوبی پائی جاتی ہے کہ حکومت ہنگامی ضرورت کے مطابق دستور کو بدل لیتی ہے۔ لوگوں کی ضروریات کو پورا کرنے اور

مسائل کو حل کرنے میں قوم اور حکومت مناسب طور پر عہدہ برآ ہوتی ہے۔ غیر لچک دار دستور میں ہنگامی صورت حال سے نپٹنے میں دشواری ہوتی ہے۔ دستور کو آسانی سے تبدیل نہیں کیا جا سکتا اس لیے مسائل بروقت حل نہیں ہوتے۔

3-انقلاب سے بچاؤ

دستور میں آسانی سے تبدیلی لائی جاسکے تو قوم کو انقلاب اور تشدد کی راہ اپنانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ غیر لچک دار دستور میں عوام تبدیلی چاہتے ہوں تو آئین میں ترمیم کے مشکل طریق کار کی وجہ سے وہ مایوسی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ انقلاب کے بغیر مرضی کا نظام لانا ممکن نہیں۔ لچکدار دستور میں آسانی سے ترمیم ملک کو خونی انقلاب سے محفوظ رکھ سکتی ہے۔

4-مسلسل ارتقاء

لچک دار دستور کا بڑا حصہ غیر تحریری ہوتا ہے۔ جو معاشرے میں مسلسل ارتقائی عمل کا نتیجہ ہوتا ہے۔ عوام میں جو روایات اور رسومات مضبوط جڑیں پکڑ لیتی ہیں خود بخود دستور میں شامل ہوتی چلی جاتی ہیں۔ برطانوی دستور کا آغاز تیرہویں صدی کے شروع میں ہوا اور گزشتہ تقریباً 8 سو سالوں میں قومی ترقی میں قابل تعریف اضافے کا باعث بنا ہے۔ یہ کتابی شکل میں موجود نہیں بلکہ عوام کے سینوں میں محفوظ ہے۔ وہ روایات پرمبنی دستور کی بہت زیادہ پابندی کرتے ہیں اور اس پر دل و جان سے عمل کرتے ہیں۔

5-عدالتی آمریت کا خاتمہ

غیر لچک دار دستور میں عدلیہ کا مرکزی کردار ہے۔ وہ آسانی مقننہ کے بنائے ہوئے قوانین اور انتظامیہ کے کیے گئے فیصلوں کو غیر آئینی قرار دے کر ختم کرسکتی ہے۔ لچک دار دستور کی موجودگی میں عدلیہ کی آمریت کا خطرہ نہیں ہوتا۔ پارلیمنٹ کو اقتدار اعلیٰ حاصل ہوتا ہے عدلیہ عوامی نمائندوں کے فیصلوں کو بے اثر نہیں بنا سکتی عدلیہ معاشرے میں عدل وانصاف کے قیام میں زیادہ موثر اور فعال کردار ادا کرتی ہے۔

6-بروقت اور فوری فیصلے

لچکدار دستور کے تحت فیصلے فوری ہوتے ہیں جب کہ غیر لچکدار دستور میں مرکزی اور صوبائی حکومتوں کی مشاورت میں کافی وقت ضائع ہو جاتا ہے۔ یہ تاخیر قوم کے لیے نقصان دہ ثابت ہوتی ہے۔ لچک دار دستور میں تبدیلی جب چاہیں لا سکتے ہیں اور بروقت فیصلے کر کے حالات کو سنوارا جا سکتا ہے۔

لچکدار دستور کی خامیاں (Demerits Of flexible Constitution)

1-وفاقی نظام کے لیے ناموزوں

لچک دار دستور وفاقی نظام میں قابل عمل نہیں ہوتا۔ وفاق میں ایک سے زیادہ صوبے مل کر مرکز کے تحت کام کرتے ہیں۔ اختیارات مرکزی اور صوبائی حکومتوں میں تقسیم ہوتے ہیں۔ دستور میں وضاحت کر دی جاتی ہے کہ مرکزی حکومت من مانی کرتے ہوئے دستور میں ردوبدل نہیں کر سکے گی۔ وفاق میں اسی لیے غیر لچک دار دستور نافذ کیا جاتا ہے۔ غیر لچک دار دستور وفاقی نظام کا بنیادی ستون ہے۔ دستور صوبوں کو داخلی خود مختاری فراہم کرتا ہے اور عدلیہ دستور پر مرکزی و صوبائی حکومتوں سے عمل کرواتی ہے۔ وفاق میں شامل صوبے کی حدود کو صوبائی اسمبلی کی منظوری کے بغیر بدلا نہیں جا سکتا۔

2-عدلیہ کا مقام

لچک دار دستور عدلیہ کو اعلیٰ ترین اور فیصلہ کن حیثیت نہیں دیتا۔ یہ غیر لچک دار دستور ہی ہے جس میں عدلیہ عوام کے حقوق کی حفاظت کرتی ہے اور وفاق کے تقاضے بھی پورے کرتی ہے۔ عدلیہ حکومت کے مختلف شعبوں اور وفاق کے مختلف یونٹوں کو اپنے اپنے دائروں میں اختیارات و فرائض کا پابند کرتی ہے۔ لچک دار دستور میں منتخب نمائندوں کی پارلیمنٹ کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے' یوں افراد کی آزادی اور حقوق کے حوالے سے فضا زیادہ خوشگوار نہیں رہتی۔

3-سیاسی شعور کی کمی

ترقی پذیر اور نو آزاد ممالک میں جن کے عوام میں سیاسی شعور کم ہو اور جو نظام حکومت کے تقاضوں سے پوری طرح آشنا نہ ہوں' بہتر ہے کہ غیر لچک دار دستور ہو۔ اگر لچک دار دستور ایسے ملک میں آزمایا جائے تو عوام کے جذباتی اور شعوری کی پر مبنی فیصلے پوری قوم اور ملک کے لیے نقصان دہ ہو سکتے ہیں۔ لچک دار دستور میں وہ وقتی جذبات سے مغلوب ہو کر نامناسب اقدام اٹھا لیتے ہیں۔ ضروری ہے کہ شعور کی مکمل بیداری اور تعلیم کے پوری طرح فروغ پانے تک ملک میں مستحکم اور غیر لچک دار دستور رائج رکھا جائے۔ لچک دار آئین کے لیے سیاسی بلوغت اور مستقل مزاجی کی ضرورت ہے۔

4-واضح اور متعین دستور

غیر لچک دار دستور میں تحریری طور پر حکومت کے تمام شعبوں کے اختیارات فرائض اور عوام کے حکومت سے تعلقات کی وضاحت کر دی جاتی ہے جس سے کوئی ابہام جنم نہیں لیتا۔ لچک دار دستور میں سیاسی جماعتیں اس کی تشریح اپنے مفادات کے تحت کرتی ہیں جس سے الجھاؤ پیدا ہو سکتے ہیں۔ غیر لچک دار دستور مستقل' واضح اور متعین ہوتا ہے۔

5-سیاسی تسلسل

غیر لچک دار دستور چونکہ مستقل' پائیدار اور مستحکم ہوتا ہے نیز اس پر عمل کرتے کرتے عوام اس کی خصوصیات سے پوری طرح آگاہ ہو چکے ہوتے ہیں اس لیے وقت کے ساتھ ساتھ آنے والی چھوٹی بڑی تبدیلیوں سمیت وہ اپنے ماضی سے جڑے رہتے ہیں۔ وہ جدت پسندی کے شوق میں اپنے ماضی کو نظر انداز نہیں کر دیتے۔ لچک دار دستور ہو تو نت نئی تبدیلیاں دستور اور قوم دونوں کو ماضی سے کاٹ سکتی ہیں۔

6-انسانی حقوق

کوئی جمہوری دستور مکمل نہیں سمجھا جاتا جب تک اس میں انسانوں کے بنیادی حقوق کو تحفظ نہیں دیا جاتا۔ تحریری اور غیر لچک دار دستور بنیادی حقوق کو تسلیم اور ان کی ضمانت دیتا ہے اور ان کو نقصان پہنچانے والا فرد یا ادارہ عدلیہ کے حکم کے تحت انہیں واگذار کرنے پر مجبور کر دیا جاتا ہے۔ لچک دار دستور میں بنیادی حقوق کو غیر لچک دار دستور والا تحفظ نہیں ملتا کیونکہ غیر لچک دار دستور میں تبدیلیاں آسانی سے نہیں لائی جاسکتیں۔ یوں استوار آئین بنیادی حقوق کا بہتر محافظ ہے۔

7-اختیارات کی تقسیم

غیر لچک دار دستور میں مقننہ' انتظامیہ اور عدلیہ کے اختیارات کی تقسیم کی وضاحت کر دی جاتی ہے۔ ہر ایک ادارہ اپنے اپنے دائرے

میں کام کرتا ہے اور کوئی بھی آمرانہ روش اختیار نہیں کر سکتا۔ غیر لچک دار دستور میں باہمی روک ٹوک اور توازن کا نظام قومی ترقی میں مؤثر کردار ادا کرتا ہے۔ شہری معاشی خوشحالی اور ذہنی آسودگی سے پرسکون زندگی بسر کرتے ہیں۔

سوالات

حصہ اول

1- مختصر جوابات دیجئے۔

☆ دستور سے کیا مراد ہے؟

☆ دستور کیوں اہم ہوتا ہے؟

☆ آسٹن نے دستور کی کیا تعریف کی ہے؟

☆ احتساب و توازن سے کیا مراد ہے؟

☆ تحریری اور غیر تحریری دستور میں کیا فرق ہے؟

☆ تحریری دستور ہنگامی حالات میں کیوں غیر مؤثر ہو جاتا ہے؟

☆ لچکدار اور غیر لچکدار دستور میں کیا فرق ہے؟

☆ لچکدار دستور وفاقی نظام کے لیے کیوں غیر موزوں ہے؟

☆ تحریری دستور میں عدلیہ کی آمریت کیسے قائم ہو جاتی ہے؟

☆ غیر لچکدار دستور سے کیا مراد ہے؟

حصہ دوم

2- دستور کی تعریف کیجئے اور اچھے دستور کی خصوصیات کا ذکر کیجئے۔

3- تحریری دستور کی خوبیاں اور خامیاں بیان کیجئے۔

4- لچکدار دستور کی خوبیوں اور خامیوں کا احاطہ کیجئے۔

حصہ سوم

■ ہر سوال کے چار جوابات دیے گئے ہیں درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

1- ایک جمہوری ملک میں عدلیہ بنیادی طور پر کس کی حفاظت کرتی ہے؟

(الف) حکومت (ب) سرحدوں (ج) آئین (د) مقننہ

2- برطانیہ کا دستور کون سا ہے؟

(الف) تحریری (ب) غیر تحریری (ج) استوار (د) قدیم

3- دستور کی یہ تعریف کس نے کی ہے؟ ''ریاست میں بااختیار حکومت کی ساخت اور اختیارات کا تعین دستور کرتا ہے''۔

(الف) آسٹن (ب) فائنر (ج) لارڈ برائس (د) گلکرائسٹ

4- کس دستور میں حالات کے مطابق آسانی سے تبدیلی ہو سکتی ہے؟

(الف) استوار (ب) غیر لچکدار (ج) عوامی (د) لچکدار

5- لچک دار دستور کس نظام میں قابل عمل نہیں ہوتا؟

(الف) پارلیمانی (ب) وحدانی (ج) وفاقی (د) بین الاقوامی

6- پاکستان کے 1973ء کے آئین کی تشکیل کس نے کی؟

(الف) ارکان پارلیمنٹ (ب) عدلیہ (ج) انتظامیہ (د) آئینی کمیشن

7- امریکہ میں پہلا آئین کب نافذ ہوا؟

(الف) 1680ء (ب) 1789ء (ج) 1875ء (د) 1970ء

8- کس نظام حکومت میں غیر تحریری دستور قطعاً کامیاب ثابت نہیں ہو سکتا؟

(الف) پارلیمانی (ب) صدارتی (ج) وحدانی (د) وفاقی

9- برطانیہ کے دستور کا آغاز کس صدی میں ہوا؟

(الف) گیارہویں (ب) بارہویں (ج) تیرہویں (د) چودہویں

باب 9

سیاسی حرکیات
(POLITICAL DYNAMICS)

رائے عامہ (Public Opinion)

رائے عامہ کا مفہوم (Meaning of Public Opinion)

آج جمہوریت کا زمانہ ہے۔ جمہوریت اور رائے عامہ کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ جمہوریت کے فروغ کے ساتھ ساتھ رائے عامہ کی اہمیت میں زبردست اضافہ ہوا ہے۔ کوئی حکومت رائے عامہ کو نظرانداز کر کے کامیاب نہیں ہو سکتی۔

رائے عامہ کی تعریف (Definition of Public Opinion)

1- لاول (Lowell)

''رائے عامہ کے لیے نہ مکمل اتفاق رائے کا حامل ہونا ممکن ہے اور نہ یہ ضروری ہے کہ یہ اکثریت کی رائے ہو۔ رائے عامہ صرف اسی رائے کو کہا جائے گا جس کو ریاست کے افراد کی ایک بہت بڑی تعداد کی حمایت حاصل ہو اور وہ رائے قومی مفاد سے مطابقت رکھتی ہو۔ بعض اوقات اقلیت کی رائے 'رائے عامہ کا روپ دھار لیتی ہے بشرطیکہ اس میں مفاد عامہ کارفرما ہو۔''

2- لارڈ برائس (Lord Bryce)

''رائے عامہ عوام کے ان خیالات و تصورات کا مجموعہ ہے جو قومی مسائل سے متعلق ہوں اور جن کا تعلق مفاد عامہ سے ہو''۔ لہٰذا رائے عامہ شہریوں کی اجتماعی، مؤثر، معقول اور سوچی سمجھی رائے ہے۔

3- راجرز (Rogers)

''جب کسی قوم میں تمام افراد کی بجائے چند سمجھدار اور غور و فکر کرنے والے افراد عوامی فلاح و بہبود کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کریں۔ تو اس میں رائے عامہ کی خاصیت پیدا ہو جاتی ہے''۔

رائے عامہ کی اہمیت
(Importance of Public Opinion)

جدید جمہوری دور میں رائے عامہ کو بڑی اہمیت حاصل ہے جمہوری نظام حکومت میں عوام کی رائے کو بڑا دخل ہوتا ہے اور جمہوری اداروں کی کامیابی کے لیے مؤثر رائے عامہ کی موجودگی نہایت ضروری ہے۔ ایک جمہوری حکومت رائے عامہ کے مطابق ہی اپنی سرگرمیاں جاری رکھ سکتی ہے۔ ذیل میں رائے عامہ کی اہمیت واضح کی جاتی ہے۔

(1) جمہوریت کا فروغ رائے عامہ کے بغیر ممکن نہیں کیونکہ جمہوریت سے مراد ایسا طرز حکومت ہے جو رائے عامہ پر مبنی ہوتا ہے۔

(2) رائے عامہ حکومت کو من مانی نہیں کرنے دیتی اور حکمران طبقہ عوام کے سامنے جوابدہ ہوتا ہے اور رائے عامہ اسے عوامی مفاد کے خلاف چلنے سے روکتی ہے۔

(3) رائے عامہ سے لوگوں میں وسعت نظر اور آزادی فکر پروان چڑھتی ہے۔

(4) رائے عامہ کی بدولت لوگوں میں سوچنے اور غور و فکر کی عادت پڑتی ہے۔

(5) حکومت کوئی ایسا قانون بنانے کی جرات نہیں کرتی جو عوام کو پسند نہ ہو۔ درحقیقت جو قوانین رائے عامہ کا احترام کرتے ہوئے تشکیل دیے جاتے ہیں عوام بخوشی ان کی اطاعت کرتے ہیں۔

(6) رائے عامہ کی حکمرانی، مضبوط اور مستحکم حکومت کی ضمانت دیتی ہے۔

(7) رائے عامہ کی بالادستی لوگوں کے لیے زیادہ سے زیادہ بہتری اور خوش حالی کی ضمانت ہے۔

(8) حکومت اپنی پالیسیاں مرتب کرتے وقت عوام کی منشا اور رائے کو نظر انداز نہیں کرسکتی۔

(9) جمہوری حکومت عوام کی رائے کے مطابق بنائی جاتی ہے۔

(10) آج بین الاقوامی سیاست میں رائے عامہ کی اہمیت بڑھتی جا رہی ہے جو حکومت عوام کی رائے سے ترتیب پاتی ہے بین الاقوامی طور پر عزت کی نظر سے دیکھی جاتی ہے اور یہ قومی مفاد کی بہتر حفاظت کر سکتی ہے۔

رائے عامہ کی تشکیل اور اظہار کے مختلف ذرائع

(Different Sources of Formation and Expression of Public Opinion)

رائے عامہ کی تشکیل اور اظہار میں پراپیگنڈہ کو بہت اہمیت حاصل ہے موجودہ جمہوری دور میں حکومت اور سیاسی و مذہبی جماعتیں بہت سے ذرائع استعمال کرتی ہیں۔ تاکہ عوام کے خیالات کو متاثر کیا جا سکے۔ ان کے درست استعمال سے رائے عامہ قومی مفاد میں تشکیل پاتی ہے۔ اگر ان کا استعمال غلط ہو تو رائے عامہ گمراہ بھی ہو سکتی ہے۔ ان ذرائع کی تفصیل درج ذیل ہے۔

1- پریس (Press)

موجودہ جمہوری دور میں پریس کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ پریس سے مراد اخبارات، رسائل، جرائد، کتابیں اور اشتہارات ہیں، یہی ایک ذریعہ ہے جس سے کروڑوں لوگوں کو روزمرہ کے حالات سے آگاہی ہوتی ہے۔ خبروں کے علاوہ اس میں سیاستدانوں کے بیانات، ماہرین کے بے لاگ تبصرے اور بیرونی دنیا کے حالات و واقعات چھپتے ہیں، پریس نشر و اشاعت کا مؤثر ذریعہ ہے اور رائے عامہ کی تعمیر اور اظہار میں خاطر خواہ کردار ادا کرتا ہے، پریس کا فرض ہے کہ وہ تعصب اور اشتعال انگیزی سے گریز کرے اور صحت مند رائے عامہ کی تشکیل میں مدد دے۔ تاکہ عوام حکومت کا احتساب برقرار رکھ سکیں۔

2- ریڈیو اور ٹیلی ویژن (Radio and Television)

رائے عامہ کی تشکیل اور اظہار کے سلسلے میں ریڈیو اور ٹیلی ویژن اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ان ذرائع سے عوام کی سیاسی، مذہبی، معاشرتی اور اخلاقی معاملات میں تجربہ کار ماہرین راہنمائی کرتے ہیں۔ اخبارات سے زیادہ ٹیلی ویژن اور ریڈیو عوام کی تعلیم و تربیت کرتے ہیں۔ جمہوری ممالک میں جہاں ریڈیو اور ٹیلی ویژن حکومت کے کنٹرول سے آزاد ہوں تو عوام ان اداروں کے ذریعے اپنی رائے کا آزادانہ اظہار کر سکتے ہیں اور اس طرح صحت مند رائے عامہ تشکیل پا سکتی ہے اگر ان اداروں پر حکومت کا کنٹرول ہو تو پھر صحت مند رائے عامہ کی تشکیل میں مسائل پیدا ہو سکتے ہیں۔

3- سینما (Cinema)

موجودہ دور میں سینما تفریح کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ اچھی، سبق آموز اور دستاویزی فلموں سے عوام مستفید ہو کر متوازن رائے قائم کر سکتے ہیں تاریخی واقعات کی عکاسی اچھے کرداروں سے کی جاتی ہے۔ جو لوگوں کے ذہن پر گہرے نقش قائم کرتی ہے۔ مثلاً محمد بن قاسم یا ٹیپو سلطان کے بارے میں فلمیں۔ فلمی کہانیوں کو اس انداز سے پیش کرنا چاہیے جس سے معاشرہ کی اصلاح ہو۔

4- پلیٹ فارم (Platform)

پلیٹ فارم سے مراد سیاسی سٹیج ہے جس کے ذریعے سیاسی جماعتوں کے راہنما عوام سے براہ راست رابطہ قائم کر کے اپنی پارٹی یا حکومت کی پالیسی یا پروگرام کو عوام کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ جلسوں میں پڑھے لکھے اور ان پڑھ عوام قومی رہنماؤں کو دیکھنے اور ان کی تقاریر سننے سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔ قیام پاکستان کے لیے رائے عامہ ہموار کرنے میں علامہ محمد اقبالؒ اور قائداعظمؒ کے جلسوں نے بنیادی کردار ادا کیا چنانچہ پلیٹ فارم یا جلسے بھی رائے عامہ کی تشکیل اور اظہار کا بہترین ذریعہ ہیں۔

5- سیاسی جماعتیں (Political Parties)

سیاسی جماعتیں جمہوریت کی کامیابی کے لیے ضروری ہیں اور یہ رائے عامہ تشکیل کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں، سیاسی جماعتیں پریس اور پلیٹ فارم کے ذریعے عوام کو اہم قومی مسائل سے آگاہ کرتی ہیں اور اپنے انتخابی منشور اور ترقیاتی پروگرام کا اعلان کرتی ہیں، اس طرح عوام کو مختلف معاملات اور امور کے بارے میں اپنی رائے کی تشکیل میں بڑی مدد ملتی ہے، جس کا اظہار وہ انتخابات میں اپنے ووٹ کے ذریعے کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر ہندوستانی مسلمانوں کی آزادی کے لیے قیام پاکستان میں مسلم لیگ کا کردار۔

6- تعلیمی ادارے (Educational Institutions)

سکول، کالج، دارالعلوم اور یونیورسٹیاں رائے عامہ کو منظم کرنے کا ایک موثر ذریعہ ہیں، تعلیمی ادارے طلبا و طالبات کو مختلف معاشی، معاشرتی، ادبی اور سیاسی مسائل کا مطالعہ کرنے کے وافر مواقع بہم پہنچاتے ہیں۔ درحقیقت معاملہ فہمی، پختگی فکر اور سیاسی شعور تعلیمی اداروں میں پیدا ہوتا ہے۔ اسلامیہ کالج لاہور اور پشاور کے طلباء کی پاکستان بنانے کی فکر اور سوچ نے مسلمانوں کو آزادی بخشی۔ رائے عامہ کی تشکیل میں اساتذہ اور طلبہ کا کردار زیادہ موثر اور مثبت ہوتا ہے۔

7- مذہبی ادارے (Religious Institutions)

انسانی زندگی میں مذہب کو اہم مقام حاصل ہے۔ مذہب لوگوں میں اتحاد پیدا کرتا ہے۔ مذہبی ادارے اور علماء کرام رائے عامہ کی تشکیل میں انتہائی اہم کردار ادا کرتے ہیں' ہماری حالیہ تاریخ میں تحریک خلافت اور تحریک پاکستان کے بارے میں مساجد اور دیگر مذہبی اداروں کا کردار اہم رہا ہے۔ عوام مذہب سے گہری عقیدت کی وجہ سے ہر قربانی دینے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ 1979ء میں ایران کا اسلامی انقلاب رائے عامہ کی مثال ہے مذہبی اداروں اور اجتماعات میں کی جانے والی تقریریں اور واعظ رائے عامہ کی تشکیل میں بڑا موثر کردار ادا کرتے ہیں۔

8- مقننہ (Legislature)

جمہوری ممالک میں قانون ساز ادارے عوامی نمائندوں پر مشتمل ہوتے ہیں' ان اداروں کے ارکان قومی مسائل پر ایوان میں اپنے نظریات آزادی کے ساتھ پیش کرتے ہیں اور ان پر بحث کرتے ہیں' عوام ان کا بڑی دلچسپی سے مطالعہ کرتے ہیں جس سے ان میں سیاسی شعور بیدار ہوتا ہے اور اس طرح اپنی رائے کو احسن طریقے سے ترتیب دے سکتے ہیں۔ مقننہ کے اراکین نہ صرف رائے عامہ کی تشکیل کرتے ہیں بلکہ وہ عوامی خواہشات کی ترجمانی بھی کرتے ہیں۔

9- عدالتی تشریحات ومقدمات (Judicial Decisions)

رائے عامہ کی تشکیل میں عدالتی تشریحات اور مقدمات کے فیصلے خاص اہمیت کے حامل ہیں۔

10- انجمنیں (Associations)

پاکستان میں مختلف بنیادوں پر بے شمار انجمنیں پائی جاتی ہیں۔ جو رائے عامہ کی تشکیل اور اظہار کا اہم ذریعہ ہیں۔

11- مشاہدات (Observations)

جدید دور کا شہری اپنے مشاہدات کی بنا پر بھی رائے عامہ کی تشکیل کرتا ہے۔

صحیح رائے عامہ کی شرائط (Conditions For Sound Public Opinion)

کسی ملک میں صحت مند، متوازن اور موثر رائے عامہ کی تشکیل۔ کے لیے ضروری شرائط درج ذیل ہیں۔

1- تعلیم (Education)

تعلیم موثر رائے عامہ کی تشکیل کی پہلی اور بنیادی شرط ہے' جاہل اور ان پڑھ شہری حالات کا صحیح جائزہ نہیں لے سکتے اور نہ ہی قومی و سیاسی معاملات کو سمجھ سکتے ہیں' جب کہ تعلیم یافتہ شہری گہرے غور وفکر کے بعد رائے قائم کرتا ہے' لہٰذا لازم ہے کہ عوام کو اتنی تعلیم دی جائے جو ان میں سوجھ بوجھ' حب الوطنی' رواداری اور سیاسی شعور کو اجاگر کرے تا کہ وہ درست رائے عامہ تشکیل دے سکیں۔

2- معاشرتی حقوق وآزادی کا تحفظ (Protection of Civil Rights and Liberty)

صحیح رائے عامہ کی تشکیل کے لیے ضروری ہے کہ عوام کو معاشرتی حقوق اور سیاسی آزادی حاصل ہو۔ وہ آزادی سے اپنی رائے کا اظہار کر سکیں۔ امور حکومت میں برابر کے شریک ہوں۔ اگر تقریر وتحریر پر پابندی ہو تو رائے عامہ قومی مفاد میں تشکیل نہیں ہو سکے گی اس لیے شہریوں

کو معاشرتی وسیاسی حقوق حاصل ہوں گے تو صحیح رائے قائم ہوگی۔

3-سیاسی شعور (Politcal Consciousness)

سیاسی شعور کا مطلب یہ ہے کہ ہر شہری قومی مسائل سے دلچسپی رکھے اور اس میں حقوق وفرائض کا احساس پایا جائے' اس کی رائے سوچ سمجھ پرمبنی ہو' تعصبات سے پاک ہو اور مفاد عامہ کے لیے ہو۔ اس لیے شہریوں کا سیاسی لحاظ سے باشعور ہونا از حد ضروری ہے۔ عوام روشن ضمیر اور جرأت مند ہوں تو حکومت کو رائے عامہ کا احترام کرنا پڑتا ہے اور حکومت عوامی خواہشات کے مطابق ہی اپنی پالیسیوں پر عمل کرتی ہے۔

4-آزادانہ اور غیر جانبدارانہ انتخابات (Free and Impartial Elections)

صحت مند رائے عامہ کی تشکیل کے لیے ضروری ہے کہ مقررہ مدت کے بعد باقاعدگی سے غیر جانبدارانہ اور آزادانہ انتخابات کرائے جائیں تا کہ لوگ اپنی رائے کا آزادانہ اظہار کرسکیں۔ اگر انتخابات آزادانہ فضا میں نہ کرائے جائیں اور دولت یا جبر سے ووٹ حاصل کرنے کی کوشش کی جائے تو صحیح رائے عامہ کا اظہار مشکل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا صحیح رائے کے لیے ضروری ہے کہ انتخابات آزادانہ ماحول میں کرائے جائیں تا کہ جمہوریت کو فروغ حاصل ہو اور ملکی ترقی عوامی رائے کے مطابق ہو۔

5-آزاد پریس (Free Press)

صحیح اور متوازن رائے عامہ کے لیے ضروری ہے کہ پریس آزاد اور غیر جانبدار ہو عوام صحیح اور درست حالات وواقعات سے باخبر ہوں۔ اگر ابلاغ عامہ کے ذرائع پر کوئی ناروا اور ناجائز پابندیاں عائد ہوں تو صحت مند رائے عامہ کا وجود میں آنا ناممکن ہوتا ہے۔

6-حب الوطنی (Patriotism)

حب الوطنی سے سرشار عوام ہی محب وطن قیادت منتخب کر سکتے ہیں یہ قیادت ایسے منصوبے بناتی ہے۔ جو لوگوں کے بہترین مفاد میں ہوں۔ صحت مند رائے عامہ کے لیے ضروری ہے کہ عوام ہر قسم کے تعصبات سے بالاتر ہوں' وہ صرف اسی صورت میں معقول رائے دے سکتے ہیں جب وہ قومی مفاد کو ذاتی' مقامی' علاقائی اور فرقہ وارانہ مفادات پر ترجیح دینے کے عادی ہوں اور ان کی وابستگی کا مرکز ان کا وطن ہو۔

7-قانون کی حکمرانی (Rule of Law)

صحیح رائے عامہ کی تشکیل تبھی ممکن ہے جب تمام شہریوں کو قانون کی نظر میں مساوی حیثیت حاصل ہو' امیر وغریب' ادنیٰ واعلیٰ سب کے ساتھ قانون ایک جیسا سلوک کرے۔ تمام شہریوں کو یکساں حقوق حاصل ہوں اور ان کے لیے مناسب تحفظات کا آئینی بندوبست ہو' اس لیے مؤثر رائے کی تشکیل کے لیے قانون کی حاکمیت بھی ضروری شرط ہے۔

8-معاشی استحکام (Economic Stability)

جمہوریت کی کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ ملک معاشی طور پر مستحکم ہو' اس لیے ریاست کے لیے ضروری ہے کہ وہ عوام کو معاشی تحفظ دے' ان کے لیے روزگار اور ترقی کے مواقع پیدا کرے' لہٰذا صحت مند رائے عامہ کی تشکیل کے لیے ضروری ہے کہ شہریوں کو معاشی پریشانیوں اور تفکرات سے نجات دلائی جائے اور سب لوگوں کو بنیادی ضروریات زندگی کا تحفظ حاصل ہو۔

رائے دہندگان اور انتخابات (Electorate and Elections)

تعارف

قدیم دور میں یونان میں براہِ راست جمہوریت کا نظام رائج تھا۔ لوگ کسی ایک جگہ اکٹھے ہو کر اپنے مسائل پر غور و فکر کرنے کے بعد ان کا حل تلاش کرتے تھے۔ اپنی ریاست کی ترقی کے عمل میں بھی براہِ راست مشاورت اور ٹیکس کے نظام کو اختیار کیا جاتا تھا۔ اس دور میں یونان کے جغرافیائی حالات اور کم آبادی کی بنا پر ریاستیں چھوٹی تھیں جو کہ شہری ریاستیں (City States) کہلاتی تھیں۔

بلاواسطہ جمہوریت میں شہری سیاسی معاملات میں براہِ راست شرکت کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں سوئٹزرلینڈ کی مثال دی جا سکتی ہے۔ لیکن موجودہ ریاستوں کے وسیع رقبہ اور آبادی کے پیشِ نظر اس نظام پر عمل ممکن نہیں رہا۔ جدید نمائندہ جمہوریت میں لوگ اپنے نمائندوں کے ذریعہ سیاسی اقتدارِ اعلیٰ کا اظہار اور استعمال کرتے ہیں۔ اب عوام ووٹ کے ذریعے اپنے نمائندے منتخب کرتے ہیں۔ یہ نمائندے عوام کی اجتماعی رائے کے مطابق حکومت کے اختیارات استعمال کرتے ہیں اس نظام کو نمائندہ جمہوریت یا بالواسطہ جمہوریت کا نام دیا گیا ہے۔ ریاست میں تمام باشندوں کو نمائندہ منتخب کرنے کا حق نہیں ہوتا۔ کوئی ملک بھی نابالغ، دماغی لحاظ سے غیر صحت مند اور غیر ملکی افراد کو ووٹ دینے کا حق عطا نہیں کرتا۔ جے۔ ایس۔ مل (J.S.Mill) کے نزدیک رائے دہندہ کے لیے تعلیم یافتہ ہونا ضروری ہے۔ موجودہ رجحان یہ ہے کہ ریاست کے ہر بالغ اور عاقل مرد و عورت کو رائے دہی کا حق حاصل ہونا چاہیے۔ اس طریقے کو بالغ رائے دہی (Adult Franchise) کہا جاتا ہے۔ رائے دہندہ (Electorate) کے لیے مختلف ممالک میں عمر کی حد مختلف مقرر کی گئی ہے۔ پاکستان میں ووٹر کی عمر 18 سال جبکہ جرمنی میں 20 سال ہے۔ ووٹ دینے کے حق کو حق رائے دہی کہا جاتا ہے۔ ایک جمہوری ریاست اپنے شہریوں کو یہ حق سیاسی حق کے طور پر دیتی ہے۔ ریاست کے آئینی اصولوں کے مطابق جن شہریوں کو ووٹ دینے کا حق حاصل ہو انہیں رائے دہندگان کہا جاتا ہے۔

رائے دہندگان نہ صرف قومی نمائندے منتخب کر کے بالواسطہ طور پر پارلیمنٹ انتظامیہ اور عدلیہ کی تشکیل اور پالیسی پر اثر انداز ہوتے ہیں بلکہ وہ حکومت کے معاملات میں براہِ راست بھی شریک ہوتے ہیں۔ سوئٹزرلینڈ میں استصوابِ رائے (ریفرنڈم) اور حق ہدایت کے ذریعہ یہ براہِ راست قانون سازی میں بھی حصہ لیتے ہیں۔ پاکستان میں بھی رائے دہندگان کو ریفرنڈم کا حق حاصل ہے۔

مجموعی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ آج کے دور میں رائے دہندگان کسی بھی نمائندہ جمہوری ملک میں حکومت کی تشکیل، پالیسیوں پر عمل درآمد اور قوم کی مادی اور روحانی ترقی میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔

رائے دہندگان (Electorates)

وہ طریقہ جس سے شہری اپنے نمائندے چنتے ہیں انتخاب کہلاتا ہے۔ ہر ایک شہری کو اپنا نمائندہ منتخب کرنے کے لیے جو حق دیا گیا ہے اسے رائے یا ووٹ کہتے ہیں۔ ووٹ دینے کے حق کو حق رائے دہی کہتے ہیں۔ وہ تمام افراد جو ریاست کے قانون کے مطابق اپنے نمائندے منتخب کرنے کے حقدار ہیں انہیں مجموعی طور پر رائے دہندگان کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ رائے دہندگان سے مراد ریاست کی ساری آبادی نہیں بلکہ محدود آبادی ہے جو اپنی رائے کا اظہار کرنے کی اہل ہوتی ہے۔ کوئی ملک بھی دیوالیہ افراد، پاگل، سنگین جرائم کے مرتکب افراد، نابالغ اور غیر ملکی افراد کو حق رائے دہی عطا نہیں کرتا۔ کچھ مفکرین رائے دہندگان کے لیے مزید شرائط عائد کرنے کے حق میں ہیں مثلاً جے سٹورٹ مل (J.Stuart Mill) کے نزدیک ووٹر کے لیے تعلیم یافتہ ہونا ضروری ہے۔ بعض مفکر جائیداد، ٹیکس اور جنس کی شرائط

بھی تجویز کرتے ہیں۔لیکن دور حاضر کی جمہوری ریاستوں نے جنس، جائیداد اور ٹیکس کی شرائط کو ختم کر دیا ہے۔موجودہ رجحان یہ ہے کہ ہر عاقل اور بالغ کو خواہ مرد ہو یا عورت رائے دہی کا حق حاصل ہونا چاہیے۔اس طریقے کو بالغ رائے دہی(Adult franchise) کہا جاتا ہے۔بلوغت کے تعین کے لیے مختلف ممالک میں عمر کی حد مختلف رکھی گئی ہے مثلاً پاکستان میں 18 سال ہے جبکہ ناروے میں 23 سال اور جرمنی میں 20 سال مقرر کی گئی ہے۔

انتخابات (Elections)

موجودہ زمانہ جمہوریت کا زمانہ ہے۔انتخابات جدید جمہوریت کا حصہ ہیں۔انتخابات کی بدولت نمائندہ حکومت قائم ہوتی ہے۔وہ طریقہ جس سے شہری اپنے نمائندے چنتے ہیں، انتخاب کہلاتا ہے۔جمہوریت کا تصور انتخابات کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔انتخابات عوام میں سیاسی شعور پیدا کرتے ہیں۔قدیم یونانی ریاستوں میں تمام اہم فیصلے اور حکومت کے اہم عہدے داروں کا تقرر براہ راست ہوتا تھا۔اس دور میں تمام شہری ایک جگہ جمع ہو کر قانون سازی بھی کرتے تھے۔قدیم زمانے میں ریاست، آبادی اور رقبہ کے لحاظ سے چھوٹی ہوتی تھی۔آبادی بھی محدود تھی اور شہریوں کا کسی ایک جگہ جمع ہو جانا ممکن تھا۔

اس طرح براہ راست جمہوریت کا طریقہ رائج تھا۔دور جدید کی جمہوری ریاستوں میں آبادی اتنی زیادہ ہو گئی ہے کہ کسی ریاست کے سارے شہریوں کا کسی ایک جگہ جمع ہونا عملاً ناممکن ہے۔لہٰذا آج کل براہ راست جمہوری نظام ممکن نہیں۔یہی وجہ ہے کہ بلا واسطہ (Direct) جمہوریت کی جگہ بالواسطہ (Indirect) جمہوریت نے لے لی ہے' اس میں عوام اپنے نمائندوں کو منتخب کر کے قانون ساز اسمبلی میں بھیجتے ہیں۔انتخابات کے دوران مختلف سیاسی جماعتیں رائے دہندگان کے سامنے اپنا منشور پیش کرتی ہیں۔انتخابات سے عوام کو موقع ملتا ہے کہ وہ آزادی فکر کے ساتھ اپنی رائے کا اظہار کر کے اپنی پسند کے نمائندوں کا انتخاب کر سکیں' آزادانہ انتخابات سے ملک کا ہر معاشرتی یا سیاسی مسئلہ پرامن طریقے سے حل ہو جاتا ہے۔انتخابات کی اہمیت کے پیش نظر ضروری ہے کہ انتخابات منصفانہ' آزادانہ اور غیر جانبدارانہ ہوں۔

انتخابات کے طریقے (Methods of Elections)

انتخابات دو طرح سے ہوتے ہیں۔

☆ بلاواسطہ انتخاب (Direct Election)

☆ بالواسطہ انتخاب (Indirect Election)

بلاواسطہ انتخاب (Direct Election)

براہ راست انتخاب کا طریقہ دنیا کے اکثر جمہوری ممالک میں رائج ہے۔اس میں رائے دہندگان براہ راست اپنے نمائندوں کا انتخاب کرتے ہیں۔انتخاب کا یہ طریقہ بڑا سادہ اور آسان ہے۔اس میں رائے دہندہ یا ووٹر خود پولنگ سٹیشن پر جا کر اپنا ووٹ کسی امیدوار کے حق میں استعمال کرتا ہے۔جو امیدوار ووٹوں کی اکثریت حاصل کر لے اسے منتخب کر لیا جاتا ہے' پاکستان' بھارت' انگلستان اور امریکہ میں

بلاواسطہ انتخاب کی خوبیاں (Merits of Direct Election)

1- صحیح جمہوریت

بلاواسطہ انتخاب صحیح جمہوری طریقہ ہے۔ اس میں عوام کے اقتدارِ اعلیٰ کا مناسب انداز میں اظہار ہوتا ہے۔ اس سے عوام اپنے حقوق و فرائض سے آگاہ ہوتے ہیں۔

2- محاسبہ

یہ طریقہ عوام میں ذمہ داری کا احساس پیدا کرتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو عوام کے سامنے ذمہ دار سمجھتے ہیں اور ہر وقت محاسبے کے لیے تیار رہتے ہیں۔

3- حب الوطنی کے جذبات

بلاواسطہ انتخاب سے رائے دہندوں اور نمائندوں کے درمیان قریبی تعلق پیدا ہوتا ہے' عوامی امور میں ان کی دلچسپی زیادہ بڑھ جاتی ہے اور اس طرح حب الوطنی کے جذبات پروان چڑھتے ہیں۔

4- آزادانہ انتخابات

یہ طریقہ آزادانہ انتخاب کے لیے موزوں ترین ہے کیونکہ رائے دہندگان کی تعداد بہت زیادہ ہوتی ہے' انہیں نہ مرعوب کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی ان کے ووٹوں کو خریدا جا سکتا ہے۔

5- سیاسی تربیت

انتخاب کا بلاواسطہ طریقہ افراد کو اپنے نمائندوں کے انتخاب میں براہِ راست شریک ہونے کا موقع بہم پہنچاتا ہے۔ ان میں معاملہ فہمی کی قابلیت پیدا ہوتی ہے' اس سے عوام کی سیاسی تربیت ہو جاتی ہے۔

6- سادہ اور عام فہم

بلاواسطہ انتخاب کا نظام بالکل عام فہم' سادہ اور کم خرچ بھی ہے' امیدوار عوام کے سامنے ہوتے ہیں اور وہ ان کا انتخاب کرتے ہیں۔ چونکہ اس میں انتخابی عمل صرف ایک مرحلے میں مکمل ہو جاتا ہے' اس لیے اس میں خرچ کم اٹھتا ہے۔

7- عوام کی خوشنودی

اس طریقہ انتخاب میں جیتنے والے امیدواروں کو عوامی طاقت اور اس کی اہمیت کا پتہ ہوتا ہے' اس لیے وہ اپنے عہدہ کے دوران عوامی پسند کا خصوصی خیال رکھتے ہیں۔

بلاواسطہ انتخاب کی خامیاں (Demerits of Direct Election)

1- غیر موزوں نمائندے

ایسا بڑا ملک جس میں رائے دہندگان کی اکثریت ان پڑھ اور جاہل ہو، وہ انتخابات میں صحیح اور موزوں نمائندوں کا انتخاب نہیں کر سکتے۔

2- حقیقت پسندی کے خلاف

بلاواسطہ انتخابی عمل بڑا وسیع ہوتا ہے۔ سیاسی جماعتیں مختلف حلقوں کے لیے اپنے اپنے امیدواروں کو ٹکٹ دیتی ہیں' جن سے عوام واقف ہی نہیں ہوتے' اس لیے یہ طریقہ حقیقت پسندی کے خلاف ہے۔

3- جذباتی قیادت

اس طریقہ انتخاب میں سیاسی جماعتیں انتخابی مہم چلاتی ہیں اور ایک دوسرے کے خلاف شدید سیاسی پروپیگنڈہ کرتی ہیں' پیشہ ور سیاسی لیڈر رائے دہندگان کے جذبات سے کھیلتے ہیں اور انتخابات کے دوران ذات، برادری' علاقائیت اور فرقہ پرستی کو بھی خوب ہوا ملتی ہے۔

4- ہنگامہ آرائی

بلاواسطہ انتخابی عمل بہت پرآشوب ہوتا ہے' اس میں پورا ملک ایک ہی وقت میں ایک نہایت ہنگامہ خیز انتخابی عمل سے دوچار ہوتا ہے' امیدوار ایک دوسرے کے خلاف تحقیر اور بدگوئی کی مہم چلاتے ہیں' نعرہ بازی اور شوروغل میں ملک کا سارا انتظام کچھ مدت کے لیے درہم برہم ہو کر رہ جاتا ہے۔

5- قابل افراد کا انتخابات سے گریز

بلاواسطہ انتخاب میں چونکہ ہنگامہ آرائی بہت شدید ہوتی ہے' سیاسی جماعتیں اور راہنما ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالتے ہیں اور عوام کے جذبات کو مجروح کرتے ہیں جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ قابل اور شریف افراد انتخابات میں شریک ہونے سے گریز کرتے ہیں' لہٰذا ملک ان کی صلاحیتوں سے محروم ہو جاتا ہے۔

بالواسطہ انتخاب (Indirect Election)

بالواسطہ انتخاب کا طریقہ نسبتاً پیچیدہ اور مشکل ہے۔ یہ ایک قسم کا دوہرا (Double) انتخاب ہے' پہلے مرحلے میں انتخابی ادارے (Electoral College) کی تشکیل کی جاتی ہے۔ اس مرحلہ میں عام ووٹر انتخابی ادارے کے اراکین کو منتخب کرتے ہیں۔ اس کے بعد دوسرے مرحلہ پر انتخابی ادارے کے منتخب شدہ اراکین مقننہ کے ارکان یا صدر کا انتخاب کرتے ہیں۔

نمائندوں کے انتخاب کا یہ طریقہ عموماً ایوان بالا (Upper House) کے اراکین یا پارلیمانی طرز حکومت میں صدر ریاست کے چناؤ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ بھارت' فرانس اور روس میں ایوان بالا کا چناؤ اس طرح ہوتا ہے۔ پاکستان میں 1962 کے آئین کی رو سے صدر' مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کے لیے یہی طریقہ بروئے کار لایا گیا تھا۔ پاکستان میں موجودہ دستور کے تحت سینٹ کا چناؤ اور صدر کا انتخاب بالواسطہ طریقہ سے ہوتا ہے۔

بالواسطہ انتخاب کی خوبیاں (Merits of Indirect Election)

1- اہل افراد کا چناؤ

اس طریق انتخاب کا مقصد عوام کو بالغ رائے دہی کی برائیوں سے محفوظ کرنا ہے۔ بالواسطہ طریق انتخاب سے رائے دہندگان پہلے چند افراد کا چناؤ کرتے ہیں۔ اگر وہ خود ان پڑھ اور جاہل ہوں تو پھر بھی وہ اپنے میں سے بہتر افراد کو منتخب کریں گے۔ اس سے نمائندوں کی اہلیت کا معیار بھی بلند ہو جاتا ہے۔ لہٰذا انتخابی ادارے کے ذریعہ باشعور اور بہتر نمائندوں کا انتخاب ہوتا ہے۔

2-ترقی پذیر ملکوں کے لیے موزوں

بالواسطہ طریق انتخاب نو آزاد اور ترقی پذیر ممالک کے لیے موزوں سمجھا جاتا ہے۔ جہاں تعلیم عام نہ ہو اور نہ ہی لوگوں میں سیاسی شعور موجود ہو' ترقی پذیر ممالک میں اس طریق انتخاب سے بہت بہتر نتائج برآمد ہوئے ہیں۔

3-پارٹی بازی کا خاتمہ

بالواسطہ طریق انتخاب کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ یہ بڑی حد تک پارٹی بازی کا خاتمہ کر دیتا ہے۔ یہ ملکی سیاست میں ٹھہراؤ' سنجیدگی اور متانت پیدا کرتا ہے۔ خود غرض لیڈر عوام کے جذبات سے کھیل کر اپنا مطلب آسانی سے نہیں نکال سکتے۔ چنانچہ انتخاب کے دوسرے مرحلے پر نمائندوں کا انتخاب بڑے پرامن حالات میں ہوتا ہے' باصلاحیت اور دانشور افراد جو بلاواسطہ انتخاب میں حصہ لینے سے اجتناب کرتے ہیں وہ اس طریقہ انتخاب میں اپنی خدمات پیش کر سکتے ہیں۔

بالواسطہ انتخاب کی خامیاں (Demerits of Indirect Election)

1-پیچیدہ اور مہنگا

بالواسطہ انتخابی طریقہ پیچیدہ اور مہنگا ہے۔ بالواسطہ نظام میں انتخاب دو مراحل میں مکمل ہوتا ہے۔ کم پڑھے لوگ اس نظام کو آسانی سے نہیں سمجھ پاتے' مزید برآں اس میں قوم کا دگنا وقت اور سرمایہ خرچ ہوتا ہے۔

2-قدرے غیر جمہوری

انتخاب کا یہ طریقہ جمہوری اصولوں سے مکمل طور پر مطابقت نہیں رکھتا۔ اس میں عوام کو اپنے نمائندگان کے براہ راست انتخاب کے حق سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ بلا واسطہ انتخاب سے ووٹروں اور نمائندوں کے درمیان براہ راست تعلق قائم ہوتا ہے۔ جبکہ بالواسطہ انتخاب کا طریقہ جمہوریت کی روح کے منافی ہے۔ کیونکہ اس میں ووٹروں اور نمائندوں کے درمیان ایک اور واسطہ "انتخابی ادارہ" (Electoral College) آ جاتا ہے۔

3-عوامی دلچسپی میں کمی

بالواسطہ انتخاب میں رائے دہندوں اور نمائندوں میں براہ راست تعلق نہیں ہوتا۔ چونکہ سیاست سے عوام کا تعلق تیسرے مرحلے پر چلا جاتا ہے اس لیے وہ حکومت کے معاملات میں خاطر خواہ دلچسپی نہیں لیتے۔ اس طرح عوام اور حکومت میں کوئی ٹھوس رابطہ نہیں رہتا۔

4-انتخابی بدعنوانیاں

بالواسطہ انتخاب میں انتخابی بدعنوانیوں کا خطرہ زیادہ ہوتا ہے۔ سیدھی سی بات ہے۔ کہ انتخابی ادارے کے اراکین تعداد میں کم ہوتے ہیں' اس لیے ان پر بآسانی اثر و رسوخ استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح جوڑ توڑ اور رشوت ستانی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ ایک مال دار امیدوار چند ایک افراد سے ووٹ بڑی آسانی سے خرید سکتا ہے' اس طرح نااہل افراد بھی منتخب ہو جاتے ہیں۔

5-غیر منطقی

کہا جاتا ہے عوام میں صحیح نمائندوں کے انتخاب کی اہلیت نہیں ہوتی' اس لیے انتخاب بالواسطہ ہونا چاہیے۔ ایسا فرض کر لینا کہ عوام انتخابی ادارے کا چناؤ کر سکتے ہیں لیکن مقننہ کے اراکین کو منتخب کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے یہ بڑا غیر منطقی اور مضحکہ خیز لگتا ہے کیونکہ اگر عوام

6-ذہنی قابلیت کا معیار

انتخابی ادارے کے اراکین کے لیے کوئی خاص ذہنی قابلیت کا معیار مقرر نہیں ہوتا اس لیے وہ عموماً ایسی ذہنی سطح کے مالک ہوتے ہیں جو ان کو منتخب کرنے والوں کی ہوتی ہے۔ لہٰذا بالواسطہ انتخاب کے ذریعہ ضروری نہیں کہ قابل اور بہتر نمائندے ہی منتخب ہوں۔

رائے دہندگان اور براہ راست قانون سازی (Electorates And Direct Legislation)

یونان کی شہری ریاستوں میں رقبہ اور آبادی کم ہونے کی وجہ سے براہ راست جمہوریت اختیار کی گئی بعد میں روسو (Rousseau) نے بھی براہ راست جمہوریت کی تائید کی۔ یونانیوں کے بعد نمائندہ جمہوریت کو فروغ ہوا۔ اس میں قوانین عوام کے نمائندے وضع کرتے ہیں، مگر اس مروجہ طریقہ کے علاوہ کچھ ایسے طریقے بھی ہیں جن سے رائے دہندگان براہ راست قانون سازی میں حصہ لے سکتے ہیں۔ براہ راست جمہوریت کے قیام کے چند ذرائع تجویز کیے گئے ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

1-استصواب رائے (Referendum)

بعض جمہوری ممالک کے دساتیر میں اس قسم کی دفعات شامل کی گئی ہیں جس کے تحت کسی آئینی یا عام قانون کی جو مقننہ نے پاس کر لیا ہو رائے دہندگان کے پاس برائے توثیق بھیجا جاتا ہے۔ مخالفت میں اکثریتی ووٹ پڑنے کی صورت میں وہ قانون نافذ نہیں ہو سکتا۔ اگر افراد کی اکثریت اسے منظور کر لے تو یہ قانون بن جاتا ہے۔ سوئٹزرلینڈ کے دستور میں استصواب رائے کرانے کا طریقہ درج ہے۔ آٹھویں ترمیم کے ذریعے پاکستان کے آئین میں ریفرنڈم کی گنجائش پیدا کی گئی ہے۔

2- حق ہدایت (Initiative)

حق ہدایت سے مراد یہ ہے کہ عوام بذات خود کسی قانون کے بنائے جانے کی تجویز پیش کریں۔ اس حق کے ذریعے عوام ایک عام قانون کے علاوہ آئین میں ترمیم کی تجویز بھی پیش کر سکتے ہیں۔ ایسی تجویز پیش کرنے کے لیے ایک مقررہ تعداد جس کا تعین آئین میں کر دیا جاتا ہے۔ عوام کے دستخطوں پر مشتمل دستاویز تیار کر کے مقننہ میں بھجوائی جاتی ہے۔

3-رائے شماری (Plebiscite)

رائے شماری بھی ایک مخصوص قسم کا استصواب رائے ہے لیکن اس کا تعلق براہ راست قانون سازی سے نہیں ہے بلکہ کچھ اور نوعیت کے سیاسی مسائل سے ہوتا ہے۔ عام طور پر اس کا استعمال عوام کی اپنی سیاسی حیثیت کے تعین کے لیے ہوتا ہے یعنی یہ کہ وہ کس ملک میں شامل ہونا چاہتے ہیں۔ مثلاً اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق کشمیر کے تنازعہ کا حل رائے شماری کے ذریعے ہونا چاہیے۔ لیکن بھارت کی روایتی ہٹ دھرمی کی وجہ سے ان قراردادوں کو عملی جامہ نہیں پہنایا جا سکا۔

4- حق بازطلبی (Recall)

حق بازطلبی براہ راست قانون سازی کا کوئی طریقہ نہیں۔ اگر رائے دہندگان یہ سمجھ رہے ہوں کہ ان کا نمائندہ صحیح طور پر حق نمائندگی ادا نہیں کر رہا تو پھر وہ اس حق کے تحت اس منتخب نمائندے کو اس کی میعاد ختم ہونے سے پہلے ہی اس کے خلاف عدم اعتماد کر کے مقننہ کی رکنیت سے برطرف کر سکتے ہیں۔ اس طریقے کے مطابق رائے دہندگان کی ایک مقررہ تعداد کسی منتخب نمائندے کی غیر تسلی بخش کارکردگی کی بنا پر اسے مقننہ کی رکنیت سے مستعفی ہونے پر مجبور کر سکتے ہیں اور اس کی جگہ نیا منتخب شدہ نمائندہ اپنے پیش رو کی بقایا مدت پوری کرتا ہے۔ امریکہ کی بعض ریاستوں میں یہ طریقہ منتخب ججوں کی برطرفی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ طریقہ سابقہ سوویت یونین میں مکمل طور پر رائج تھا سوئٹزرلینڈ کے بعض

سیاسی جماعتیں (Political Parties)

موجودہ جمہوری نظام میں سیاسی جماعتوں کا وجود بہت ضروری ہے' جمہوری حکومت کے قیام اور تسلسل کے لیے سیاسی جماعتوں کا وجود ناگزیر ہو گیا ہے۔ سیاسی جماعتوں کی موجودگی کے بغیر نمائندہ جمہوریت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ قریباً ہر جمہوری ریاست میں دو یا دو سے زائد سیاسی جماعتیں ہوتی ہیں۔

تعریف (Definition)

1-لارڈ برائس (Lord Bryce)

''سیاسی جماعت افراد کا ایسا منظم اجتماع ہے جو رضا کارانہ طور پر متحد ہوں اور سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے سرگرم ہوں''۔

2-گیٹل (Gettell)

''سیاسی جماعت شہریوں کے ایک گروہ کا نام ہے جو کم و بیش منظم ہوتے ہیں' جو اپنی رائے دہندگی کی قوت سے حکومت پر اختیار حاصل کرنا اور اپنے اصولوں کو رائج کرنا چاہتے ہیں''۔

3-میکائیور (MacIver)

''افراد کا ایسا اجتماع ہے جو مشترکہ مقاصد کے حصول کے لیے آئینی ذرائع سے حکومت حاصل کرنے کے لیے کوشاں ہو''۔

4-سلطاؤ (Soltao)

''سیاسی جماعت سیاسی طور پر متحد شہریوں کا گروہ ہے۔ جو جمہوری طریقے سے حکومت پر قبضہ کرنے کے لیے سرگرم ہو''۔

5-ڈسرائیلی (Disraeli)

برطانیہ کے ایک وزیر اعظم ڈسرائیلی نے سیاسی جماعت کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔ ''سیاسی جماعت منظم رائے عامہ کا نام ہے''۔

سیاسی جماعت کے فرائض (Functions of Political Parties)

1-رائے عامہ کی تشکیل

رائے عامہ شروع میں واضح نہیں ہوتی' اس میں متضاد نظریات و تصورات بھی ہوتے ہیں۔ سیاسی جماعتیں ایسے نظریات و تصورات کے مطابق رائے عامہ کو واضح اور باقاعدہ شکل دیتی ہیں۔ اس مقصد کے لیے سیاسی جماعتیں مختلف ذرائع ابلاغ سے استفادہ کرتی ہیں۔ لارڈ برائس کا کہنا ہے۔ ''سیاسی جماعتیں نظریات اور آرا کے انتشار میں تنظیم پیدا کرتی ہیں۔ اگر سیاسی جماعتیں نہ ہوں تو سیاست میں لفظی ہنگامہ آرائی کے علاوہ اور کچھ باقی نہ رہ جائے''۔

2-سیاسی شعور

سیاسی جماعتیں لوگوں میں سیاسی شعور پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں وہ ملکی مسائل اور ان کے حل کے طریقوں کے متعلق عوام کو آگاہ کرتی ہیں۔ وہ یہ کام اخبارات' رسائل' تقاریر' جلسے' جلوس اور دیگر ذرائع سے سرانجام دیتی ہیں اور اپنے پروگرام' پالیسی اور مقاصد بتاتی ہیں اس طرح سیاسی جماعتیں عوام میں سیاسی شعور پیدا کرتی ہیں۔ مشہور مفکر سلطاؤ (Soltao) نے اس کو یوں کہا ہے کہ سیاسی جماعتیں باخبری کا مرکز ہوتی ہیں' ان کے ذریعے ہی یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ ملک میں کیا ہو رہا ہے۔

3-انتخابات

سیاسی جماعتوں کے بغیر با معنی انتخابات منعقد نہیں ہو سکتے، سیاسی جماعتوں کا ایک اہم فریضہ انتخاب کے لیے اپنے امیدواروں کو نامزد کرنا ہے۔ موجودہ سیاسی نظام اور طریقہ کار میں کسی شخص کے لیے بے حد مشکل ہو گیا ہے کہ وہ آزاد حیثیت سے انتخاب لڑ سکے۔ چنانچہ امیدوار کی کامیابی کے لیے انتخابی مہم کا سارا کام جماعتیں خود سنبھال لیتی ہیں۔ انتخابات کے دوران سیاسی جماعتیں عوام سے رابطہ قائم کرتی ہیں اور اپنے نامزد امیدواروں کے لیے زور و شور سے انتخابی مہم چلاتی ہیں۔

4-حکومت کی تشکیل

پارلیمانی نظام میں ہمیشہ اکثریتی نشستیں جیتنے والی جماعت کو حکومت مرتب کرنے کی دعوت دی جاتی ہے۔ حکمران جماعت اپنے پروگرام اور مقاصد کے مطابق قوانین اور پالیسی وضع کرتی ہے اس طرح یہ جماعت وہ وعدے جو اس نے انتخابات کے وقت کیے ہوں پورا کرتی ہے۔ اگر کوئی جماعت عوام سے کیے گئے وعدے پورے کرنے سے قاصر رہتی ہے تو آئندہ انتخابات میں اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔

5-حزب اختلاف

جو سیاسی جماعتیں اکثریت کی حمایت حاصل نہیں کر سکتیں وہ مقننہ میں حزب اختلاف کا کردار ادا کرتی ہیں۔ وہ متبادل حکومت کے طور پر کام کرتی ہیں اور حکومت کی مجوزہ سکیموں پر تنقید کر کے ان کی خامیوں کی نشاندہی کرتی اور رائے عامہ ہموار کرتی ہیں۔ وہ حکومت کو اس بات پر مجبور کر دیتی ہیں کہ وہ عوام کے مفاد کے خلاف کوئی کام نہ کرے۔

6-افراد کی حوصلہ افزائی

ماہرین عموماً عوامی زندگی سے الگ تھلگ رہنا پسند کرتے ہیں۔ سیاسی جماعتیں انہیں گوشہ گمنامی سے نکال کر وسیع تر قومی مفاد کے کاموں میں ان کی خدمات سے فائدہ اٹھاتی ہیں۔

7-قومی وحدت

سیاسی جماعتیں مختلف نظریات و خیالات اور مختلف رائے رکھنے والے لوگوں کو ایک پلیٹ فارم پر لا کر ملی اتحاد کو مضبوط کرتی ہیں۔ سیاسی جماعتیں اگر قومی مفادات اور قومی یکجہتی کے نام پر عوام سے حمایت کی اپیل کریں تو انہیں زیادہ کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ محب وطن سیاسی جماعتوں کی کوششوں سے عوام میں بھی قومی جذبات فروغ پاتے ہیں۔

سیاسی جماعتوں کا کردار (Role of Political Parties)

سیاسی جماعتوں کے مندرجہ بالا فرائض ان کی ضرورت و اہمیت ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں، تاہم ان کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔

جمہوری نظام کو کامیابی کے ساتھ چلانے کے لیے سیاسی جماعتوں کا وجود ناگزیر ہے۔ کیونکہ سیاسی جماعتیں جمہوریت کی جان اور روح ہوتی ہیں۔ وہ امیدواروں کو نامزد کر کے انتخابات میں کھڑا کرتی ہیں۔ سیاسی جماعتوں کے بغیر جمہوریت ناقابل عمل ہے۔ جمہوری نظام کو انتشار اور فرقہ واریت سے محفوظ رکھنے میں سیاسی جماعتیں بنیادی کردار ادا کرتی ہیں سیاسی جماعتیں عوام میں سیاسی سوجھ بوجھ پیدا کرتی ہیں۔ اگر لوگ کسی حکومت کو نااہل اور بددیانت سمجھتے ہیں اور اس کی جگہ متبادل حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں تو ان کی اس خواہش کی تکمیل پارلیمانی نظام میں حزب اختلاف کے ذریعے اور صدارتی نظام میں آئندہ انتخاب کے ذریعے ہو سکتی ہے۔ لاول (Lowell) کہتا ہے کہ سیاسی جماعتوں کے بغیر عوام کی حکومت کا تصور محض وہم و خیال ہے۔ جہاں حق رائے دہی وسیع ہوگا، وہاں سیاسی جماعتیں یقیناً وجود میں آئیں گی اور عنان حکومت لازماً ایسی جماعت یا جماعتوں کے ہاتھ میں ہوگی جس کو عوام کی اکثریت حاصل ہوگی۔ سیاسی جماعتیں رائے

کا مقصد یہی ہے کہ وہ رائے عامہ کو منظم کریں اور عوام کے فیصلے کے لیے مسائل کا حل پیش کریں"۔

سوالات

حصہ اول

1- مختصر جوابات دیجئے۔

☆ حق ہدایت سے کیا مراد ہے؟

☆ رائے عامہ کی اہمیت صرف پانچ نکات کے ذریعے واضح کریں۔

☆ انتخاب کی تعریف کریں۔

☆ بالواسطہ انتخاب کا طریقہ کیسے پیچیدہ اور مشکل ہے؟

☆ گیٹل نے سیاسی جماعت کی کیا تعریف کی ہے؟

☆ حزب اختلاف کا کیا کردار ہوتا ہے؟

☆ سیاسی جماعتوں کی اہمیت کے حوالے سے "لاوئل" کیا کہتا ہے؟

☆ پاکستان کے آئین میں ریفرنڈم کی گنجائش کیسے پیدا کی گئی؟

☆ بالغ رائے دہی سے کیا مراد ہے؟

☆ رائے عامہ کی تشکیل میں پریس کا کیا کردار ہے؟

حصہ دوم

2- رائے عامہ کا مفہوم اور تعریف بیان کیجئے نیز اس کی اہمیت واضح کیجئے۔

3- رائے عامہ کی تشکیل اور اظہار کے مختلف ذرائع تفصیل سے بیان کیجئے۔

4- صحیح رائے عامہ کی ضروری شرائط کا جائزہ دلیجے۔

5- مندرجہ ذیل پر نوٹ لکھیے۔

(الف) رائے دہندگان (ب) انتخابات

6- براہ راست جمہوریت کے ذرائع کون کون سے ہیں؟ وضاحت کیجئے۔

7- سیاسی جماعت کی تعریف کیجئے نیز سیاسی جماعتوں کے فرائض اور کردار کا جائزہ لیجئے۔

8- بلاواسطہ اور بالواسطہ انتخاب کی خوبیاں اور خامیاں بیان کیجئے۔

حصہ سوم

■ ہر سوال کے چار جوابات دیئے گئے ہیں درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

1- پاکستان میں ووٹر کی عمر کتنے سال مقرر کی گئی ہے؟

(الف) پندرہ (ب) سولہ (ج) سترہ (د) اٹھارہ

2- انتخابات کے کتنے طریقے ہیں؟

(الف) دو (ب) تین (ج) چار (د) پانچ

3- بالواسطہ انتخاب میں پہلے مرحلے میں کس کی تشکیل کی جاتی ہے؟

(الف) سیاسی جماعت (ب) لیڈروں (ج) امیدواروں (د) انتخابی ادارے

4- بالواسطہ طریق انتخاب کن ممالک کے لیے موزوں سمجھا جاتا ہے؟

(الف) جمہوری (ب) وسیع وعریض (ج) ترقی پذیر (د) امیر ترین

5- کس ملک میں استصواب رائے کرانے کا طریقہ رائج ہے؟

(الف) امریکہ (ب) سوئٹزرلینڈ (ج) بھارت (د) برطانیہ

6- اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق کشمیر کے تنازعہ کا حل کس کے ذریعے ہونا چاہیے؟

(الف) استصواب رائے (ب) براہ راست انتخاب (ج) رائے شماری (د) مذاکرات

7- کس مفکر نے سیاسی جماعت کی یہ تعریف کی ہے؟ "سیاسی جماعت افراد کا ایسا منظم اجتماع ہے جو رضاکارانہ طور پر متحد ہوں اور سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے سرگرم ہوں"۔

(الف) گلکل (ب) لارڈ برائس (ج) میک آئیور (د) ڈسرائیلی

8- کس کا یہ کہنا ہے کہ "سیاسی جماعتوں کا لازمی فرض یہی ہے کہ وہ رائے عامہ کو منظم کریں"؟

(الف) لاول (ب) لاسکی (ج) ہالینڈ (د) گلکل

9- ایران میں اسلامی انقلاب کب آیا؟

(الف) 1975ء (ب) 1979ء (ج) 1983ء (د) 1987ء

10- کس کے نزدیک ووٹر کے لیے تعلیم یافتہ ہونا ضروری ہے؟

(الف) راجرز (ب) روسو (ج) جے سٹورٹ مل (د) فارابی

کاروں سے نکلنے والا دھواں سب کی صحت کے لیے نقصان دہ ہے۔

ہارن کم سے کم استعمال کریں

پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ منظور شدہ نصاب کے مطابق معیاری اور سستی کتب مہیا کرتا ہے۔ اگر ان کتب میں کوئی تصور وضاحت طلب ہو، متن اور املا وغیرہ میں کوئی غلطی ہو تو گزارش ہے کہ اپنی آراء سے آگاہ فرمائیں۔ ادارہ آپ کا شکر گزار ہوگا۔

مینیجنگ ڈائریکٹر
پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ
21-ای-II، گلبرگ-III، لاہور

فیکس نمبر 042-99230679
ای میل chairman@ptb.gop.pk
ویب سائٹ www.ptb.gop.pk

پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور